

# جنگ اصحابان

صادق حسین مدنی



# جنگِ اصفہان

صادق حسین صدیقی

# جنگِ اصفہان

صادق حسین صدیقی

شاہد بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

## جہد حقوق محفوظ ہیں

شاپ	پتھر:
اے۔ ون پریس ویلی	مطبع:
	تعداد:
1994	سن اشاعت:
60/- روپے	قیمت:
رزاقی	کتابت:



## سفاک عرب

①

جنگ کا وقت ہے۔ اگرچہ آفتاب کو طوعاً ہوئے بھی کھڑا رہ نہیں ہوئی ہے لیکن مسکرا  
شعاعیں برساتوں کی طرح رنگ زار پر پڑ رہی ہیں جس سے ریت چنے لگی ہے۔ جو اس گری آگئی ہے۔  
سفید ریت اور اس میں سے جوئے جانہ کی ذرے آفتاب کی تیز شعاعوں سے اس قدر چمکے گئے ہیں کہ  
ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ انھیں غیروہ گنتی ہیں۔

دیگستان جو لگاؤ کھسک پھیلا ہوا ہے۔ ایک افق سے دوسرے افق تک کیس کیس ریت کے توفے  
پھاڑ کی طرح کھڑے آسمان سے سر ہانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیس کیس چوٹی پھاڑوں کی طرف دور  
دور تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اور کیس کیس ریت کا سفید عتد رسا پھیلا ہوا ہے جس میں دن بھر چنے  
والی تیز اور گرم ہوائی ایسی لہریں پیدا کر دیتی ہیں جو نظروں کو بہت جلی حلقہ ہوتی ہیں۔

رنگ کے اور بچے تو دونوں کی ایک پھاڑی کے دامن میں ایک غیر نصیب ہے۔ خیر کی نشان دہی ہے  
کہ کچھ دولت مند عورتوں کا خیر ہے۔ خیر کے پاس ہی کیوں کا سا نشان ہے اور اس سا نشان کے بچے جس گھر سے  
کھڑے ہیں۔

خیر کھانوں کا اور کافی لہذا اور کتنا وہ ہے۔ اس کا حرف ایک ہی دروازہ ہے۔ دروازہ نہایت ہی خوش  
ہے۔ اس پر آگے کی طرف چھوٹا ہوا ہے۔ دروازہ کے دودھ آبی سے نیلے کے دو حصے ہو گئے ہیں کہ  
تکلیف کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ دونوں حصوں میں تالیوں کا خرگہ ہے اور مسکری بھی ہوئی  
ہی۔

ریت کی پاڑی کے اوپر سے ایک لمبی دو شیرہ اس طرف بچے آ رہی ہے جیسے کہ بڑی آسمان سے  
آہستہ آہستہ زمین کی طرف آ رہی ہے۔

وہ غایت اچھی جانتی ہے ہوتے تھی۔ زرد نگار دیکھی کرے ہاتھ سے ہوتے تھی۔ اس میں ایک مربع غور شا  
ہوا تھا۔ اوڑھنی جو وہ اوڑھ رہے ہوتے تھی اس میں چاندی کے ستاروں کی جھلک سنانے کی طرف مٹی ہوئی تھی۔  
سفید ستارے اس کی سیاہی مثلاً کورنٹیم جیسی زلزلوں اور زمین چٹائی پر پڑے تھے جو زیت ہی دلفریب  
معلوم ہو رہے تھے۔

یہ طرف دو شیرہ غایت حسین اور پری چہرہ تھی۔ اس کی رفتار میں ایک دنگا تھا۔ بالکل پری یا فروری ہو  
سلا ہو رہی تھی۔ وہ بڑی آسانی سے پاڑی سے اتر آئی تھی۔ یہ پاڑی ریت کے توڑوں کی تھی اور غلام ہاتھ سے چل کر  
گھوڑوں کے پاس پہنچی۔

اس نے گھوڑوں سے مخاطب ہو کر کہا:  
”رشتہ کی جان ہے کہ تمہیں کب چارہ اور چوبیس کب پانی ملے گا؟“  
”رشتہ ایک بت کا نام تھا۔ قید ملے اس بت کی پرستش کرتا تھا۔“  
”عرب دو شیرہ دہان سے بڑھ کر شہر کے اندر داخل ہوئی۔ ہم بیان کر کے ہیں کہ شہر کے دھسے  
تھے۔ ایک داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ وہ نئی مسمی کے درمیان قہقہہ مچاتی ہوئی تھی۔ وہ وہاں سے  
سبھی کی طرف بڑھی۔“

شہر کے اندر کافی دشتی پھیلی ہوئی تھی۔ اس صحر میں ایک اعزلی عہد عربی لباس پہنے یشتا  
اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہے۔ اس پر تعاقب چھاتی ہوئی تھی۔

اس نے عربی دو شیرہ کو روک لیا کہ  
”نہم آتیں بیٹی سلاطہ۔“

اس ناز میں کانا سلاطہ تھا۔ اس نے جواب دیا،

”ہی جی۔ میں آگیا اباجان۔“ میرے ریت کی پاڑی پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا اسوٹے  
ریت کے میدانوں اور توڑوں کے لہر لہے نظر نہیں آیا۔ انسان تو انسان پر نہ ملک کا پتہ نہیں۔

اعزلی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

”اس رنگ نار میں انسان ادھر بندھنے کے لیے کھال سے کتے؟“

سلاطہ اب کیسی طبیعت بن چکی؟

عرب: کالی سے لچھا ہے۔ بیٹی۔ لیکن جھوٹا اور غدا تو ایک طرف، پیسے کو پانی بھی نہ ملے۔ اس کی  
طبیعت کیسے تبدیل ہو سکتی ہے۔

سلاطہ: یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ ہم کہاں آ گئے ہیں!

عرب: میرا خیال ہے کہ عرب کے مشہور ریگستان الریح اقال میں آ گئے ہیں جسے اوصاف بھی کہتے ہیں۔ جہاں  
پر ٹھہری ہیں یہاں لے آئے ہیں اور اب اس ریگستان میں۔۔۔۔۔

وہ کہنے لگتے تپ ہو گیا۔

سلاطہ کو سند لگا ہوں مگر حسین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے عرب کو دفعہ چوتھا  
کہنے کے لیے کہا:

”تجہری موت واقع ہوگی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاں بڑوں کا کیا ہے گا؟“

عرب: تو نے سچ کہہ دیا بیٹی۔ میں بھی کہنے والا تھا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قید ملے کا نہیں  
محب پانی کے ایک قطرے کے لیے ترس رہا ہے۔

اس عرب کا نام کھلب تھا۔ وہ قید ملے کا نہیں تھا۔

سلاطہ: مگر تم اپنے قید کو چھوڑ کر یہاں کیسے آئے؟

محب: یہ ایک لمبی داستان ہے بیٹی۔ پھر کبھی وقت بیان کر دوں گا۔ اگر مجھے پانی مل جائے تو شاید چند  
دن کا زندگی بردھلا کر آؤں۔

سلاطہ: میں آج پھر پانی کی تلاش میں جاؤں گی۔

محب: میرا خیال ہے۔ مجھے پانی نہ مل سکے گا۔ یہ میرا علم، میرا تجربہ یہاں پانی کہاں!

سلاطہ: گمراہ جان۔ ہمارے سمجھنے سے بچاؤ کا یہ ریگستان بڑا بڑا ہی کیوں!

محب: میری سمجھ بڑھی۔ اپنے تازان بندوں کو اس صحرا میں لکڑی کی کھڑکی کی منڈا پہنے کرے۔

سلاطہ: مگر تم نے تو اپنے سمجھ کو بھی کھائی نہیں کی۔

محب: لیکن مجھے تو تازان ہوئی ہوگی۔ میری منڈا میں تو کچھ کھانا ہو چکا ہے۔

وہ دم بھٹکے کے لیے نکلا۔

سلاطہ نے کہا:

”میرے سمجھنے سے دعا ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں آج ضرور پانی ملے گا۔“

محب: میں دیکھ رہا ہوں بیٹی۔ تو میرے لیے جو کچھ کر رہی ہے وہ ایک رشتہ بھی نہیں کر سکتا۔ میرا خیال



اور سنگدل ہوں بیٹی۔ میں نے اپنے ان اہل حق سے ایک نہیں دو نہیں تھیں لڑکیوں کا گلوٹ  
کو مار ڈالا۔ یہ تیرن تیری بہنیں اور میری بیٹیاں تھیں۔  
ملاقات میرے سے صلب کی باتیں سن رہی تھی۔

صلب اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا:

”مجھے میری شہادت اور سنگدلی پر تعجب اور افسوس ہے مگر میں تجھے بعض وقت ہوں کہ میں نے ایسا  
کیا ہے۔ کوئی باحیثیت خود دار اور فرزند عرب اپنی بیٹی کو اس لیے زندہ نہیں رہنے دیتا کہ بڑی جو کہ  
اس کی شادی ہو اور کوئی اس کا دام نہ لے۔ جب میری بیٹی اتنی بڑی ہو جاتی تھیں کہ رونے لگتی تھیں تب  
میں ان کا گلوٹ ڈالتا تھا۔ وہ مصروع سمجھتی تھیں کہ میں ان کے ساتھ کیوں رہا ہوں لیکن میں ان کے  
بچے موت کا فرشتہ ہی جانتا تھا۔ ان کا گلوٹ اس زور سے گھونٹتا تھا کہ ان کی زبان اور آنکھیں بہہ نکلتی تھیں  
اور وہ مردہ ہو کر میرے اہل حق میں ملنے لگتی تھیں۔

مجھے اس وقت ہی کے مرنے کا بالکل میں لالہ ہو چکا تھا بلکہ اہل طرح کی خوشی ہوتی تھی جیسے میرے  
سر سے کوئی بوجھ نزل گیا۔ گلاب میں سوچا ہوں کہ میں نے بڑی بے رحمی کی ہے کہ میں نے اپنی صومالیہ کو  
واک کر کے اپنے آپ کو تندر کیا ہے۔

ملاقات اس کی باتیں سن کر سخت متعجب ہو رہی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا باپ اس قدر سنگدل  
بلکہ دم و دم ہے۔ اس نے کہا:

”گلاب نے میرا گلوٹ دیکھ کر دیا۔“

صلب: میرا لگا ہوا گلوٹ دیکھ کر تو میرے سامنے پرورش پائی بیٹی تیری ماں نے صلب علی سے تجھے  
بچایا۔

ہوایا کہ جب تو پیدا ہوئی تو اس نے رات کو ہی تجھے اپنی اسی کے پاس بیچ دیا اور مجھ سے کہا کہ میری بیٹی  
لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ بچے کو نہ بڑا خود ہی رکھ لی۔

تو اپنی خال کے پاس پرورش پانے لگی تیری ماں تجھے دیکھنے کے لیے اپنی پس کے پاس چلی جاتی تھی۔  
کئی کئی مہینے وہاں رہ کر آتی تھی۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ تیری خال پہلے سے قلیل سے بہت خال پر  
رہتی تھی۔

ایک مرتبہ وہ اپنی پس کے پاس آئی ہوئی تھی۔ میں تیری ماں سے ملنے چلا گیا۔ میں نے تجھے دیکھا اس  
وقت تیری مومس برس کی تھی۔ تیری محبت نے میرے دل میں جوش لگایا۔ باوجودیکہ میں بڑا خود دار

تھا۔ اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالتا تھا لیکن تجھے بچ کر میری نناہوں کہ کاشش تو میری  
بیٹی ہوئی۔

تیری ماں مجھے دیکھ کر ہل گئی۔ اس کا چہرہ فنی ہو گیا مگر میں کچھ نہیں سمجھا کہ کیوں وہ زور دے رہی تھی  
مجھے تو اس قدر معلوم ہوئی کہ میں تجھے گلوٹوں کو مار رہا ہوں۔ اچھا چھ چیزیں مجھے کھانے کو تھے  
دہانہ اور خوش ہوا۔

میں نے دیکھ کر زور تیری ماں سے کہا:

”کاشش! یہ ملاقہ ہماری بیٹی ہوئی۔“

اس نے کہا:

”ابا کہ تم اس کا گلوٹ بھی گھونٹ دیتے۔“

میں نے کہا:

”نہیں۔ میں اسے بدلے سے زیادہ مزہ بڑھانگا۔“

اس نے کہا:

”کیوں جھوٹ ہوتے ہو۔“

میں نے کہا:

”تم ان کی قسم میں جاکر رہا ہوں۔“

اسے پھر بھی یقین نہ آیا۔ وہ میرے سامنے جلی آئی۔

سال بھر میں دو مرتبہ وہ پھر اپنی پس کے پاس آئی۔ آخر میں نہ بہ وہ وہاں آئی تو کچھ دیر کے

بعد وہ جا رہ گئی۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے مجھ سے کہا:

”تم ملاقہ کو مار ڈال۔ غور مار ڈال۔“

میں نے پوچھا: ”کیوں؟“

اس نے جواب دیا:

”اس لیے کہ وہ غدار بیٹی ہے۔“

میں جوں بڑا۔ کہا:

”میرا بیٹھ ہے؟“

اس نے کہا: ”ہاں۔“

میرا منے مجھے بتا کر جس بڑی کامیابی کے لئے لکھا کر گئے تھے وہ میری نہیں تھی ۲۷ میں نے اپنی  
بھوکے باس میں کچھ دیا تھا وہ بددش پا گئی۔ بڑی ہو گئی۔ میرا اب آخری وقت آ گیا ہے اسی لیے میں نے یہ  
ماز تم پر رکھ کر دیا ہے

میں نے کہا:

"میں سلاطین کو اپنی بہانہ سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ مجھے اسے دیکھنے ہی اس سے محبت ہو گئی تھی۔  
چنانچہ میں نے اسی وقت مجھے اپنے لیے غلاموں کو بھیجا یا چند روز میں تو آئی۔ میں نے تیری  
نماز برداری شروع کر دی۔ تیری ملک کو ایمان ہو گیا کہ میں تجھے قتل نہ کروں گا۔ وہ خوش ہو گئی مگر اس کی طرف سے  
وفا نہ مل سکی تھی۔

سلاطین اپنے ماں کو یاد کر کے رونے لگی۔ اس نے سسکیاں پیتے ہوئے کہا:

"مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں:

عجب وہ اب نہ رہی۔ میں نے تجھے بڑی محبت سے یاد ہے۔

لیکن سلاطین رو رہی۔



## بگولے

(۲)

عجب نے کہا:

"میں نے دو۔ کس قدر تعجب کا باعث ہے کہ میں وہی مطلب ہوں جو اپنی محسوس بیٹیوں کو جب وہ ہنسی  
نہیں تو لکھ گھونٹ کر لہڑا لٹا تھا اور اسے شراب پر ہی مائل نہ ہوتا تھا۔ یا اب تیرے رونے سے میرا دل  
گھبراتے لگتا ہے۔ سینہ پیٹتے لگتا ہے۔ جی جانتے تیرے ساتھ میں بھی رونے لگوں۔ مجھے تجھ سے  
ایسی محبت ہو گئی ہے کہ شاید یہی کسی باپ کو اپنا بیٹی سے ہو۔

عرب میں ایک عجمی ہوتے ہیں۔ ان کا اور باتیں تو مجھے پسند نہیں کیونکہ وہ بیٹوں کو بڑا کہتے ہیں اور  
بت پرستی کی توہم ہی کرتے ہیں۔ توئی کی پر مایہ خدمت کرتے ہیں۔ بھلا میں خدا ڈال کو ہمارے باپ دھما  
پوجتے تھے انہیں ہم کیسے بھڑادی اور ایک ان دیکھے خدا کے سامنے کیسے جھک جائیں لیکن اب ان کی  
مجھے بتا رہی ہیں سلام ہوئی۔ وہ بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ بیٹیوں کو قتل نہ کرو۔ انہیں یاد۔ ان سے محبت  
کو۔ پیار کرو۔

یہ ایک فائدہ پر دست کہتے ہیں۔ ہیں بیٹیوں سے بیٹوں کے برابر ہی محبت کرنی چاہیے۔ آخر  
وہ مجھ تو بھلا ہی خون پوتی ہیں۔ میں اب تک تیری بھلا داری اور خدمت گزاری ہی سے زندہ ہوں اگر میری  
وہ بیٹیوں بیٹیاں بھی زندہ ہوتیں تو آج وہ اور ان کے غلام میری خدمت کرتے۔ میرے ساتھ ہوتے اور  
میرے پیار رکھتے ہیں بیٹیاں بھلا نہ پھرنا۔

اب سلاطین نے رونا بند کر دیا تھا۔ اس نے کہا:

مجھے بھی افسوس ہے کہ میں آپ کی اتنی خدمت نہ کر سکی جتنا بیشاک تار

مطلب نے کہا:

انہیں تو نے میری خدمت بیٹھے سے زیادہ کہہ ہے۔ مجھے تیری ذات پر فخر ہے۔ اب بھی فخر جیسا  
بیٹے کی کلمات پر ہوتا ہے۔

مطلب نے کہا:

میں پانی کا شام میں زیادہ دور نہیں جا سکتی۔ ایک تو آپ کا خیال دہتا ہے۔ دوسرے یہ خوف  
رہتا ہے کہ کہیں راستہ نہ بھول جائوں۔

مطلب: مجھے بھی خوف رہتا ہے کہ کہیں ذرا راستہ نہ بھول جاؤں۔ اسی لیے جب تک نورانی نہیں جاتی ہیں  
میں پریشان رہتا ہوں۔

مطلب: یہ ایک ایسا ریمسٹنٹ ہے جس میں ایک ہی قسم کی بات کے دو سے گھرے ہوئے ہیں۔ کہ وہ  
دل بھیاں ہی ہیں۔

مطلب: ریمسٹنٹ ایسی ہی ہوتے ہیں۔ ایک سے میدان، ایک سے میدان، اور ایک ہی جہت تک  
پہنچاؤ یا اگر پھر سے قبیلہ کا محبوب تیری مدد کرے اور دوست بھول جائے تو تیری خبر میں

جائے اور میں میں تو پڑھ کر مڑاؤں گی۔ میں تو آج سے پانچ لاکھ دن میں نہ جایا کر  
مطلب: یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ دن میں تو اب ایک لمحہ ہی! انہیں رٹا اور بغیر پانی کے زنگ لکھے

ہو سکتے ہیں۔

مطلب: بیٹو! تو اگر میرے پاس رہے گی اور پانچ روز تک میں زندہ رہ سکوں گا اور خدا نہ کرے  
اگر تو راستہ بھول گئی اور کسی روز دن پہنچنے تک نہ آئی تو مجھے صبح کرنی مشکل ہو جائے گی۔ تجھے

یاد رکھنے ہی کہتے رہاؤں گی۔

مطلب: ایسی بھال مزے سے منہ نہ لکھنے۔

مطلب: لیکن بہت مسلاؤں کی ذات سے جو کرنا چاہا پڑا۔

مطلب نے جہت سے اے دیکھ کر کہا:

مسلاؤں کے خون سے؟

مطلب: ہاں۔ میں نے آج تک تجھے یہ بات نہیں بتائی۔ ہم مسلاؤں کے خون سے چھپتے پھر رہے ہیں۔  
مطلب: مسلاؤں کوں ہیں؟

مطلب: مجھ نے تجھے بتا دیا میں کہ عرب میں ایک نئی قوم ہے جس ان کے پیرو مسلاؤں ہیں۔

مطلب: مگر ہم ان سے کیوں ڈریں؟

مطلب: وہ بتوں اور پرستوں کے سنت و دشمن ہیں۔ میں ان کے خلاف ایک معرکہ میں شریک ہو چکا ہوں۔

مطلب: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے سامنے تو آپ کبھی مسلاؤں سے لڑے نہیں۔

مطلب: یہ اس وقت کا ذکر ہے جب تو تین ملک کی تھا اور اپنی عالم کے پاس پرورش پا رہی تھی۔

مطلب: مگر آپ نے مجھ سے کبھی اس لڑائی کا ذکر نہیں کیا۔

مطلب: بے شک نہیں کیا مگر جیسا تو نے آج ہی بتا دیا کہ آپ قید چھوڑ کر یہاں کیوں چلے آئے تو میں نے  
تو سے کہا تھا کہ یہ ایک لمبی داستان ہے تو۔ داستان اسی لڑائی سے شروع ہوتی ہے۔ اگر

تو میں پانی مل گیا اور زنگ لکھنے دھاک تو میں تجھے یہ داستان سنائوں گا۔

مطلب: تو اچھا۔ اب میں پانی کی تلاش میں جاتی ہوں۔

مطلب: جا۔ لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا۔ ایک تو اتنی دور نہ چلی جانا کہ جس سے راستہ بھول جائے اور دوسرا  
اگر کوئی مسلاؤں مل جائے تو اس سے بچنا۔

مطلب: مسلاؤں کی شناخت بتا دو مجھے جو کیسے انسان ہوتے ہیں۔

مطلب: کیا شہت بتاؤں ان کی۔ انسان تو جیسے ہی ہم جیسے ہیں مگر شے مسلاؤں اور ظالم ہوتے  
ہیں۔

مطلب: تمہارا واسطہ پڑا ہے مسلاؤں سے؟

مطلب: جرت ایک مرتبہ ہی لڑائی میں پڑا تھا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔

مطلب: مگر مسلاؤں اس محارے رنگ دار میں آئے کدے؟

مطلب: دو ایسے انسان ہیں جو ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مطلب: میں استیلاؤں کروں گی۔

مطلب: ہاں۔ استیلاؤں کرنا۔

مطلب: اسی بھال مزے سے منہ نہ لکھنے۔

مطلب: کیا تمہارا مزہ بدی ہو جو جا۔ مگر میں ہی کھاتی ہوں۔

مطلب: شاید مجھ کو دیکھانے سے اور پیاس لگائے۔

مطلب: مگر اس سے بدن میں کچھ قوت تو آتی ہے گی میری بیٹی۔ میرے کہنے سے چھوڑ دیکھانے۔



ملاقہ بہت اچھا۔

اس نے ایک پینل سے چند گریں نکالیں ان میں سے دو اپنے باپ کو دے کر کہا:

"یہ تم کو دے"

محب: زور کھاؤں گا۔

جنا پر اس نے کجگروں کی کافی شروع کی۔ ملاقہ نے بھی دو گروں کی کافی اور اٹھ کر چل۔ نیمہ سے باہر آئی، ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلی۔



وہ کافی حبس تھی۔ اس کی اور صفی میں جو بیانیہ کے سارے گلدھے تھے انھوں نے اس کا مینہ جیسی صورت میں اور کچھ پیدا کر دی تھی اور آفتاب کی شاخوں نے اس کے چہرے میں بھینکی ہوئی تصویر۔  
چو کھاسی کا گھوڑا بھوکا اور پیاسا تھا اس لیے وہ تیز رفتاری سے چل سکتا تھا۔ اس نے گھوڑے کی گردن پر

پتلی دے کر کہا:  
"اے برق، میرا جانی بول تو بھوکا ہے پیاسا ہے۔ تیرا طاقت جواب دے رکھ ہے لیکن میں پانی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔" وہ آٹھ گریں اور دوسرے گھوڑے سب پیاسے ہیں۔ ذرا تیز چل اور پانی

کھمیری رہنا کر۔  
اس کے گھوڑے کا نام برق تھا۔ شاید تیز رفتاری کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہو مگر اس وقت قلعہ بہت  
ٹھیکہ تھوڑے سے چل رہا تھا۔  
لیکن ملاقہ کی باتیں سن کر ہندیا کو یاد آ رہا تھا، "میں تھری بائیں کھلی ہوں۔ اور میری تیزی سے  
روانہ ہو گیا۔

ہوں ہوں آفتاب اونچا ہوتا جا رہا تھا سوچ میں وقت جاری تھی اور گرم ہوا کے جھکے رشتے جانتے تھے۔  
سفید وچہ ارگ اور اس کے ذریعہ کو جھکنا ہی تھی آلیجو کہ اس کی طرف دیکھنے سے انھیں جبکہ جانی تھیں۔  
ملاقہ شرمیلی تھی جاری تھی۔ ریت کے قورول اور ہڈوں کو دیکھتی اور ان میں کوئی شناخت کرتی، تاکہ اسے  
واپسی میں آسکے۔ وہ مٹنے اور ادھر ادھر ہمارے دیکھ رہی تھی یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں کوئی جیش یا غلغلہ  
ظہور نہ کرے لیکن اسے ہر طرف ریت پاریت کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔

وہ اکثر گھوڑے سے ان کو ریت کے زوروں اور ہڈیوں پر چڑھ جاتی۔ ہڈیاں اسے غریب سے رکھتی  
مگر اس کی کانیں اس پر کرات تھیں اور وہ وہاں سے ان کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے بلاتی  
اسے پتے پتے دوہہ ہو گئی۔

آفتاب آگ، گولہ بن گیا۔ ایسی آگ برسلنے لگا جس نے ریت کو چاڑھا۔ ریت کی طرح تیار بار  
ہوا کو اس قدر گرم کر دیا کہ ہندوستان کی ٹواں کے مقابلے میں کوئی ٹینٹ نہ کھتی تھی۔ ہوا کے تیز اور  
میں کو سردی دینے والے جھوکے چلا رہے تھے۔ گرم ریت کو اس نے اڑا دیا تھا۔ اس قدر ٹھوس اٹھنے کے  
تھے کہ انھیں نہ ہون مان تھیں۔ چند قدموں کے فاصلہ کی چیز بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ سب  
کو ریت اور گولہ کے کسی نہ پڑ جاتی تو آگ کی گدہ ہوتی تھی۔

ملاقہ نے ایک کھس کوٹے پر ڈال لیا اور ایک جاڑے سے لڑنے کے گرد اس کی حالت دیکھ لی تھی  
کہ آٹھوں کی بھونک کے سوا ان کا کوئی حصہ چار سے ابھر نہیں رہا تھا۔

گولے اڑ رہے تھے۔ ریت اڑ رہی تھی تیز ہوا ریت کو ایک جگہ سے اٹھا رہی تھی۔ اس نے اسے ہون  
میں۔ ملاقہ اب بھی سنا رہی تھی۔

مگر ایک مرتبہ ریت ایسی اٹھی کہ جیسے نہ آگ بلکہ تان کی ریت اٹھ گئی ہو۔ گھوڑے کی اور اس کی  
آنکھوں میں ریت پڑ گئی۔ وہ انھیں نے کی۔ گھوڑا نہ کیا کسی رہستان میں ایک جگہ کھڑا ہونا اسے  
نظر نہ آ رہا تھا۔ بارشوں سے ریت آگ اور ہونے لگی تھی۔

ملاقہ پر بھی ریت پڑنے لگی۔  
اس نے یہ جھگڑا گھوڑے سے بچنے آرائی کر۔ ہوائی لادیم کا گھوڑا وہ اس نے انھیں  
کی کرنا کرتی تھیں لیکن جو اس نے تیز ہوئی تھی کہ انھیں ٹھوسا تسلی ہو جائے۔ اس نے چار سے انھیں  
ڈھک لیں۔

ایک جھگڑا رہنے کی جگہ سے ریت اٹھنے اور بڑے قور اور وہ جو ریت اور اس کے رات  
چاہا کہ زور لگا کر ریت میں سے نکل جائے لیکن اسے اس کی بات نہ لیں۔

اور



اس پر ہے جوشی مارا ہے۔



## سداقت کی سیرت

(۷)

جب سداقت کو ہوش آیا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ سایہ محبت سے اپنے چہرے پر نمی بھی ملوگا  
ہوئی۔ اسے حیرت ہوئی کہ یہ سایہ کہاں سے آگیا اور یہ نمی کیسی ہے وہ سوچنے لگی: کیا ابراہیمؑ اور  
لوٹؑ میں بڑے نہیں؟... مگر وہ خوب جانتی تھی کہ اس موسم میں صحرائے اشلک کے رنگین میدان پر  
اور لونڈیوں نامکھن ہیں۔ بالکل نامکھن!

اسے خیال ہوا شاید وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں مٹا دیں۔ یہ سہرا کہہ کر کسی چہرہ  
شاید اس خوف سے کہ کہیں یہ خواب کا شکر نہ لے رہا ہے۔ اور وہ چہرہ ہنر گزارہ مہمان میں نہ  
ہونچ چکے۔

اسی کے منہ پر پھر لونڈیوں ہی پریشانہ فرما۔ یہ خیال آیا کہ اس کا باپ پانی کے ایک ایک قطرہ کو  
تڑپ رہا ہے۔ اگر حقیقت میں لونڈیوں پر ہی تو اسے اپنی چادر بٹھوے اور بھاگتی ہوئی باپ کے  
پاس پہنچ جائے۔ چادر اس کے منہ میں بچوڑے جس سے اس کی دوپٹہ رون کی زندگی کا اور سہارا  
ہو جائے۔

اس نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں اور اٹھنے کی کوشش کی۔ کسی نے اس کے شانہ کو پکڑ کر بہت سے  
دبانے ہوئے کہا:

پڑی۔ جو تم ضعف و نفاہت سے تم جھانسنے کی قوت نہیں ہے۔

اس نے سین لگا ہیں اٹھا کر دیکھا۔ ایک نوجوان عرب اس کے لوہر جھکا ہوا تھا۔ اس نے حیرت

اسے دیکھ کر کہا:

تم؟

عرب نے کہا:

ہی میں۔ خدا نے مجھے پہچان دیا۔ اگر میں کچھ دیر نہ کہتا تو

سداقت میں رست میں وہ گرہل میں جاتے۔

عرب: نہ معلوم کیا ہوتا۔ خدا نے بڑا فضل کیا۔

سداقت: کون خدا۔ یہ قہر مانوس؟ آپس کیا سن رہی ہوں۔

عرب: خدا وہ ہے جس نے مجھے، غنیمت اس دنیا کو جس میں ہم تم رہتے ہیں اور ان دنیاؤں کو جو ہر بار

لگا ہوں سے پوشیدہ ہیں پیدا کیا۔

سداقت: وہ تو رضا ہے جو ہمارا مجموعہ ہے۔

عرب: تم شاید قہر سے ہو۔

سداقت: ہاں۔

عرب: خیر۔ یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔

سداقت: تم کون ہو؟

عرب: میں تمناؤں کا پھیلے تم بناؤ کہ تم تمنا ہاں کیے ہو کہیں؟

سداقت: میں تمنا نہیں ہوں۔ میرے ابو بھی ہیں۔

عرب: کہاں ہیں وہ؟

سداقت: یہاں سے دور ہیں۔

عرب: اور تم یہاں تنہا تھیں؟

سداقت: ہاں۔

عرب: تمنا کیوں آتی تھیں؟

سداقت: پانی کی تلاش میں میرے ابو جہاں ہیں اور ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا ہے۔ میں پانی کی تلاش

میں آئی ہوں۔

عرب: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ عرب کا مشہور گیسٹن اربع الخالی ہے جس میں پانی کہاں؟

سداقت: مجھے پتہ ہے۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔



سلاطہ: کیسے ان کی جان بیاہ سے نہیں پرانگی ہوگی۔

عرب: اگر اس وقت چلے جائیں تو انہیں ہیشہ ہے کہیں وہیں ریت میں دب کر مر جائیں۔ احمیہ کچھ دیر انتظار۔۔۔ اس خط پر نظر رکھو جس نے تمہاری دیکھیے نیچے لکھی ہوئی۔

سلاطہ: گھر وہ خالست کہاں

عرب: آسمان پر عرض کے اوپر۔

سلاطہ: کسی نے اسے دیکھا ہے۔

عرب: انسان ہی کے دیکھنے کی تاب نہیں دے سکتا۔

سلاطہ: تم شاید مسلمان ہو؟

عرب: ہاں۔

سلاطہ: ڈرگئی۔ اس کے باپ نے بتایا تھا کہ مسلمان سے اپنا وہ بڑے سناک اور ظالم ہوتے ہیں مگر فرما ہی اسے خیال ہوا کہ اس مسلمان نے تو میری جان بچا ہے۔ یہ ظالم اور سناک تو نہیں معلوم ہوتا۔

عرب نے کہا:

”کیا صحیحے لگی تم؟“

سلاطہ: میرے ابو کہتے تھے مسلمان بڑے سناک اور ظالم ہوتے ہیں۔

عرب نے اس کا کہا:

”یہ بات نہیں ہے۔ تمہیں خدا کا بارہ ہو جانے گا کہ مسلمان کسی قدر رحیم اور خدا کی مخلوق پر شفقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ جو دے دشمنوں نے یہ باتیں مشہور کر رکھی ہیں؟“

سلاطہ: تمہیں میرے ساتھ تو بڑی رحیمی کا رہنا چاہیے۔

عرب: مجرب کہ ساتھ ایسا بکارت کر رہے ہیں۔ اب تمہاری کار کا وقت ہو گیا ہے میں ذرا نماز پڑھ لوں۔

چنانچہ وہ سوکر کے نماز پڑھنے لگا۔



## غمرزدہ نازنین

(۴)

سلاطہ عرب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی عبادت کے طریقہ کو دیکھ کر بڑی حیران ہو رہی تھی۔

وہ بت پرست عقاید کو سامنے رکھ کر اس کی پوجا کیا کرتی تھی۔ پھر اس کی پوجا کا طریقہ اور تھا۔ جب عرب نماز سے فارغ ہو گیا تو اس نے کہا:

”یہ تم کیا کہہ رہے تھے؟“

عرب: میں نماز پڑھ رہا تھا۔

سلاطہ: نماز کیا ہوتا ہے؟

عرب: خدا کی عبادت۔

سلاطہ: مگر تمہارا خدا کہاں کہاں جس کی تم عبادت کر رہے تھے؟

عرب: ہمارا خدا ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔

سلاطہ: تمہاریوں نہیں آتا؟

عرب: جس طرح جو سب سے نظر نہیں آتی اس طرح خدا بھی نظر نہیں آتا۔

سلاطہ: تمہاری جگہ کے بیروں جو عرب میں بسے ہیں۔

عرب: ہاں۔

سلاطہ: تمہاری جگہ کے کہتے ہیں۔

عرب: جو خدا کے بندوں کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے آتا ہے۔

ملاقات: کسمپات کی بدلیت کرتا ہے۔

عرب: وہ جب سے پہلے جانتا ہے کہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ: یعنی سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔  
اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ بت ادوات یا پتھر کے جو مجھے ہیں انہیں انہوں نے بتایا ہے  
وہ خود نہیں ہے۔ نہ وہ دیکھتے ہیں نہ سمجھتے ہیں نہ حرکت کرسکتے ہیں۔ انہیں پرستنے سے کیا حاصل۔  
اس کی پرستش کرو جس نے زمین اور آسمان بنائے۔ چاروں اور دریا بنائے۔ انسان اور حیوان بنائے اور  
انسانوں کو عقل دی۔ علم دیا۔ ماری دنیا کا اللہ کے تصرف میں کر دیا۔

ملاقات: سے مندرجہ تھا۔ اگلے کے کا:

عرب: میں یہ باتیں مستطاب نہ نہیں کرتی:

ملاقات: اب میں جانتا چاہتی ہوں۔

عرب: شوق سے ملا۔ اب وہ وصل کیلئے ہوا کا زور بھی کہہ کر لگے۔ ہائی کا منگیرو میں تھارے گھوٹے پر  
باندھ دیتا ہوں۔

اس نے ہائی کا منگیرو اس کے گھوٹے پر باندھ دیا۔ کھینٹ کر کے اپنے گھوٹے پر لگا دیا۔ ملاقات نے اپنی  
جا دہ اپنے ہاتھ کے گرد لپیٹ لی۔ عرب نے اپنی پارا اپنے جسم پر بیکھڑ ملا۔ گھوٹے پر سوار ہوئی۔ عرب بھی اپنے  
گھوٹے پر سوار ہو گیا۔ اس نے کہا:

”خدا عافذا سے وحتر آگ لے۔“

ملاقات نے ہلکے سے کہا:

”میرا ہاں ملا ہے۔“

عرب: ابو داؤد ملا۔

ملاقات: اور تپنے لگا۔ تو تپتا ہی نہیں۔

عرب: میرا آگ سیل ہے۔

ملاقات: تمہاری اسن پاور سے کاسیل۔

ملاقات نے اپنے گھوٹے کو اڑھ لگائی۔ ابھی گھوڑا چند قدم ہی چلا تھا کہ اس نے آگ کھین کر اسے  
روک دیا۔ جیت کر وہ کچھ تو سیل میں پڑے تھے۔ اس نے ہلکا کر کہا:

”ابک بات سوسیل۔“

صیل: رک گئے۔ وہ اس کیم تن کے پاس لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا:  
”کھو کیا بات ہے؟“

ملاقات: میں تو راستہ بھول گئی ہوں کیسے اپنے اہل کے پاس پہنچوں گی۔

صیل: یہ تو برا ہوا۔

ملاقات نے بھولے پردے کا:

”تم بتا دو۔“

صیل: کہ منی کی گئی۔ انہوں نے کہا:

”مجھے یہ تو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے ابو کہاں ہیں؟“

ملاقات: کھو شرمسار ہو گئی۔ اس نے کہا:

”اب کیا ہو گا؟“

صیل: اگر تم کو تو میں تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں۔

ملاقات: میں ابو جان سے ڈرتی ہوں۔ وہ ملازم کو اچھا نہیں سمجھتے

صیل: گمراہ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور میں تمہارے نیچے پر ہوتا کر داپس لوٹ آؤں گا۔

ملاقات: اچھا تو چلو۔ بڑی لمبا پانی چھل تھادی۔

صیل: چلو۔

دونوں ملے ملاقات نے چند قدم چل کر کہا:

”گمراہوں کی ٹہنت۔ رات کے وہ تو سہا گھر پہلے جس جو میں نے اتنے وقت دیکھتے تھے وہ میدان  
میں جس سے چوکر میں آئی تھی۔“

صیل: ہوا زرا نہ ریت کے تھوڑے دوں اور پھاڑیوں کے ساتھ کھینچتی ہے۔ مجھ جی جگہ ریت کے اندر لگے ہوتے  
میں اور پھاڑیاں جی ہوتی ہیں وہ پر کے بعد ہاں کچھ بھی نہیں رہتا۔ ریت کے اہل دوسری ملک جاتے  
میں اور پھاڑیاں کچھ جاتی ہیں۔

ملاقات: مجھ تو یہاں ستر طرانی ہے اور میں اپنے خیمے سے اتنی دور نہیں آئی تھی۔ آگ آخودر لکل آئی کہ راستہ  
ی بھول گئی۔

صیل: یہ میں خیال ہے کہ تم کسمپات سے آئی تھیں؟

ملاقات: کچھ خیال نہیں ہے۔ بہت دیر پر زور دے دی ہوں مگر کچھ باری نہیں آتا۔



سید: اچھا تو بتاؤ کہ جب تم اپنے جسم سے جلی تھیں تو سحر جھار سے ملنے سے باور آئے ہیں۔  
سلطان: سمجھنے لگی مائیں کما

بجے راوا گیا۔ آتا میرے ملنے تھا:

سید: معلوم ہو گیا کہ تم عرب کل لڑنے آئی تھیں۔ اب میرے ساتھ آؤ۔

چنانچہ وہ مغرب کی طرف چلے۔ سلطانہ ان کی کچھدی ہو گئی۔ دونوں چلتے رہے۔ ساتھ شے نور سے  
دیکھ رہی تھی کما سے کوئی نشان رہا نظر نہیں آیا جس سے وہ کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔

جب چار گھنٹہ دن باقی رہ گیا تب ہواست کم ہو گئی سورج کی تیز تابانی بڑا حد تک گھٹا رہ گئی  
اب ہوا دھوپ آیت کی چھ آنسو آگزر نہیں مل رہی تھی ہفتی دوپہر کے وقت لکھ

سید نے ساتھ سے کہا:

”غصہ کا وقت ہو گیا ہے۔ ذرا رک جاؤ۔ میں آتا ہوں۔“

سلطان: یہ وقت بھی تمہارے صاف کرنے کا ہے۔

سید: اہ۔

سلطان: تم دن میں کتنی مرتبہ صاف کرتے ہو؟

سید: پانچ مرتبہ۔ ایک صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے دوسرے دن صبح۔ تیسرے چار گھنٹہ دن  
باقی رہے۔ چوتھے دن چیتے ہی اور پانچویں کو رات گئے۔

دونوں نے گھوڑے رک دیے۔ سید نے بیت پر چادر اٹھا کر نماز پڑھی۔ پھر وہ گھوڑے پر چڑھ گئے  
اور سلطان کے ساتھ چلے۔ انوں نے کچھ دور چل کر پوچھا:

”تلاش سے کیا؟ ہم ٹھیک چل رہے ہیں یا غلط؟“

سلطان: اگر سلطانہ ظاہریت کا پانڈوی ہے جو مجھ میں آتے ہوئے دیکھا تو ہم بھی گمراہ رہیں۔  
سید: اس جگہ سے تمہارا خیال کتنے فاصلے پر ہے۔

سلطان: ابھی کافی فاصلے پر ہے۔

دونوں پھر چلے۔ یہاں تک کہ دن چھپ گیا۔ سید نے گھوڑا روک دیا۔ سلطانہ کچھ ٹھکی گئی۔ نماز پڑھیں  
گئے۔ دونوں گھوڑے سے اترے۔ سید نے دھوکی۔ نماز پڑھی۔ پھر انوں نے پہاگی سلطانہ کو دے کر کہا:

”مندانہ دھو دو رات بیت چلاؤ تا صبح چلاؤ۔“

چونکہ اس وقت ہوا سملا گئی تھی اس لیے ریت نہیں پڑی تھی۔ سلطانہ نے چادر کھول

لیں اسے بٹھا کر اپنے پڑوں کو اچھی طرح جھکا اور مزہ دیا۔ سید نے بھی چادر کھول کر جھکی اور کر کے  
زیر پر ڈال لی۔

دونوں پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چلے۔ چاند کو دیکھیں تھی۔ دن چھپے ہی چاند روشن ہو گیا تھا۔  
جوں جوں رات بڑھتی جاتی تھی چاندنی گھٹتی جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد آسمان سے زمین تک نور کی چادر چھٹتی اور

یہ دونوں چاندنی میں گم گئے۔

سلطانہ کی اورٹ میں چاندی کے ستارے گمے ہوئے تھے۔ چاندنی میں وہ جگہ رہے تھے اور ان سے اس  
کے پر سے بریں عین کا کوئی ہی نہیں۔ کبھی کبھی جب سید اس کا فن دیکھتے تھے تو جھوٹے سے انکے انکے

بھیک جاتی تھیں۔

بہات ہو جانے کے بعد اسے ساتھ راستہ کو بھلا شہخت نہ کر سکی۔ سید نے اس کا ایک جگہ سنائی  
نماز پڑھی اور گھوڑی نکال کر ساتھ کو دی اور خود بھی کھائیں۔ پھر دونوں نے پانڈوی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر

چل پڑے۔

کافیات گئے کما۔ پتہ ہے لیکن سلطانہ کا خیال نہیں ملے۔ سید نے کہا:

”شاہ ہم دستہ بھول گئے۔“

سلطان: گھناؤ لہا ہی ہے۔

سید: چاندنی خوب بکھرتے کیے ہوئے ہے۔ فور سے دیکھو شاید کچھ پتاں ملے۔  
سلطان: میں بڑے فور سے دیکھ رہی ہوں لیکن کچھ نہیں آتا۔

سید: رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اچھا اب آرام کرو۔

سلطان: بے ابوی کھر ہے وہ گھبرا جائیں گے۔

سید: ہم ساری رات جی سوتا رہے ہیں گے تو اس قدر نہ ہے گا۔

سلطان: تم ٹھیک کہتے ہو۔

غرض دونوں ایک جگہ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ سید نے گھوڑوں کے ذہن کو کنٹرول کر رکھا۔ وہ چادریں  
بجھائیں۔ ایک پر سلطانہ کوئی دوسری پر سید۔ کچھ دیر بعد رات بٹھ گئی۔

چونکہ سلطانہ دن بھر سحر کرتی تھی اس لیے غلط گئی تھی۔ وہ چادر کو دیکھنے کے بعد ہی سو گئی۔ سید  
نے اسے دیکھا وہ سوئے ہوئے ہیں۔ رات دیر با سحر ہو رہی تھی۔ چاندنی کے پل نور میں غرضی کر۔

کچھ دیر بعد سید بھی سو گئے۔ کچھ دن کو ان کا آنکھ کھلی۔ اس وقت صبح بڑھ گئی تھی۔ انور سے

و کچھ سدا سکڑا اور سٹکی ہے مائوں نے اسے کہیں اور چھوڑا خود چاہی میں رہے۔

صحیح بہت عورتیں ہیں کہ کچھ بھی انہوں نے خود بات سے نڈیا ہو کر دھوکا دیا تھا پڑھی۔ ہر دم میں سستی تھی کچھ کچھ گئی۔ اس نے بھی مزید بات سے مارنا ہو کر مزدور ہوا۔

سبیل نے دونوں گھوڑوں پر زین کے طور دونوں عوار ہو کر چلے۔ سدا نے چلتے چلتے کہا:

اگر تم نہ ہو تو سدا کا عمارت کی تعمیر ہو؟

سبیل: مگر سدا کو یہی سن کر تھا۔

اب آفتاب نکل آیا تھا۔ اس کی شاہین ریت کو چلنے لگی تھیں۔ کچھ دور چل کر سدا نے خوش ہو کر کہا:

اسی جگہ ہوا میں تھا۔

پھر اس نے سدا سے دیکھا:

نہ وہ راضی نہ تھا یہ تو رست میں دبا ہوا ہے۔ اسے میرے ابو:

اس کے آٹھو چارے ہو گئے۔ سبیل نے کہا:

نہ کچھ راضی نہ تھا۔ خود میں نیچے سے ریت پٹا ہوا:

وہ گھوڑے کے کوسے اور ریت پٹا لے گئے۔ سدا کچھ گھوڑے سے اتاری وہ دونوں بھی جاتی تھیں

ریت میں پٹا جاتی تھی۔



## ناشکر گزار انسان

(۵)

سدا براہِ رو بہ تھی۔ سبیل نے کہا:

زود مت سدا۔ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے:

سدا نے سبیل کو لپٹے ہوئے کہا:

اس سے زبان نہ کہہ دو کہ تم آج ریت میں دبا گیا ہے عمارت کی تعمیر ہو؟

سبیل: اچھا نہ کہہ دو تمہارے ابو کو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی:

سدا: حالانکہ جب عمارت میں دبی جا رہی تھی تو میرا دم گھٹنے لگا تھا:

سبیل کو اس کی سادہ رویہ پر بھی کچھ مایوس کرنے لگا:

تمہارا دم گھٹنا نہ رہی تھا کیونکہ ریت تمہارے اوپر پڑ رہی تھی مگر تمہارے ذہن میں یہ ان کا دم نہیں

گھٹ سکتا:

سدا نے انہیں ہنستے دیکھا۔ اسے کچھ راضی ہوا اس نے کہا:

تمہیں ہنسی آ رہی ہے:

سبیل: سدا کی جگہ تھوڑا سا دھوپ پر ہنسی آ رہی ہے۔ اگر تم خود کے اندر جو تمہارے ریت میں خمدوب جاتا تو

تمہارا دم بھی نہ گھٹنا۔ ہاں اگر خود گراؤ تو ریت خمدوب تھا۔ یہ کچھ سدا کی عمر نے تمہارے ابو کی سدا

وہ دیکھ رہا ہے:

سدا کی کچھ میں یہ بات آگئی ماسدا نے رونا بند کر دیا اور دونوں جلدی جلدی ریت پٹا لے گئے۔ ریت کے

ہوئے ہر ملاقات و درک و خیر کے اندر سچی۔ حسرت و شرمی اپنے بار کے لئے۔ رہا ہے سچا۔ اسی نے رجا کر  
مطلب ہے ہوش پر ہے۔ ملاقات کے سینے پر گر گئی اور درو کو بٹا رہے گی۔

ابو۔ ابو۔

سبیل میں اس کے پاس آگئے۔ انہوں نے تھک کر صلب کو دیکھا۔ ملاقات سے ناز و زار رہتے ہوئے  
سبیل کو دیکھا اور کہا:

”تم تو کتنے لئے غبار سے لڑو کوئی خندہ نہیں؟“

سبیل اس کی نہیں اور حق و دیکھ رہے تھے۔ سداقتان کے برابر نہ دینے۔ گئی کہ وہ مر گیا ہے۔

اس نے پوچھا:

”کیا میں یہ؟“

سبیل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

”ترسے ہیں زندہ ہیں۔ بے ہوش ہو گئے ہیں۔“

ملاقات پر کچھ جھڑپیں ہوئی تھیں۔ وہ ہے ہو۔

سبیل: اگر تم روزانہ کرو تو میں انہیں ہوش میں لائے گا کہ کس قسم کریں۔

ملاقات: اب درو کو گامائیں چند ہوش میں ملاؤ۔

سبیل: آئیں پوچھ کر آؤ۔

ملاقات: بچوں کی طرح سبیل کا کہنا مان رہی تھی۔ اس نے رو بہ بند کر دیا تھا۔ اسے آسمان پر کچھ ٹپڑے۔

سبیل: یہ ہے۔ پانی کی چھال کے۔ صلب کا نہ کھول کر چند قطرے پانی کے تھکے لکڑی میں

نے لکڑی۔ ملاقات سے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈی صندوب اور پریشان تھی۔

سبیل نے گور پر بعد چند قطرے اور صلب کے حق میں پٹکتے۔ ملاقات نے کہا:

”کمال نہ ہے۔ پانی لکڑی سے۔ یہ مر گئے ہیں۔“

وہ صلب کے سینے پر گر کر پھر زار و زعار رو رہے تھے۔ اس نے سر کیاں لیتے ہوئے کہا:

”میتے پر پانی کیسے ترسے مر گئے؟“

سبیل: صلب کے یہ ترسے نہیں ہیں۔ تم انہیں ٹیکت نہ دو۔ صیدی بیٹو ساؤ اور رو بہ بند کر۔ اور دیکھیں

انہیں ہوش آجائے گا۔

ملاقات: سبیل کا کہنا سہیہ کے صلب کی طرح لکڑی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ رو بہ بند کر دیا۔ انہیں

پوچھ ڈالے اور کہنے لگی۔

سبیل نے اب صلب کے سر پر پانی کے چھینے دیے۔ تھوڑی دیر بعد صلب کا اور کچھ قطرے کے بعد  
اس نے انہیں کھول دیں۔

ملاقات: پھر اس سے پٹ گئی۔ اس نے کہا:

”ابو۔ ابو۔“

سبیل نے کہا:

”پھر صلب کی تم نے۔ اگر تم یہ جانتی ہو کہ یہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ جائیں تو یہی ہو کر بیٹھو۔“

ملاقات: پھر صیدی ہو کر بیٹھ گئی اور غور و فکر کی نگاہوں سے باپ کو دیکھنے لگی۔

سبیل نے غور سے باپ کو صلب کے حق میں پٹایا۔ وہ غور سے سبیل کو دیکھنے لگا۔ اس نے حرکت کی۔

ملاقات: پھر ایک طرف بٹھنے لگی۔ سبیل نے اسے دیکھ کر کہا:

”ناخوش رہیں۔ رو بہ بند ہیں۔ صلب کے حق میں پٹایا۔ وہ غور سے سبیل کو دیکھنے لگا۔ اس نے حرکت کی۔“

پوچھا ہے۔

ملاقات: پھر غور سے سبیل کو دیکھا۔

”گناہ کیا۔“

سبیل: تم میرے بے غم ہو۔ میں نے تمہارے جسم کو ہاتھ لگا دیا۔

ملاقات: اس کے کوئی گناہ نہیں ہوا۔

سبیل: تم نہیں جانتیں۔ اسلام کے احکام کیا ہیں۔ غم لڑاؤ کو چھو، نوکھا، دیکھا بھی گناہ ہے۔

ملاقات: تم تو مجھے گد میں بٹھائے ہو۔

سبیل: یہ سچ ہے۔ لیکن اس وقت تم بے ہوش تھیں۔ مگر یہ مردہ۔ میں نے تمہاری زندگی برقرار رکھنے کے

لیئے تمہیں گد میں اٹھا باغی تھوڑا کے بٹھائے خواب ہوا ہوا۔ لیکن اب وہ بولت نہیں رہی۔ اب

تمہارے بدن کو چھو آئے ہے۔ تم خاموش بیٹھ رہی ہو۔

ملاقات: پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ سبیل نے چند قطرے پانی کے صلب کے حق میں پٹکتے۔ اب

صلب نے زبان اپنے خشک ہونٹوں پر پھیری اور باغی کر کہا:

”پانی۔ پانی دو مجھے۔“

سبیل نے جلد صلب کو پانی اس کے حق میں ڈال دیا۔ اس نے چھال کچھ کر کہا: ”اور۔ اور دو پانی۔“



میلزم نکلا رہا ہے۔

میں نے چاکل دیچے بٹاتے ہوئے کہا۔

ڈرامیٹر کروڑ:

ملاقات نے جیگ بڑا کر کہا:

’جادو ہانی۔ اچھ مریج ہانی پادوسیر سے لو کر۔‘

میل نے اسے گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر کہا:

’مجھ تو نے میں سب کرکٹ کی۔‘

ملاقات: مریک میں پادوسیر تم ہانی پر سے الگو۔

میل: جارا ہوں۔ تم جانتی ہو میرے پاس کافی دان ہے۔ میں انہیں اتنا ہانی دے سکتا ہوں جتنا یہ چاہیں سکیں۔

کئی روز سے یہاں سے چپ۔ اگر زیادہ ہانی بنو گئے تو ہمارے گھر درجہ ہو گئے۔

ملاقات بولی گئی۔ اس نے کہا:

’تب زیادہ ہانی نہ دیجیے انہیں۔‘

میل برابر زیادہ ہانی کے لیے اصرار کرتا رہا لیکن میل گھوٹ گھوٹ ہانی دیتے رہے۔ پھر انہوں نے

سنو گھولے اور صاب کو دیے۔ سوت پینے سے اسے کچے تسکین ہوئی۔ میل نے ملاقات کو بھی سنو دیے اور خود

بھی پیے۔ کچھ دیر بعد صاب اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ملاقات کوڑی خوش ہوئی۔

میل نے کہا:

’شریف انسان۔ تم نے ہانی ل کر میری جان بچا دی۔‘

ملاقات: اور تم سے چپے اس شریف انسان نے میری جان بچائی۔

میل: کس طرح؟

ملاقات: مجھے دیت نے دیا تھا کہ ایک ریت چسپا کی تھی۔ میرا دم گھسنے لگا تھا۔ میں سے ہوش ہو گئی۔ یہ

شریف انسان آیا اور اس نے میری جان بچائی۔

میل: میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔ تم نے میری جی کی اور میری جان بچائی۔ غرض اس اندہ ہوں گا۔

میل: اس میں اصاف غدی کی کیا بات ہے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔

میل: بڑے احسان کا بات ہے۔ تم نے اس امراتی کو محراب میں اپنا پانی دے کر فریاد کیا۔

میل: ایسا نہ کیجیے۔

میل: کیا ناک ہے تمہارا نوجوان؟

میل: میرا ناک اس کی ہے۔

ملاقات کو خون ہوا کہ اس کا باپ میل سے اس کے خاندان اور مذہب کے متعلق نہ پوچھ بیٹھے۔ وہ نہیں

چاہتی تھی کہ اسے یہ معلوم ہو کہ میل مسلمان ہیں کیونکہ وہ خوب جانتی تھی کہ اس کے باپ کو مسلمانوں سے بڑی ملاقات

ہے۔ اس لیے اس نے ان کا رشتہ بدنے کے لیے کہا۔

’یہ اتفاقہ اور اچھے سے صورتوں سے ظہور میں آوے۔‘

میل نے میل سے پوچھا:

’میں صدم (اسے جاکے بیٹے) تم کیسے پہچان گئے اس صدم میں؟‘

میل نے جواب دیا:

’میری میں کا ایک شخص ہوا ایک ڈاکر نے آپ سے۔ میں اس کا تعاش میں یہاں آ گیا۔‘

میل نے متنب ہو کر کہا:

’ایک ڈاکر کے تعاقب میں تم تنہا یہاں آ گئے؟‘

میل: جی ہاں۔

میل: بڑی دلیری کی تم نے۔

میل: اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟

میل: میں راستہ بھول گیا ہوں۔ آٹھ روز سے اس محلے کے علم میں سے نکلے کی کوشش کر رہا ہوں۔ گھر کا راستہ نہیں

ہے۔ یہاں سے پاس جو ہانی تھا وہ ختم ہو گیا۔ اگر رضا میرا ہانی ذکر تا اللہ تم نہ جانتے تو میری جی مجھے

دور دریت میں صدم کر جاتا اور میں یہاں پر گڑا گڑا کر مر جاتا۔ کیا تم راستہ سے واقف ہو؟

میل: میرا خیال ہے میں واقف ہوں۔

میل: تب ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔

میل: کب؟

میل: کبھی ہوتے ہی۔

میل: اچھا۔

میل: میں غم سے نکل آئے ان لوگوں سے دعا مشیر ہو جائے اور میل کے گھر واکم لایا اس طور سے

سے ہانے گھر واکم کو بڑی تسکین ہوئی۔



## شتر سوار

(۶)

سلاح سے میل کو نکال کر کہیں اس کا باپ میل کو رات کو سوتے میں منتقل نہ کر ڈالے۔ یہ سراج کر کے بڑا خطر آج  
ہوا۔ اس نے سراج کہ وہ میل سے اپنا اندیشہ ظاہر کر دے۔

مغرب کی نماز پڑھ کر میل شیخ سے باہر ہی رہ گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ باپ جی کے سامنے میں جلی  
جوں۔ مطلب خیمہ کے اندر چلا گیا تھا۔ روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ سلاح بھی شیخ کے اندر پہنچ گیا تھا۔ وہ  
اپنے باپ کے اس جاہلیٹی تھی۔

مطلب نے آہستہ سے کہا:

بہن! کیا تم نے مجھے کہا نہیں تھا کہ مسلمان ایسا تو ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہو جاتی ہے۔

سلاح کھڑکی کو دھکیل کے سٹول کے سٹول پر کھنکھنے والا ہے۔ اسے خوف لاحق ہو گیا۔ باپ کی بات کا بھابھا دین

خزانی تھا اس نے کہا:

بہن! اب کھانا

مطلب: آتے پر کہاں مسلمان کیسے ہوتے ہیں!

سلاح: پرچھا تھا۔

مطلب: صحیح سمجھ رہے۔

سلاح نے باقی حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا:

مسلمان ہے! کیسے کھاتے ہیں!

سلاح سے میل کے چھوٹے ہیں کہ دیکھو:

تم میرے باپ پر یہ کیا ہوتا ہوئے دیکھو کہ تم مسلمان ہو۔

میل کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ چپ ہو گئے۔

عصر کے وقت وہ خیمہ سے باہر نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً سے مطلب وہاں آ گیا۔ اس نے حیرت سے انہیں

نماز پڑھنے دیکھا اور کہا:

تھو گیارہ مسلمان ہے۔ بڑا خوش۔ میرے مذہب کا دشمن:

سلاح بھی آگئی۔ احمد نے اپنے باپ کے یہ فقرے سن کر یہ اور دم سمجھ گئی!



عقب: مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ سب سے الگ اور نزلہ ہے۔ سول کو میں نے اسی حلیہ پر عبادت کرتے دیکھا ہے۔

سائق: اگر سید مسلمان ہے تو مسلمان پرے نہیں ہوتے۔ اس نے میری جان بچائی۔ مجھے ساتھ لے کر یہاں آیا۔

عقب: دشت ابویں کہا:

ایک بات تا سدا کہ:

سائق: کیا؟

عقب: تو دن میں کیوں نہیں چلی گئی۔ رات کا نہ رہی؟

سائق: ہم راستہ بھول گئے تھے ابو۔ رات ہم نے ایک کھلے میدان میں گزار دی۔

عقب: سید نے تجھ سے کچھ کہا تھا؟

سائق: کچھ نہیں۔ جب میں تمہیں یاد کر کے روٹی تو وہ مجھے نصیحت دیتے۔ کہتے تو یہ ہے۔ سلام میں زور نہ دے۔

عقب: میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ سدا کے لئے میں نے انہیں اسی قسم کی باتیں کہیں ہیں لیکن پھر میں وہ نوجوان ہے اور تو قہید لے کر سب سے حسین لڑکا ہے۔ مجھے شاید معلوم نہیں کہ تیرے ہر جانب سے دہریہ تیرے ہر جانب سے

سدا: شہادت کی شہرت آج صابری دنیا میں ہے۔ ان کا پوتا ہیں کے ایک قہرے کو ترستا رہا۔

سائق: مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ بھینڑ کا اولاد میں سے ہیں۔ چاہے بڑا کھلم کھلا دے دوسروں کے لیے بڑی بڑا دے ہیں اور سوتیلی بدداشت کی ہیں۔

عقب: اب۔ اگر سید ہیں اپنی طرف سے علم میں جو کچھ میں میرے پاس ہے وہ سب طلب کے تو میں اسے پیش ہے۔ وہ ان کا سیکھا گا اس نے وہ انہیں میرا لگا لگا۔ مگر میں اپنی زبان سے کیوں کہوں۔ اگر اس کی

بست خراب ہو گئی تو وہ خود سولی کرے گا۔

اس نے جوش میں کہا کہ:

مگر جب وہ اس انوکھ میرے کے متعلق سوال کرے گا تو وہ اس کا رنگ کا کوئی دن ہوگا:

سائق: انوکھ میرے کا نام کس بڑی میراں چوٹی۔ اس کے باپ کے پاس ما مان اور دولت میں سے جو کچھ

میں تھا وہ جانتی تھی مگر اس نے کوئی میراں اس کے پاس نہیں دیکھا تھا۔ اس نے پوچھا:

ابو۔ قہرے پاس کوئی میراں ہے جو میراں جنت ہے۔ کہاں ہے وہ؟ میں نے تو نہیں دیکھا۔

عقب: میری بولی پیش۔ وہ انوکھ میراں چوٹی ہے۔ اگر اس نے تیری خواستگار کی تو رہنا کام۔ میں اس کے

سین میں خنجر بھونک دوں گا مگر میں اس کے سوال کرنے کا انتظار ہی کرنا کہوں؟

سائق: پھر ڈر گئی کہ وہ انہیں۔ ات کر کسی وقت نقل کر لے گا وہ سین کر اپنا اور سب بپ کا میں جتنی

کتنی۔ اسے اندر سے جھڑکی ہو گئی تھی۔ وہ شبنم چاہتی تھی کہ اس کا باپ انہیں قتل کر دے۔ اس نے کہا:

انگرا اور احمد نے ہم پر یہ احمد کہا ہے اور قائم تھا کی کہ اور احمد کا بھلا احمد سے دینا چاہتی

ہے۔ نقصان اور اذیت سے نہیں۔

عقب: (لکھ ہی بہت کچھ روک رہا ہے۔ میں اس سے کہے۔ تا میں کہ وہ انہیں قتل کرے جو سے دشت

ہو جائے۔

سائق: یہ بات تو عربوں کے کئی صحن نوازوں سے سنا ہوگا۔ اس سے ہے مرد قنارہ شکر گزار ہی ظاہر ہوگا۔

عقب: تو نے چاہا کہ۔ لیکن میرا کیا کہوں؟

سائق: تم بڑا کچھ ہو۔ خود سوچو۔

دراصل عقب یہ مسلم تھا۔ اس نے جاہلیت میں پرورش پائی تھی۔ جاہلیت کا دشت: انہیں خبر ہی میں موجود

تھا۔ اس نے اپنی حسین بیٹی کو پرورش تو کر لیا تھا لیکن یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خواستگار کرے۔ اس کی

خیال ہے اس کی خون کھولنے لگا تھا۔ اس کا جتنی دشت میں اسے اس کی بیٹی کی خواستگار کر کے دالے کے

تقل پر آکر دیکھ کر وہ غلغلہ سے اندیشہ ہو گیا تھا کہ سید یہ خواستگار کرے گا اس لیے اس کی دشت باندہ فیرتے

اسے ان کے نقل پر برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ ان کے اس احسان کو بھول گیا تھا کہ انہوں نے اس کی بیٹی کی جان بچا

ہے۔ اس نے دشت سے کہا:

اچھا۔ تو اب سو رو:

سائق: کوئی تمہیں ہو گیا کہ اس کا باپ رات کو سید کو قتل کر دے گا۔ وہ جیسے میں ہو کر ہوئی:

میرا سین سے کہے دیتی چوہا کر وہ اسی وقت دھانڈا ہو جائیں۔

عقب: اچھا تو میرے کارہی تک اپنی پیٹھ نہ لگاؤ گاؤں دانا نہ گئے۔

سائق: میرا نہیں دشت کے دیتی ہوئی لیکن وہ دست سے واقف اور ہم کا واقف ہیں۔ وہ چھ لگے تو میرا

اس حوالے سے غلغلہ میں جھٹکتے رہ جاتے گئے۔

عقب: میں بھی ہی سوچتا ہوں۔ کاش سید نہ آتا یا بڑا دانا جاتا۔ جب چکر میں بڑا چلے تیرا پڑتی۔

سائق: میں جان گئی ہوں۔ قہری اس کا دشمن نہیں کے نقل پر آکر دیکھ ہے۔

عقب: مرد اس کا دشمن ہی نہیں بلکہ فیرتے ہیں۔

سداق نے اٹھتے ہوئے کہا:

مجاہد: اے میری سہیلی! رخصت کرو دیا اور انیس سب باتیں صاف صاف بتا دوں؟

علیہ: اچھا تو ہے لیکن ہم اس مشہور دیکن میں رہت کیسے بچے و بارگاہی لگے۔ جو جلد میں نے اپنا  
ازدواج بنا لیا ہے۔ میں نے کچھ نہ کہوں گا اور جب ہم اس امریکہ سے نکلتے ہیں تب ہم اسے  
خیریت کہیں گے۔

سداق بیٹھ گیا۔ پھر کچھ دیر اور بیٹھ کر کھانے دوسرے صبح میں چلی گئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے ارادہ کر لیا  
کہ جب تک اس کے کام لگائے ہوں تو وہ حرکت نہ کرے تب تک۔ وہ بڑی بات لگائی رہی۔ اس کا  
باپ سو گیا تھا اور اس کے خاوند کا ڈاکٹر بھی تھی۔ پھر وہ بھی سو گئی۔ سب باہر سے۔

جنگجو بہت عرصے سے بیدار ہوئے۔ ضروریات سے فراغت حاصل کر کے انہوں نے نماز پڑھی۔ پھر دو تھان  
شریف کی تلاوت کرنے لگے۔

سداق واپس آگئے وہ بڑے خوش سے سنتے رہے۔ جب وہ چڑھ چکے تو اس نے پاس ماکر پوچھا:

”کیا بڑھ رہے تھے تم؟“

سبیل نے جواب دیا:

”خیر! تم جیسے۔“  
سداق اس قدر شرمیلی تھا کہ بے پروا بڑا رہا ہے۔ میں تو سب کو دنگ رہ گئی۔

سبیل: اس لحاظ کی بھی غور ہے۔ یہ اس خدا کا حکم ہے جو عاقبتی برحق کو زندہ رکھتا ہے۔ اپنے ابو سے پوچھ کر  
کیا وہ سفر کے لیے تیار ہیں؟

سداق: انہیں کیا پتا ہے؟ اس کے والد انہیں قتل کرنے کی فکر میں تھے لیکن نہ کر سکے۔ وہ اپنے باپ  
کے پاس پہنچی۔ وہ قاتلین وغیرہ پست رہا تھا۔ اس نے سب ماہانہ ہفت روزہ شروع کر دیا۔

جب سب ماہانہ بند ہو گیا تو علیہ اور سداق دونوں نے غصے سے لکھتے۔ سبیل نے بڑھ کر پوچھا:

”کیسے سزا کا وعدہ کیا؟“

علیہ: ہم نے اسباب امداد دیے۔ عرف خیر لائق ہے۔

سبیل: یہ میرا کئے دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے خیر اٹھا لیا۔ جو میں علیہ کر دیں اور خیر اور خیر لیت دیں۔ سب ماہانہ لکھنے سے  
پرکارا والد علیہ لپٹے گھر۔ یہ پڑھ کر کہے۔ یہ تو سداق جو ہے اور پڑھے۔

علیہ نے پوچھا:

”تم کس طرف چل رہے ہو؟“

سبیل: مغرب کی طرف۔ نورگستان نامی علم ہمارے علاقے کے مشرق میں واقع ہے جو شہر انڈیا پہلے ہے۔

علیہ: تم نے سچ کہا۔ میری عقل پر چتر بڑھ گئے تھے۔ یہ بات میری گھر میں نہیں آئی۔ درنہاں تک شاید ہم اس  
دیکن میں سے باہر نکلے ہوئے۔

سبیل: یہ ممکن ہے۔ میں نے اپنے بڑا گھر سے سداق کو یہ گیسٹ ہاؤس شرفاً فرما چکا ہے اور شہر انڈیا  
ہے۔ اگر ہم مغرب کی طرف چلتے ہیں تو ایک دن اس امریکہ سے نکلتے ہیں گے۔

علیہ: شک کرنے پر تیار۔

جب کچھ دن چڑھ گئے تو وہ صبح میں تازگی لگنا شروع کر دی۔ ان دنوں میں بہت سی باتیں  
پڑھیں۔ جو جن آفتاب اپنی پوٹالیہ صبح میں صحت بڑھتی تھی۔ ہوا تیز اور گرم ہوتی گئی۔ گولے اٹھنے لگے۔

گرمی بہت بڑھ گئی۔

ایک کھلے میدان میں انہوں نے قیام کیا۔ سبیل نے بڑی محنت اور مہاشانی سے ان کے لیے خیر کھانا  
کھانوں کے لیے مہاشانی تیار کیا۔ سداق اور علیہ شہر کے اندر چلے گئے۔ سبیل شہر کے پاس کھلی تھی کہ جوتھ گئے  
کئی تہہ بوانے خیر اور سبیل کو سمجھنا۔ اگر وہاں ایسی خیریت ہوتی کہ نہیں۔

وہ دن اور رات انہوں نے وہیں بسر کی۔ اگلے روز چلے پھر کو روانہ ہوئے۔ چلتے رہے۔ سبیل نے  
فصل پر ایک شہر حوا کو دیکھا انہوں نے علیہ سے کہا:

”وہ ماہانہ شہر سوار جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہ صحت مند ہے۔ اسی کی جگہ تو ہے۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے گھوڑا بڑھایا۔ علیہ نے کہا:

”خیر و سبیل۔ تمنا دیاؤ۔ وہ خطرناک آدمی ہے۔“

سبیل: فکر نہ کرو۔ خدایا وہ دنگ ہے۔

انہوں نے گھوڑے کی باگ ڈال لی اور گھوڑا تیزی سے شہر سوار کی طرف روانہ ہوا۔ علیہ اور سداق  
اسی جگہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔





سبیل: اہں۔ تیری موت کا فرشتہ میں لئی جو صلیب پر چڑھ گیا ہے۔

صامت: نہ واٹ روک لیا اور کہا:

”میں جانتا تھا تم میرے تعاقب میں جو کیوں میرا پیچھا کرنا چاہتے ہو؟“

سبیل: اس لیے کہ تم میری بہن کا دل چاہتے ہو جو اس کی دل سے اسے بخور یا دگا دیا تھا۔

صامت: مگر وہ اکر کویا نہیں نہیں ہے جس کے لیے تم اتنی رحمت اٹھاتے۔

سبیل: وہ ہمارا خاندانی یادگار ہے اور ہمارا اپنی بیٹی کو دیتی رہی ہے۔ نہ علوم کتنی یاد دہنے لے لے اس کی بیٹیوں

کو دیا تھا۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ میری بہن نے میری دل کو اور میری دانستہ میری بہن یعنی اپنی بیٹی بلند

کو دیا تھا۔

صامت: مجھے تمہاری فوجانی پر مر آئے۔ ہمارا ہمارا خیال بھر دو۔

سبیل: اس کے پاس جس کا گھوڑا روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ انھوں نے کہا:

”اگر وہ ہمارے داپس کر دو تو میں قتل راستہ نہ روکوں گا۔“

صامت: ہنسا۔ اس نے کہا:

”جو باہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔“

سبیل: میں ابھی تک نہیں۔

صامت: کو خضر چلایا۔ اس نے تلوار کھینچ لی اور بڑے دند سے سبیل پر حملہ کیا۔ سبیل کی پشت پر ڈھال

رک رہی تھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ صامت حملہ کر رہا ہے تو جلدی سے ٹھکانا بنا کر اس کا حصہ ہار

روکا۔

صامت کی تلوار بڑے دند سے ان کی ڈھال پر پڑی۔ انہیں یہ خیال ہوا کہ شاید اس کی تلوار نے ٹھکان

کو بھاڑ دیا ہے۔ انھوں نے جلدی سے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ ڈھال سالم تھی۔ انہیں یقین ہو گیا۔ انھوں نے جس

نیم کے تلوار کو پھینکی لیکن اس میں صامت نے ٹیک اور مارا کیا۔ سبیل نے وہ دو ڈھال پر لپکا ہوا حصہ

لے کر تلوار بند کیا۔

صامت اب بڑھتا اور وہ گھوڑے پر اسی لیے وہ اچھی طرح حذر کر کے۔ صامت نے پہلے وہ حصہ

کرتے شروع کر دیا۔ سبیل نہایت استقلال اور جفاکاری سے اس کے کھلے دمکتے رہے۔ انھوں نے کہا:

”اگر تمہارے خوب دل تلک کے صحنے نکال دے اور یہ کھلے کر یہ دن تیری زندگی کا آخری

دن ہے۔“

## صامت ڈاکو

(۷)

سبیل تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ سبیل گھوڑے کو بڑی رفتار سے دوڑنے نہیں دیتی تھی۔ پھر بھی

وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

شیر سوار سامنے جا رہا تھا۔ کبھی وہ بیلوں کے پیچھے آ جاتا تھا کبھی سامنے میدان میں۔ شیر سوار نے انہیں

ابھی تک نہیں روکھا تھا۔ وہ اطمینان سے معمولی رفتار سے لوٹ کر پہنچا۔ اس نے جی پانے

دن کے گرد چور لپیٹ رکھی تھی۔ نیزہ ہاتھ میں تھا اور تلوار کر میں پڑی تھی جاری تھی۔

سبیل اس کے قریب پہنچے جا رہے تھے۔ گھوڑے کے ریت پر دوڑنے کی وجہ سے اس کے

صوبوں کی آواز نہیں آ رہی تھی اس لیے شیر سوار کو معلوم نہیں تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

آؤ سبیل اس کے لئے پاس پہنچ گئے کہ شیر سوار کو اپنے پیچھے گھوڑا آنے کا احساس ہوا۔ اس نے

پلٹ کر دیکھا۔ وہ نہایت غمزہ منگ صورت انسان تھا۔ اس کا کھمبہ سرخ اور گول گول تھیں۔ پیشانی تنگ تھی۔

جس میں کئی مار تھے شاید تلواروں کے نشان تھے۔ تاک بھی ہوئی تھی۔ بوٹوں نے اور رضا پر لپکے ہوئے

تھے۔ ڈاکو بھی گھبراہٹ میں دھنک رہا تھا۔

سبیل صامت ڈاکو تھا۔

اداس کا وہ شیر سوار کو جس کی شہرت خانہ کے تمام علاقہ میں بھل ہوئی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ حرب

کے شیر سوارانہ ڈھانچہ پر ڈاکو ڈاکو تھا۔ ذوالجہاد اولیٰ سے جس میں کے نام پر واقع تھا۔

صامت نے سبیل کو حیرت سے دیکھا اور کہا: ”تم؟“





نے بھی اٹھائی اور گر پڑا۔ پھر بڑھ پڑے ہوئے وہ :  
 "تو نے مجھے مار ڈالا۔ اب کوئی تھو سے میرا منت کہ اپنے والا اتنی تیر رہا۔ میری روح صحتی ہے گی۔ تیرا سوا  
 ہر میری جاک جیب میں ہے نکال دے۔ ایک اور خط ہے۔ وہ کہ کر اسے میری قبر پر لٹھا جو کہ پہنچا دے گا۔  
 کافہ ہو رہے۔ سب کی پیش ہے۔  
 سول افسر کے۔ میں تیرا۔ جیت لیتی کروں گا۔  
 سین نے اول صحت کی نگار تھیں میں کہ پھر اس کی فاشی۔ ایک جاک جیب میں سے ایک ڈانڈو میں کہ  
 ایک ڈانڈو میں ایک زبانت نکلی۔ انھوں نے وہ سب بھی نکال کر اپنی جیب میں دیکھ لیے۔ اس کا خبر  
 اس امر کی پیش سے نکال کر اپنی پیش میں لگایا۔  
 اس امر میں صحت مر گیا۔ انھوں نے اسے دیت میں دبا دیا اور گھر لے کر سارا ہو کر وہیں لٹھے۔



## خدا

(۸)

عجب اور ملاقہ دو ذیلی سیل کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سیل کے واپس آنے سے اُمید تھے۔ عجب نے  
 حاکم کو بتایا تھا کہ صحت ڈاک ہے۔ بار بار وہ قلعے میں آئے بڑھے۔ جسے وہ میرا کر مار ڈالا ہے۔ علاقہ  
 کو توں پیدا ہو گیا تاکہ سوار کے زخم نہ بھر پڑے گا۔ وہ ان کی ملاقات سے واپس آنے کے لیے۔ سوار کی  
 لگت رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے میں کو واپس گئے ہوئے دیکھا۔ سہانے آواز:

"خدا یہ سیل واپس آ رہے ہیں۔"

عجب: "خدا۔ سیل بکھے۔ میرا خیال ہے صحت سے اس کا منہ نہ نہیں ہو۔"

سہانہ: "صحت کو انھوں نے مار ڈالا۔"

عجب: "خاکہ۔ صحت آسانی سے مرنے والا نہیں ہے۔"

اب سیل بہت قریب آ گئے۔ وہ تیزی سے گھوڑا اڑھانے چلے آ رہے تھے۔ ملاقہ نہ آتا۔

خاکہ: "صحت جاک جیب میں لگایا ہو۔"

عجب: "وہ جاک کے والا نہیں ہے۔ یہ خاکہ ہے کہ سیل اس تک پہنچا نہ سکا ہو۔"

سہانہ: "بارہ صحت کی نہ ہو۔"

عجب: "ان میں بھی ہو سکتا ہے۔"

اب سیل ان دونوں کے پاس آ گئے۔









اس نے یٹ کر کہا:

شکریہ۔ تم کون پڑھنا لگتے؟

سید: میں ایک بندہ خدا ہوں۔

راکی: مسلمان صومالیہ ہوتے پورے۔ خدا کا شکر ہے۔

سید: اہ۔ میں مسلمان ہوں اور تم؟

راکی: میں بھی مسلمان ہوں۔

راکی پر غصت طاری ہو گئی۔ سید اس کی نگہ داری کرنے لگے۔



## تیسرے درجے

⑨

سید اس کے پاس بیٹھ رہے۔ وہ دفتر چھوڑ چکی۔ گدی دی رنگ اور تختہ درگاہ پر بٹھے تھے۔ سب سے پہلے اس کا تعارف  
اس کی صورت کافی طویل نظر تھا اگرچہ وہ ان کے لیے ناخوش فحش لیکن سادگی۔ چہرہ اسی لیے وہ اس کے پاس  
بیٹھ اس کے ہوش میں آئے کہ اتنا کہنے لگے۔

انہیں اس کے پاس بیٹھے طے صبر کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے اپنا بھل کرنا شروع کیا اور اندر ماکہ جادوں  
کی طرف اشارہ کر کے اور سر سے ہر ایک ہولناکی دیا اور پھر اس کے پاس بیٹھ گئے۔

اس نے بیٹھے ہی کہے کہ سہ ماہی وہاں آگیا۔ اس نے ایک ہی لمحہ میں راکی کو دلچسپ۔ مسکراتی اور صبر سے  
مقابلہ کر کے کہا۔

اسی تو کہاں ہوں۔

سید نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

انتہی میں اس وقت تک آیا۔ کہ پہلی آواز میں کہیں آ گیا۔ اس راکی کو کہہ دیتے اور پھر اس نے اپنی سنا  
میں نے پانی کا کرپا۔ یہ پانی پیتے ہی ہے ہوش ہو گئی۔

سقاۃ احباب وہ بیڑہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے دے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اؤ۔ بڑا تیز کام ہے اسے۔

سید: اگر کام تیز ہوتا تو اسے غصت نہ ہوتی۔

سقاۃ احباب: اس کا کیا ہے بے چاری؟



سین کے ٹکڑے کر کھائے۔

کوٹھے کے اندر

عجب نے ہاسٹنگز کا

ایک اور چھوٹا

ایک سال ایک سال دو سال کی تیار داری کر رہی ہے۔

عجب نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا:

اگر یہ دوشیزا ہے

سین۔ معاف نہیں کر رہا ہے۔

عجب نے گے اور سیل پیچھے دو سو اندر داخل ہوئے۔ کوٹھے کے اندر اندھیرا چھل گیا تھا۔ عجب نے

آواز دیے ہوئے کہا:

کہاں ہو تم سلاطین؟

سلاطین: یہاں ہوں میں اللہ

عجب راں گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لڑکی تیسروں کی طرف بڑھ رہی ہے اور سلاطین اس کے پاس پہنچے ہیں

عجب نے پوچھا:

کیا ہوا ہے اسے؟

سلاطین: اسے تیار ہو گیا ہے غریب ایک ہے۔

عجب: اچھا کی تم نے اس کی تیار داری شروع کر دی۔ یہاں اس لڑکی کو نکلیت ہوگا۔ اسے اپنے خیمے میں

لے چلو۔

سلاطین: مگر یہ تو اس قدر ناقص ہے کہ وہ وہ بھی نہیں چل سکتی۔

عجب: تم اور سیل سارا اسے کر لے چلو۔

سلاطین نے دوشیزا سے کہا:

ایک بار یہ ہے کہ اسے خیمے میں چلو۔ وہاں نہیں آ کر اسے لگا۔

دوشیزا: نہیں نکلیت ہوگی۔

عجب: مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

سلاطین نے سین سے کہا: آؤ۔ میں پھر تم سارا اسے کر اسے لے چیں۔

سین پہلے تو جھکی تے لیکن پھر یہ ٹھکڑا کر دوشیزا کو سین پر بٹے سے نکلیت ہوگیا اور وہاں آ کر اسے لگا

تو تیار ہو گئے۔

انہوں نے اس سارا سے کراٹھا ہوا دوشیزا نے سلاطین کے کندھے پر اٹھ کر کھڑا ہو کر کہا: یہ سب اس پر

آئے اور والد نے چکر چھوڑ دیے۔ سلاطین اسے اپنے ماتھے کے گئے۔ سین اس پر لگے۔ عجب نے ان دونوں

کے پاس پہنچا اس نے سلاطین سے کہا:

بہن! اس غریب کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ورنہ

سلاطین: کوئی تکلیف نہ پہنچے نہیں۔ مگر کہنے کو کہا دیا ہوا ہے۔

دوشیزا: مجھے ہر کوئی نہیں

عجب: وہ وہ دوتا چاہیے مگر یہاں دو۔ یہ کہاں۔

دوشیزا: ایک لڑکی ہے۔ اس کا بڑا چھوٹا۔ کوٹھے کے پیچھے دونوں بندے ہیں۔ وہ وہ تھوڑے ہیں۔

عجب: میں سین سے کہتا ہوں۔

عجب نے سین کا دھکی کر اپنے بتا کر کہا:

خود وہ وہ لڑکی کو اپنے پاس لے گا۔

سین لگے اور وہ وہ وہ لگے۔ سلاطین نے گم کیا اور دوشیزا کو چاہا۔ سین غصہ کی تیار ہو کر کہہ

گئے۔ دوشیزا کو بھی خند آگئی۔ سلاطین بھی سو گئی۔

صبح کو سین نے اٹھ کر نظر پڑا۔ عجب: اور سلاطین نے بھی غصہ کیا۔ اسے فریاد کر کے نہ اٹھوئے

دوشیزا بھی مانگ گئی۔ اس نے بھی دوشیزا کے سر کے اندر ہی غصہ کیا۔ اس کا کپڑا اور پیر بھی لگا کر پڑا۔

عجب نے کہا:

اب اس لڑکی کا کیا ہو؟

سلاطین اور سین دونوں خیمے کے باہر عجب کے پاس سے۔ سین نے کہا:

میں بھی اس وقت تک رہوں گا جب تک لڑکی کو اس کا نام نہ ہو۔

سلاطین نے نہیں جانتی تھی کہ اس نے لڑکی کو اس کا نام نہ ہو۔

پچھلے دوشیزا سے یہ تو جو عجب کہ وہ ہیں رہا جاتا ہے اس کا نام ہے سلاطین نے کہا۔

دوشیزا: مجھے اسے باہر لے گئی تھی۔ اس نے کہا:

میں سین رہوں گی۔ میرے والد تیروں سے شہر لے گئے ہیں۔ یہ۔ عجب سے آ کر باہر گئے

پر خلیستانِ طائف کے در سے

سبل سے کیا

سبل سے کیا اور لڑائی کے والد کا نہیں میں نہیں لکھ رہا ہوں

سبل سے کیا میں ہی مت لکھ گئی ہیں۔ ایک دور دنیا، ہم کو اپنے سے

سبل سے کیا۔ لکھنا تو بہت عیش اور دلکش ہے۔ دور دور پہلے ہمارے گھر کی مناسبت ہے۔

دوسرے وہیں ستر ہو گئے۔



## رفیدہ

(۱۰)

جب وہ نکل آیا اور سرت کی کرنیں گھجور کے اوپے اور عین کی نالی پر میل گئیں تو قرب و دشمنیوں سے

بہر نکل گئی۔ وہ ایک خوف مائلے پر بند ہو گئی۔ سبل سے کیا کے پاس پہنچے۔ پوچھا:

”سبل سے کیا کیسے ہے تمہاری؟“

دو شہزادے جواب دیا:

”میرا کام شکر ہے۔ اچھا ہے۔“

سبل سے کیا نے ابرو طائف کو دیکھ لیا:

دو شہزادے: گھجور کی فصل لک گئی ہے اس کا معاملہ کر کے گئے ہیں۔ وہ الجھناڑ کا میدان تر ہے۔ وہ میدان

میرا گھجور میں فروخت کیا کرتے ہیں۔

سبل سے کیا نے کہا: یہاں کیسے آجائیں گے۔ ماحولیت زیادہ ہے

دو شہزادے: ان کا اوٹ بہت تیز رفتار ہے۔ طاقت میں سے قرب ہی ہے۔ اگر وہ لکھا جی کی باز پڑا کر ہی میں گئے

تو غور کی نگاہ میں آکر ادا کر لیں گے۔

سبل سے کیا نے کہا: میں خلیستان میں تمہارے کر ڈوں میں نہیں؟

دو شہزادے: ڈرتے ہیں۔ میں اکثر عمارت بناتی ہوں۔

سبل سے کیا نے کہا: یہاں کیسے غلبہ ہو گئی؟

دو شہزادے: میری ہے وہاں سے۔ مجھے قبضہ ہو گئی تھی۔ میں نے پردہ نہیں کیا۔ دیکھو قلعہ کی سیڑھی کہ یہاں میں



سبیل نے دلکی سدا کر چلی ہے۔ انھوں نے مانا کہ کہیں کہ وہ ان کی بیوی نہیں ہے مگر وہ سب  
کہہ لے۔

دو شیر نے کہا:

فردوسی جو معلوم ہوتا ہے۔

سبیل: ان بڑی خوبصورت ہیں۔

سعدان کے پاس لگتی سی ہے۔

تم نے داشت نہیں کیا اور پونی چلی آئیں۔

دو شیر: ہم نے تیار ہے۔ انشاء اللہ میں دو ہر کہ جنگ جو جازن گی یہ میری وجہ سے قہیں بڑی تکلیف  
ہوئی۔ میں تدارک کر رہا کرتا ہوں۔

سعدان: جسے کوئی تکلیف نہیں ہونے لگے خوشی ہو کر میں تدارک خدمت کر گیا۔

یہ بھونکھو دیر تیار کرتے رہے جب وہ عرب کا غلبہ تلا میں سبیل گئی اور اس میں تارت آگئی تو  
ہم اگر کم ہو گئی سداقتے کہا:

میں نے خبر میں چل کر نہیں:

دو شیر: نہیں باب لے اچھی تمام گاہ پر جا چلی ہے۔ اب آتے ہی ہلے گے۔

وہ اٹھا۔ سبیل نے کہا:

میں نے خبر میں تیار ہی تھا:

دو شیر: اچھا ہو۔

تینوں خبر پڑے۔ دو شیر نے سعدان کے ساتھ خیمہ کے اندر چلی گئی اور سبیل باہر رہ گئے۔ دو ہر کہ انھوں  
نے ستر گونہ کر بیا سداقتے نے شکستہ گشت بالا۔ اس میں تلک سرچ ڈالا۔ دو شیریں پکائیں۔ غلب کے ساتھ بیڑ  
کر لیا گیا۔

وہ کہا کہ انھوں نے غلب نے کہا:

سبیل: میں نے وہ میں خود اس کا ہوا۔

سعدان: میرا خیال ہے وہ کنز کے نہیں۔

غلب: کیوں:

سعدان: کہہ رہے تھے اس کا کسی چیز کو زائے کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیں گے تو مسلمانوں پر وہ حرام ہے

غلب: تم نے کروڑ کچھ۔

سعدان: بہت اچھا۔

وہ گشت اور دھیاں کے گشتوں کے اس آتی اور ان سے کھانے کا درخواست کی۔ انھوں نے اس کا شکوہ  
لو کر کے کہا:

سعدان: کھانے کو کچھ نہیں ہے۔

سعدان: گوشت بڑے مزے کا پکا ہے۔ ذرا کچھ کر دو کچھ۔

سبیل: کیا جو جو یہ گوشت ہی تو نہیں کھا سکتا۔ جس جاند پر ذبا کہ تہفتہ اللہ کا نام نہ لیا جاتا ہے نہ  
کہ مسلمانوں پر حرام ہے۔

سعدان: یہ بات تمہارے بچے نے بتائی ہو گی۔

سبیل: اہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کام میں فرمایا ہے:

انفا حرم علیکم العیتۃ والدہ والحمۃ الخنزیر وما ملأ  
بہ لغیب اللہ۔

یعنی: تم پر حرام کیا مرد اور والدہ اور کچھ پکا یا جائے اور پر اس کے  
داخلے غیر اللہ کے۔

یعنی سبیل اللہ کا نام نہ لیا جاتا ہے۔

سعدان: بچے یہ کام بہت پسند ہے۔

سبیل: ہوا کی چلی ہے کیونکہ یہ اللہ کا کام ہے جو تمہارے بچے پر نذر الیہ ہے اور اللہ کے کام سے بڑھ کر  
کس کا کام ہو سکتا ہے۔

سعدان: کئی دوسرے لے گئی۔

میں نے دو ہر تیار کیا گئی غلب میں تیزی اور ہوا میں گری پونی لگتی لیکن غلب ان ہونے کی وجہ  
سخت کچھ اس تھا۔

دن کے وسط میں نے کئی کھڑے ہوئے وہ ناز سے ناز ہوئے تو انھوں نے ایک چھوٹی کو اپنی طرف کھینچ  
دیکھا۔ انہیں خیال ہوا کہ انھوں نے لے لیں دیکھ رہے۔ جب وہاں کے پاس آئے تو انھوں نے اسے لے لیا۔

انھوں نے سدا کا جواب دے کر کہ

یا یزید (اے چاکر بیٹے)

وہ انکار کرتے تھے۔ ایک آدمی ان کی طرف سے اور بڑے

بڑے سے بڑے

سید نے بھی اس چیلنج کو ان کے گھونٹے کے چوتھے چھوٹے برس سے اس وقت جو گئے تھے

میں نے

اعزازی جوتے گئے ان کا نام عبدالرحمن تھا۔ غریب تھا

تو بے اپ بڑا فانا لکھ جان ہو گئے ہو۔

سید میں سے رفیعہ کو اس پر کیا رد آپ کے جد جادو کی تھی۔

عرب و شیر کا نام رفیعہ تھا۔ وہ عبدالرحمن کی بیٹی تھی۔ اس وقت وہ بھی وہاں آگئی تھی

میں نے نہیں پہچانی تھی

عبدالرحمن حضور سبحان یا ہوگا۔ یہ اکثر نہیں اور کئی دہائی تھی۔ میں خالصی چھکڑوں سے تنگ ہوا

یاد آگئی تھا اس غلطی ان کا نام ایک اور تھا جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ رفیعہ اور میں نے

اس کی خدمت کی۔ اس نے یہ غلطی نہیں دے دیا اور مر گیا۔ ہم میں بہتے گئے خدا کا شکر ہے کہ

اس نے میں ایک غلطی کا نام لیا۔ یہ کمال ہے۔ یہ رفیعہ ہے۔

رفیعہ: اب میں پوری ہو چکی ہے وہی نہیں رہتا ہے۔

عبدالرحمن: میں نے تم کو رات خواب میں دیکھا کہ چار چوتھی ہو۔ تو اب بھی چھٹی دن کو میں چل پڑا اور اب

پہنچا ہوں۔

رفیعہ: خدا نے سید اور ان کی جی کو بھیج دیا۔ ان دونوں نے میری شریعت کی۔

عبدالرحمن: اچھا تم نے نماز کرنا ہے سید۔ خوب کیا۔

سید: اچھا...

مجھ اور اس سے زیادہ کہہ سکتے تھے کہ رفیعہ کے

ان کی میری بہت حسین اور دلکش ہے۔

سید: اگر میری بیوی نہیں ہے۔

عبدالرحمن: یہ کیا حد ہے؟

رفیعہ: میرے سید کو دیکھو۔

سید نے کہا:

رفیعہ کو دعا کی تھی۔ تیرے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔

عبدالرحمن: سید تو شرک ہے۔ بسک نہیں ہوا۔

سید: تم ان کو اور میں ان کی باتیں نہ سمجھ سکے۔ میں راجستہ میں سفر میں جا رہا تھا۔

انہوں نے حضور کا کوئی حکم نہیں سنا تھا۔ عاصم کو اس نے کہا کہ میں جی سا ہوا۔ انہوں نے کہا:

بڑا دلیرانہ ہے۔ راجستہ کے حد سے جو کہہ گئے تھے کہ میں کر رہا ہوں

میں نے بھی میری توفیق ہوئی۔ خدا پر جس کا کہہ گئے تھے وہ ہو گیا۔

عبدالرحمن: ان کو کیا۔ ہماری گہرا جانتا کہ ازبکستان اور اس کی گھوڑی ہیں۔ اس سفر میں عاصم گیا تھا۔

عبدالرحمن: رفیعہ اور میں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے ایک بھر کی جنگ اور لکھا۔ تاکہ کہہ گئے۔ سید

اور سید کی خدمت کر رہا۔ غریب کا بڑا شکر ہے کہ ان کا یہ مشکل کار پر ہو کر سر گئے۔



مجھے تو رفیعہ کی طبیعت ان کی شکل تھی۔ اس نے ہنسنے لگا۔ سب نے کہا کہ وہ سید سے متعلق

ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی موقع مل گیا تو اسے سید سے کہا۔

تم نے مجھے دعائی میں کیوں ملایا؟

سید: میں نے نہیں کیا۔ جب تم نے میری بیوی کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ کی زبان کی زبردستی چاہی لیکن

فرمان پناہ پڑا کہ خدا اس لیے کہ سید نے نہیں دیا تھی میں بتا کر دیا تھا۔

رفیعہ: اب تم سید کے ساتھ جاؤ گے۔

سید: نہیں۔

رفیعہ: یہ کچھ دیکھ کر وہ شرک ہے اور حسین مایوس ہیں۔

سید: میں جانتا ہوں۔

اس روز بھی یہ سب اسی غصے میں تھے۔ دوسرے دن سید نے اول عبدالرحمن سے اجازت لی۔

انہوں نے پناہ کر کے چھوڑ دیا اور رک جائیں لیکن سید نے بتایا کہ وہ عاصم کے تعاقب میں تھے۔ ان کی

میں عبد پریشان ہو گیا۔ انہیں جو اس کے اس پریشان ہے۔ عبدالرحمن نے جانتے دے دیے۔

لب لب لب کے ہوتے۔ انھوں نے کہا:

جیسا اب اجازت چاہتا ہوں، میری ہوا انتظار کر رہی ہوگی۔

عجب: شریف! وہ تو میں کیا جانوں!

سید: اگر آپ بہتر کر رہے تو میرے ساتھ رہیں۔

عجب: اپنے عداوت کو چھوڑ کر آج آپ میں کسی کو کس نہ تو ہوئے۔ میں سو رہا ہوں۔

سید: اپنے آپ کو بھلا کر رہا ہے۔

عجب: جی ہاں، میں سو رہا ہوں۔

عجب: میں بہت مشکور ہوں کہ آپ نے میری وجہ سے تو یہ کوئی ایسا نہ ہونے۔

سید: اور میں کہ یہ ایسا نہ ہو کہ کوئی تفت تفت نہ ہو۔

عجب: سو سہیل، میرے خیالات مسلمانوں میں سے اچھے میں تھے لیکن خدا سے خلق نے میرے خیالات

جلا دیے۔ لیکن میں یہ خیالات ہونا نہ چاہتا تھا۔

سید: آپ کا خیالات کو کس نے کھینچا ہے۔

عجب: جی ہاں، میں نے خود اسباب نہ لے اور خدا کی رحمت سے ہو کر ہو گیا ہے۔

سید: اور خود بھی نہیں ہے۔

## تاریخی واقعات

(۱۱)

عجب نے ایک مقام پر کیا کیا اگر یہ وہ غفلت نہ تھی تو اس کے لئے خدا کا ہاتھ تھا۔

سید: میں نے یہ سب کچھ یاد کیا۔ جب وہ چھپ چھپ اور تیز ہوا اور گرم ہو گئی تو عجب نے سید کو اپنے پاس نہ لایا۔

سید: یہ سب سے پہلے ہی ہونے لگے۔ خواہ کسی کی گری ہوئی۔ کسی کی ہوا ہوئی اور کسی کی ہوا ہوئی۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

سید: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

سید: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

سید: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

سید: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

سید: میں نے سب کچھ یاد کیا۔

عجب: میں نے سب کچھ یاد کیا۔





کوئی بھی قبیلہ سدا نہیں آئی تھی۔ اب پھر کوشش کی کہ تمام قبیلے ملنا  
کے خلیفہ کے لئے ہوں۔ میری کوشش کا راز ہو گئی۔ لوگوں میں اشتغال پیدا ہوا وہ  
میں نے جانتا تھا۔

اتفاق سے علیحدہ ہو کر انھوں نے موت کا رونا دھند کے ساتھ  
رہنے لگا۔ ان کا ہر قدم چلتے تھے کہ وہ کب سے۔ اس نے جب موت کا رونا دھند  
نہی نہیں تھا۔ اس کے معتمد ہو گئے۔ میں نے اپنے قبیلہ کو بھیجا کہ علیہ کا ساتھ دو۔  
کہ وہ چاروں کے لئے موت نہیں کرتا۔ قبیلہ والے اس بات کو مان گئے۔ ہم نے  
اس سے یہ معاہدہ کیا کہ جہاز میں حکومت اس کی رہے گی اور جہاز میں قبیلہ کی۔  
اس کے ہمراہ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ آئے جو مسلمانوں کے خلیفہ  
احمدیہ اور ان کے خلیفہ کے شکست کا کہنا تھے کہ یہ تھے رفتہ رفتہ قبائل ہندو  
فرہنگ اور انھوں نے اس کے لئے نیچے جمع ہو گئے۔ اس سے اس کی جمیعت  
بہت بڑھ گئی۔

علیہ کا ارادہ میرے رشتہ کوئی کرنے تھا لیکن میں نے اسے اعلان اور اس  
قدور علیہ کے وہ میرے پرورش کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ ہم ہندوؤں سے جنگی تیاریاں  
کرتے تھے۔ مدد کی فراہمی میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس میں ہمارے مددگار ہم کو رہے تھے کہ  
ہم نے تاکہ (حضرت) کو اپنے خلیفہ کے لئے کہتا ہے۔

اس خبر کو سنا کر موت سے خالی ہونے لگے۔ مجھے ان کی بدولت پریشان  
آپا میں نے انہیں بڑی اعلیٰ میں کی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مجھے نہیں بکھرتے ساتھ  
رہے اور اعلیٰ میں وہ کہتا کہ آخری دم تک ہمارے ساتھ رہیں گے۔

علیہ کے لئے کہ گئے ہمارے اوپر کے دشمنوں کے لئے کہ اسے وسیع  
مہمان پر خیر بن ہو گیا۔ ہر قبیلہ ایک ایک فرسٹ ہوا۔ ہم اعلیٰ میں کہتے تھے کہ  
انتفا کرتے تھے۔

میں معلوم ہوا کہ خلیفہ کے قبیلہ کی سستیوں میں۔ چپا لگے ہیں اور قبیلہ کے  
لوگوں کو کہتا رہے ہیں۔ تیسرے دور قبیلہ کے کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے بتایا  
کہ خلیفہ مسلمان ہو گیا ہے اور وہ اپنے آدمیوں کو بھی کہتے تھے۔ مجھے

بڑا افسوس ہوا کہ میں نے انہیں دیکھا لیکن میں نے دیکھا کہ میرے قبیلہ کے تمام  
لوگ ان لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔ میرے وہ گیارہ سالہ بچے کے ساتھ ہیں بہت  
بڑا ہوا۔

اسی دن میں نے دو مسلمان جو سو سو لوگ ساتھ لیا۔ وہ ہمارے ملک کی غیر  
لئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک کا شرع سناتے اور دوسرے نائٹ بن اترم۔ علیہ  
نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔

ان کے مارے جانے کا نتیجہ کہ کوئی تڑا آدمی راجہ جیٹہ آئے۔ دونوں کو  
عزت دے دی گئی۔ نائٹ گھمان کی لڑائی تھوڑا دیر ہوئی۔ تیار ہیں جو میرے گیس۔ سرکٹ کے  
ادوں کے لئے اچھی تھل کر گئے۔ وہ حریفوں پر دھڑا چلے گئے۔ خون کی ہونے لگی۔ ہمارے حریف  
کی تیزی میں ہونے لگی۔

مجھے بڑا جوش تھا۔ میں بڑی دلیری اور شہرہ سے لڑا۔ ہمارے مسلمان بڑے  
ہمارے سے جنگ کر رہے تھے۔ ہمارے مسلمانوں سے بہت زیادہ خاک و مٹی ملنے لگی  
جلد ہمارے دھڑا چلے گئے۔ اسے سب سے دیکھ گئے۔ اسے میں دیکھنے کے سوا اور کیا  
کارہ تھا۔ ہمارے میں سے ایک اور وہاں سے اپنے قبیلہ پہنچا۔ مجھے بڑا رنج تھا۔ میں انہیں  
بھجوا دیا۔

پھر نام قبیلہ سے جنگ کا وہ سے واپس آیا تھا۔ اسے مجھ سے کہنے کوئی  
تقریر نہ کیا۔



گلو اور بڑول کا تعلق تھا کہ اسے ہی حکومت برابر ترقی کر رہی تھی اور اس کا  
دب و حال بڑا تھا۔

حالانکہ چچہ قہار کبھی کسی مسلمان سے کسی قبیلے والے پر مسلمان ہونے کے لیے  
نہد نہیں دیا تھا۔ اگر خود بخود سب کا جو ہے تھے۔ جب کوئی مسلمان ہوجاتا تو توفیق و  
غضب سے مبرا تھا۔ چچہ قہار جی جانتا تھا کہ اسے اڑکھو یا خود مر جاؤں یا ہی خوش  
میں اکثر میں مسلمان ہونے والے لوگوں سے جالچتا تھا اور انہیں بڑا جھکا کر ڈالتا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوجاتے تھے وہ میرے بڑا جھکا کرنے سے مدد  
میں سے نہیں آتے تھے بلکہ میری باتوں کا جواب دیتے تھے۔ مجھے عجبتے تھے اور مجھ سے ملنے  
کا کوشش کرتے تھے۔ میں اس سے یہ سمجھتا کہ بڑول ہو گئے ہیں۔

لیکن ذرا ہی خیال آنا کہ مسلمان جس بے جگری سے ہندو کے شکوکے رشتے  
میں اس سے ہنک مار رہے ہیں کوئی شک نہ رہتا ہے کہ میں ہوں۔ میں سوچتے تھا کہ مسلمان ہونے  
سے بڑول میں بلکہ اگر سختی ہوجاتے ہیں۔

جب میں ننگ آگیا تو سلاطین اور تیری ان سے ملنے اس کے گھر چلا گیا۔ اتفاق  
سے مجھے صبر سے پہلے توئی۔ بڑی صورت دیکھتے ہی میرے دل میں جھٹ کا بے پناہ جوش  
چلا ہوا۔ بے تحاشا سیر دل چاہا کہ تو میری بیٹی ہوتی۔

میں خود سے نہیں کہتا تھا کہ تیری بیٹی آگئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ ہوا  
جیسا کہ مجھے اس وقت اموات کا کوئی خیال نہیں ہوا کہ اس نے کہا:  
"میرے کو شکست ہوئی؟"

میں جھکا گیا اس نے مجھے ملنے دیا کہ تم شکست کا کاشیہ ہو۔  
میں نے کہا:

"وہ جو ہوا اور سلاطین بڑول تھا اس کا خلیفہ لا رہی تھی اور وہ چار لاکھ سے ایک لاکھ  
پیش تھا جب آخری جنگ میں موجود نہ ہو تو خلیفہ کی طرح ہو سکتی تھی۔"

اس امر میں تو جی گئی اور اس نے اطمینان کا سامنا کیا۔ وہاں رہا تھا چچہ یہ ہے  
کہ میری تیری وجہ سے تیری باتیں مجھے جاری مل رہی تھیں۔ میں نے اچھا جی چچہ میں  
لکھ رہا تھا۔ تجھے پیار کرنا تھا۔

## سلاطین

(۱۲)

غلبہ و اقتدار بیان کرنا تھا۔ سلاطین اور سلاطین دونوں میں رہتے تھے۔ غلبہ نے آگے بیان کرنا شروع کیا۔  
کیا اس نے کہا:

"سلاطین! تیری ماں بہت بیک تھی۔ اس نے مجھے بہت جھکا ہوا تھا کہ مسلمان کی سخت  
نہ کر رہا۔ ان سے نہ لڑوں لیکن میں اسے ٹیٹ دیتا اور وہ ہے چار چپ ہو کر رہ جاتا۔  
جب میں لڑائی کی تیار کر رہا تھا تو اس نے اس وقت بھی مجھے بہت جھکا ہوا لیکن  
میں نہ لڑا اور تیری کا دورہ کر کے انہیں برا لگنے نہ کرنا۔ یہ بات تیری ماں کو بہت ناگوار  
گزری اور آخر ایک دورہ مجھ سے خفا ہو کر اپنا من کے اس جی جی میں نے جی اس کا  
چہرہ مایہ مناسب بھی کر لیا۔ میرے کان لگنا رہتی تھی۔ میرے کاموں میں مزاحمت کرتی تھی  
مجھے اس کا کچھ کچھ لگاؤ تھا۔ اس کا نہ تھا۔ اب کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا نہ تھا۔"

جب جھکا کو شکست ہوئی اور میں جھکا کر لگا رہا تھا تو میرے اس بات کو اور بھی  
خیریت سمجھا کہ تیری ماں وہاں نہ تھی۔ اگر وہاں نہ ہو تو نہ ہو طے ہو کر پریشان کرتے کچھ دن تو  
میں مائے سسیر رہا مگر نہ ہوا۔ میں سستی میں اور سستی سے اچھڑنے لگا۔ میں نے دلچسپی کوئی  
نہی اسے اس لڑائی کا ذکر نہیں کرتا ابھی میں یہ دیکھ دیکھ کر اور میں لگتی ہو رہا تھا کہ میرے  
قبیلہ کے لوگ برابر مسلمان ہو رہے تھے۔

جو لوگ مسلمان ہوجاتے تھے ان سے میری جڑیں ہوجاتی تھیں۔ میں انہیں بے دین

ایک روز میں نے قریبی سے کہا:

"کاش تیرا بیوی بھی ہوتی!"

اس نے کہا: "اگر تم اس کا بھی لگا کر دیتے۔"

میں نے کہا: "نہیں، بلکہ اس سے اپنی جان سے عزیز رکھنا!"

اس نے کہا: "یہ مجھ کا کام ہے۔"

میں نے کہا: "میں نہیں ہوتے۔"

میں نے کہا: "تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس کی آنکھیں تاری قہقہے میں لگیں، اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

چنانچہ اس مرتبہ میں چلا آیا۔

میری بیوی پہلے تو اپنی سس کے پاس گئی، مگر وہاں سے نہ مل سکی۔

وہ ایک برس میں دو مرتبہ چلے گئے تھے، چنانچہ مجھ جیسے کے بعد وہ یہاں سے گئی، اس مرتبہ

میں اسے پہلے نہیں لایا، وہ خود ہی چلا آئی۔

انسانی حواس سے آئے کے کچھ دنوں بعد وہ چار ہو گئی، اس نے ایک دفعہ مجھ سے

کہا: "تم سناؤ کہ اس کا نام، ضرور اس کا نام!"

میں نے پوچھا: "کیوں؟"

اس نے جواب دیا: "اسی لیے کہ وہ میری بیوی ہے۔"

میں نے حیرت سے اچھل پڑا، میں نے کہا: "میری بیوی؟"

اس نے کہا: "کیوں؟"

پھر اس نے وہ روز بھی بتا دیا کہ اس طرح اس نے مجھے پیدا ہونے ہی دینے کے وقت

اپنی سس کے پاس پہنچ دیا تھا۔ میں نے اسے کہا:

"میں سناؤ کہ تمہاری سس کو اس کا کیا نام ہے؟"

میں نے فوراً غصے سے کہنے لگا: "میری سس کو اس کا کیا نام ہے؟"

وہ تیری اما کو اجنبیت پر اس نے اسے بڑی خوشی ہوئی گھاس کی طرح لگا دیا کہ تیرے

پائے کے دو پہنے بعد ہی مر گئی۔

اس کے مرنے کے بعد میں نے اسے اور بھی لاڈ دیا، اسے پان ٹیوٹا کیا، اگر تیرا

بھوکہ کہ چھوٹا تو میری روت نکلتی تھی۔

ہم اچھا دیکھ کر اس سے زندگی بسر کر رہے تھے تو اس نے بڑا ہی بھاری

کر لگے، وہ دیکھنے سے سارے کو لاڈ دینا دیکھ کر اس کا دل بڑا ہی بھاری

بڑا ہو گیا تھا، اس کا دل بڑا ہی بھاری، اس کے دل بڑا ہی بھاری

تو یہ سب سمجھ کر میں اس سے کہتا تھا تھا۔

میں ان کے کلمات سن کر کہتا تھا، مجھے یہ کہتا تھا کہ اس نے اس کا دل بڑا ہی

دل بڑا ہی بھاری، اس کا دل بڑا ہی بھاری، اس کے دل بڑا ہی بھاری

سدا کو میرا ہی، میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

میں نے کہا: "میں نے کہا: تمہاری زندگی تمہاری ہی ہے، تمہارا کام ہے۔"

اس نے کہا: "میں نہیں ہوں!"

ہن خروں کو کسی کرشمہ کی بستی میں جو ہندوگ اپنے دیں پر قائد ہے نے  
 ہ میں مسلمان ہو گئے حضرت ایک میں ہی بقدر بگیا برسلان نہ ہوا اتفاق سے حادث ہوا کہ  
 نے میرے گھر پر ڈاکو ڈالا اور چند مٹھی بیراٹنے لگیا۔ مجھے بڑا انوس ہو اگر مہر کر کے  
 بٹورا۔

دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بڑی فوخت ہو رہی  
 میں اور اسلامی سلطنت بڑی مضبوط ہو گئی ہے۔ ان واقف سے مجھے اور بھی اذیت ہوئی کہ  
 جو خوروی بہت امید داتی تھی کہ شاید کسی وقت مسلمانوں کا زور ٹوٹ جائے وہ بھی جانی ہوا۔  
 ایک دن میرے ایک دوست نے بنا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں  
 کی فائست کی ہیں ان کی ناش ہو رہی ہے۔ میں گھبرا گیا اور جلدی جلدی لیے سفر کی تیار کر کے  
 ایک دن میں کوچ کر گیا۔ میں کسی نیسے کھ میں جانا چاہتا تھا جہاں مسلمان نہ پہنچے ہوں۔  
 میں نے خود مشق راہ لی کہ کوئی اس کی نگہ نہ لی جہاں جاتا ہوں مسلمانوں کو چھتا۔ ان  
 کے حاکموں کو رنجت اور ان کی فوخت کھتا۔

مجھے خوف ہوا کہ میں گمراہ کر کے ان کے تحت مزاح غلبے کے سامنے جی نہ کر  
 دیا جاؤں۔ چونکہ میں مسلمانوں سے لڑ چکا تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے مزہ قتل کر  
 دے گا۔ میں کھانڈا اور آخور گشتان انھوں میں جا پہنچا۔ جہاں سے میں اور تو صیل کی بدولت  
 نکلے۔

جی سلاطین یہ ہے وہ بھی راستان میں کہ میں نے قہر سے وعدہ کیا تھا۔ سید نے  
 بھی سہل۔



## بباب

(۱۳)

سید نے کہا: "قدر سے تعجب نے قیاس کو دشمنی پر آکر کیا اور اسلام کو شکر نے نہیں نکلیں اور  
 از خروں میں جھٹکا دیا۔"

عاجب: یہ بچھے۔ مجھے اسلام سے اور مسلمانوں سے بہت زیادہ تعجب ہے۔ میں ان کا قیام جانا چاہتا ہوں کہ اگر  
 تم نے میری اور عادت کی جان بچائی تھی۔ میں باہر آنا اگر میں نے پہلی مرتبہ قیام نہ کرے چکا  
 تو یہ ارادہ کرنا تھا کہ قیام نشین کروں گا۔

بے حافظہ سہل نے کہا:

"میرے قیاس سے وہ اننا وس بے ہے جو تم نے انہیں نماز پڑھنے دیکھ کر کہے تھے اسی پر میں انہیں  
 اسی وقت رحمت کر رہا تھا جی۔"

عجب: میں اس بات کو گھبرا گیا تھا۔ میں نے جب یہ سوچا تو مجھے حیا نہ ہو کہ میرے میرے مافی اعلا  
 کہے میں اس کی جان اور میں تم سے سانی چاہتا ہوں۔

سید: مجھے خدا سے ترہ دیکھ کر یہ بات بھلی تھی کہ سہل نے کی گئی تھی کہ یہ سہل ہو گیا تھا کہ قیام مسلمانوں  
 سے بہت زیادہ ترہ ہے۔ میں بڑبڑا ہوا گیا تھا۔ تم مجھے کمانی سے متشکر نہیں کر سکتے تھے اور چونکہ تم نے  
 ارادہ کو چھوڑ دیا تھا کہ اس لیے سانی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔

عجب: تم نے میری سبب سے کہہ کر میں ایک دن اپنے آپ کی کرتہ پتھر ہو کر جو قیام کے تم سے خدا وہ  
 جاتا: اور تم سے مجھے عت ہو گئے۔



کی بعض باتیں بیان کرتے رہتے تھے۔



یہ لوگ ایک دن اس بستی میں پہنچے جس میں میں بس رہتا تھا۔ مجھے نے بستی سے باہر اپنا خیمہ نصب کر لیا وہ شیعہ شرم کھجورے بستی میں نہیں گیا اس کا وہی جس بستی کے بت تہجد چکر حضرت کے مزار پر تھی میں تھا۔ قبیلے کا ایک رئیس تھا جس نے نواح کے سب ہی لوگ اسے بلانے تھے۔  
 سبیل اپنے گھر پہنچے۔ ان کا یہاں نہیں دیکھنے ہی لگا انا ہو گئی اس کے سبب میرے ہنسنا شروع ہو گیا۔  
 اس کا ایک بھائی تھا۔ فخران اور پرنا چوہی۔ اس کی بیوی بڑا نکلیں خوشی سے چلنے لگیں وہ وہاں میں کے  
 ہمسایہ کے پاس کے بیٹے سے مل کر گیا۔

”اودہ بھائی! خدا کا شکر ہے تم آ گئے۔“

سبیل نے اس کے سر پر ہاتھ بھر کرے ہنسے گا۔

”اودہ یہ خدا کا احسان ہے کہ میں تیرا رے کر گیا ہوں۔“

یہ خوشخبری سن کر بابہ کا چہرہ اور بھی کھل اٹھا۔ شمالی رنگ بھر گیا۔ اس نے کہا۔

”خواجہ یہ خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔“

بابہ: کیا صاف بتائی گئی!

سبیل: اللہ

بابہ: کیسے وہاں نے آ رہا؟

سبیل: یہ ایک داستان ہے غزوت کے وقت سناؤں گا۔

بابہ: سناؤں گا بھائی جان۔ مجھے یہ خیال ہی نہ رہا کہ تم سفر سے واپس آئے ہو۔

وہ ان کے سینے سے ایک ہاتھ لگائی۔ سبیل نے اپنا مختصر داستان رکھا۔ سننا شروع کیا۔ بابہ اس

عمر میں ہو گیا تھا تھا لے آئی۔ اگرچہ سبیل کو بھوک نہیں تھی لیکن وہ جانتے تھے کہ اگر بابہ کے کہنے پر اصرار

نے کیا تو وہ سوا سو روپیہ بھرا کر دے گا۔ پوچھنے لگا۔

کیوں نہیں کھاتے؟

بھوک کبھی نہیں ہے؟

سبیل: یہ اس خدا کی طرف سے جو روپوں کو میرا ہے

ملک: کیا تم سے غزوت واقعی بہت سخت حراق میں؟

سبیل: جیسے شک۔ وہ جیسے جوتھیلے۔ سخت مزاج اور خردور ہیں۔ جب تک وہ مسلمان نہیں ہوتے اس وقت  
 تک وہ نہ فوگڑ مزار اور نہ غزوت میں آئے۔ لوگ آپ سے بات کرتے ڈرتے تھے۔ مسلمان ہونے پر  
 اندوختی میں بھی لگے۔ مکتوب العقبہ مذہب سے اور جب سے غزوت چوتھے میں اس وقت سے سخت غزوت  
 میں ختم ہو گیا۔ گرم مزاج میں اپنی سیرت ہی اللہ سخت مزاج خود ہیں۔ کچھ فخر میں ہے۔ خوش بھلاست  
 زیادہ ہے۔ اس کے اند میں ہر وقت ڈرتے رہتا ہے۔ اس کا وہ کائنات عمار سے زیادہ ہے۔ ہر مسلمان  
 ہر وقت خزانہ رہتا ہے کہ مسلمان کی باہی نہیں کر سکتے۔ ارمان ہوتے ہی سب میں پہنچ جاتے ہیں۔  
 اس کا کہہ جتے ہیں۔ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ذرا بھر  
 اور خدا نہیں ہو سکتے۔ میرا سزا ہے۔ افسوس! آج آج سے ان سے ڈرتے ہیں۔ میرا سزا ہے کہ  
 کئی غیر مسلم بادشاہ ملک ان سے غافل ہوتے ہیں لیکن ان سے غافل کے اور خود غزوت سے سبیل  
 مختصر مزاج اور بھلا رہا۔ رحمت اور کچھ دیرم طبیعت ہیں۔ بڑی کی زیادہ جتنے ہیں۔ غلام سے خود  
 کائنات دلتے ہیں۔

ملک: میں نے بازار کا ذہن ایک مرتبہ نہیں دیکھا تھا بڑی اس وقت جہان سے ملے تھے۔

سبیل: اب بھی ڈرتے ہیں۔

ملک: اب تم کی زبان پر کڑوا رہا ہے۔

سبیل: اب تم کی جیسے باہر نکل آئے۔ ملک آرام کرنے لگا۔

وہ دن انھوں نے وہی گزارا۔

اگلے روز وہ وہاں سے آگے چلے۔ گئی دن میں وہ قبیلے کی سبیل کے قریب پہنچے۔ ملک نے  
 وہی کر سنا تھا۔ اسے میں دن رات گھر سے وہاں کوئی ایک جی ت پرست نہیں نفرت آئی۔ تاکہ قبیلے مسلمان  
 ہو چکے تھے۔

ملک سب بات کو کچھ لگا کہ اب عرب بہت پرستی کے لیے کرنا گناہ نہیں رہتا ہے۔ وہ کرم و جود  
 اسے ہر وقت مذہب سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس کی طبیعت میں حد حق اور اس مذہب سے وہ اپنے مذہب کو  
 چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔

سبیل نے اس سے اختلاف نہ کیا تا عرب چھوڑنے کے لیے نہیں کھاتا۔ اللہ کسی قسم سے۔ ۱۰۰۰

کھانا کب کھایا تھا؟

طبعیت کبھی ہے!

اور اس کا قسم کھاتے جانے کتنے سوال کر ڈالے گئے۔ اسے انھوں نے جھوٹے جواب دیے تھے۔

کھانے سے ملنا ہی ہو کر انھوں نے وہ سب زیورات نکلے جو مانت سے حاصل کیے تھے اور باپ کے سامنے

جا کر پرٹ کر دیے۔ اس نے سب سے پہلے اپنا اراٹھایا۔ دیکھا ادا کیا،

”اُمان۔ یہی اُمان ہے۔“

اب اس نے جو تیرن لٹا دیے اور دوسرے زیور دیکھے اور کہا:

”یہ کہاں سے آئے تھے؟“

سبیل: یہ بھی مانت کے پاس سے آئے تھے۔

ابا نے طعنے سے سب زیوریں لیے۔ ان زیورات کی چمک سے اس کی صورت جھلکنے لگی۔ اس نے ہنسنے

سبیل سے کہا:

”کیوں بھائی جان۔ یہ کیسے رہے زیور؟“

سبیل: وہ تو امان تھا۔ سب سے پہلے سے تو اس کا بڑا بڑا دواہ ہو گئی۔

”تم میرا شکر جو وہاں سے خوشی سے جس کر کہا۔“

سبیل بھی ہنسنے لگا۔ وہ بھائی جان نے وہ سب زیور اٹھوا لیے اور سبیل کو ہاتھ بٹھاتے ہوئے کہا:

”مذہبوں میں غریب کے بھی یہ زیور۔ انھیں لینے اور پہنے کچھ کیا حتیٰ ہے۔“

سبیل: تم نے ٹھیک کہا۔ مجھے اس بات کا پہلے خیال نہیں ہوا۔ واقعی یہ زیور ہیں اس قدر کھانے کا حق نہیں ہے

مگر تو انھیں رکھ لے۔ اگر کس وقت نہ بند سونہ جانا ہو گیا تو امیر المومنین حضرت فرنا راہی کے سامنے ان

زیورات کو پیش کر دیا گا۔

ابا نے زیورات اٹار کر ایک ٹوٹی مینا بنڈھ اور امانہ رکرائی۔ امانہ نے سبیل کے پاس بیٹھ کر کہا:

اب سناؤ۔ مانت کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

سبیل نے بیان کرنا شروع کیا:

”میں مانت کی دکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے نماز پڑھان کر دیا اور مانت کے قہقہے میں ہنسا اور

جب تک اسے نکل کر امانہ کے گھر نہ لے کر گیا تو اس کا چہرہ نہ لگا۔

اس نے میرا غصہ دیکھا کہ مانت کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ وہ مانت میں آکر میرے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

دیکھو وہ بڑا گھانا تھا۔ جسے دور دور رہتے تھے۔ سزا گناہا گیا اور ناپا۔ سے بھی یہ معلوم

ہو کر ادا کر میں اس کے پیچے ہوں۔ یہاں تک کہ لیسوں کو چھوڑ کر جنگوں میں نکل گیا۔

میں نے جنگوں میں اس کی ٹانگیں شہرہ کی ایک۔ دکان کے شفعہ تھے مجھے بتایا کہ وہ رگستان اعظم میں

داخل ہو گیا ہے۔ میں بھی غریب بنانا تھا کہ رگستان اعظم میں داخل ہو کر تک آمان نہیں ہے لیکن مجھے

غیرت تھی۔ غصہ تھا۔ میں بھی خدا کا آقا کہنے کر جب آمان میں گیا۔

تقریباً پندرہ روز کے بعد ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ میرے سامنے سے گزرا۔ وہ اوٹ پر سوار تھا۔

میں نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ ریت کی ریت سے شہرہ کے علم نہ ہوا کہ میں اس کا قہقہہ کر

رہا ہوں۔ آخر میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دن ایک عداوت تھی کہ کیا کیا۔ میں نے اسے مار ڈالا

اور اس سے تمنا کر ادا کر جو زیورات اس کے پاس تھیں سب لے کر آئے۔

ابا بڑے غور سے سبیل کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا:

”تم نے سب لے گئے تو میں اپنے اوپر غریب کرنے لگی کہ میں بھی تمہارے ساتھ کر لوں نہ لگی۔ جوں جوں

دن گزرتے گئے میری پریشانی اور فکر بڑھتی گئی۔ تمہارے زور میں بہت ہی پریشان رہنے لگی تھی۔ خدا کا ہزار

ہزار شکر امان ہے کہ وہ تمہیں حیرت سے لایا۔“

سبیل: امان۔ خدا کا احسان ہے۔ ابا۔ رگستان اعظم میں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔

ابا: وہ کیا بھائی جان؟

سبیل: ایک لڑکی ریت میں دلی جا رہی تھی۔ اگر میں غولی ویرنہ پہنچا تو بے جا رہی رہ کر مر جاتی۔

اس کے بعد سبیل نے سناؤ کہ ایک عورت آ کر سنا۔ ”مجھے کیسے انھوں نے اسے ریت میں ڈالتے دیکھا۔ کیسے

اس سے نکالا۔ وہ اور اس کا باپ اپنی کے لیے کیسے ترس رہے تھے۔ غرض سب حالات سنائے۔“

ابا بڑے غور سے سنتی رہی۔ اس نے کہا:

”خدا نے تمہیں ان باپ بیٹی کے لیے دیا یہ جواز۔“

سبیل: امان۔ خدا ہی نے بھیجا۔ ابا۔ اس لڑکی کا نام سناؤ ہے۔ بڑی حسین اور گھڑا ہے۔

ابا: وہ ایک کام ہے وہ؟

سبیل: امان۔ یہ بہتر ہے۔ کیا تم اسے دیکھو گے؟

ابا: ضرور۔

سبیل: اچھا۔ تو رات کا کھانا ان دونوں کے لیے بھی تیار کر لینا۔ میں جا کر باپ اور بیٹی دونوں کو یہاں

لے آؤں گا۔

باب : اچھا۔

چنانچہ باب نے اسی وقت سے دعوت کا انتظام شروع کر دیا۔



## حسین سحرہ

(۱۴)

حسین نے غصہ سے کہہ دیا کہ رات کا کھانا ان کے گھر کھانا ہو گا۔ اس نے منظور کر لیا۔ حسین جب واپس آئے کو تیار ہوئے تو سفاقت انہیں جبر سے باہر لی۔ اس نے کہا،  
”تم اچھے ہیں کو یہاں نہیں لائے۔“

انہوں نے کہا:

”اسی نے تمہاری عزت کی ہے۔ تم اپنے الو سے اجازت لے لینا اور کچھ دن میں رہنا۔  
سقا: میں ابھی اجازت لے لوں۔“

حسین کچھ سوچنے لگے۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد کہا:

”نہیں۔ تم اپنے الو سے اجازت نہ لینا۔ ان کے ساتھ ہی چلاؤ۔“

سقا نے انہیں جبر سے دیکھ کر کہا،

”یہ کیا۔ گھر میں کچھ اور گھڑی میں کچھ۔“

حسین: بات یہ ہے کہ قلم سے ابو علی مناجا آدمی ہمہ نہ معلوم انہیں کیا خاک لگائے۔

سقا: اب ان کے سب شکوک رفع ہو گئے ہیں۔

حسین: جب کوئی شک ایک دفعہ پیدا ہو جائے تو رفع ہونے پر وہ باہر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخالف نے ابھی طرح جلتے ہیں کہ تم دختر کنائے اعلیٰ میں سب سے زیادہ حسین پر اور ان کے شک کے لیے اتنی کافی ہے۔



سلسلہ: لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تم مسلمان ہو اور باغیوں کو دیکھنا بھی اچھا نہیں لگتا۔

سید: یہ جانتے ہیں کہ اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔

سلسلہ: لیکن یہاں تو سر کوٹھنے کا بڑا اشتہار ہے۔

سید: وہ خود تم سے ملے گا۔ اسی آئندہ صاحب ہے۔ ہاں تا تو میری بات کہ تم دن میں ہی اس سے مل نہیں سکتے۔ اس وقت مناسب ہے جب تم اسے باغیوں کے ساتھ جلیں۔

اس میں ضرورت نہیں۔ اور آئی۔

سلسلہ: اور سلسلہ کے گھر کو دیکھنا۔ صاحب آئی۔ اس نے ان دونوں کے پاس آکر کہا۔

میں نے تو دونوں کو گستاخوں کے لئے بھیجے ہیں۔ میں تم کو بھیجا ہوں۔

کہ اسلام بری باتوں سے روکتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی سے میں اور اس سے روکتا ہوں۔ وہ کوئی نہ۔

کہنے لگا۔ سلسلہ تمہاری بات سے ملنا چاہتا ہے اور تمہاری بات سے ملنے کی ضرورت ہے۔ تم اسے

اپنے ساتھ لے جاؤ۔

سید: اب پورے میں چلیں۔

خلیفہ: میں رات کو چھوٹا گارم دل چھینے ہی جاتا۔ جی سلسلہ! ہمیں دلو۔

سلسلہ: تمہارے پاس بدلتے جی گئی۔ سید اور سلسلہ دونوں کے ہر پیو لگے۔

سلسلہ نے کہا۔

میں نے تم سے تمہارے مذہب کی باتیں متنازعہ ہیں۔ مجھے تمہارے دین کی بات ہی باتیں ہیں۔

میں لیکن یہ ایک بات پسند نہیں ہے کہ اس میں ہمارے عہد کو برا کہا گیا ہے۔ اگرچہ میں خود

مذہب میں پرانا ہوں۔ میں جن کو میرے آپ دلو اور میں پوچھتا ہوں وہ ہے میں وہ مذہب میں نہیں

کارواں میں سے بھی ہیں یا نہیں۔

سید: میرے تو یہ ہے کہ یہ سبیت خدا کی صورت کے ہیں یا نہیں اور اگر یہ خدا کی صورت کے ہیں

تو ان کی صورت کوئی بھی ہے۔ آپ کو دیکھ کر بالکل غصے کی شکل کی صورت کی بات ہوگی۔

خلیفہ: تم مجھے ضرور میرے دھرم سے محروم کر کے رکھو۔ غلامی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ میرے اشتہارات

ضیغ ہو جاتے ہیں۔

اسی یہ دونوں باتیں کہتا ہے کہ تمہارے چند شہزادوں کے ہونے کی بات دیے۔ یہ دونوں

میں نے دیکھا کہ دیکھنے لگے۔ جب وہ اتنے قریب آگئے کہ پہلے بائیس تو سید نے کہا: سید تو

خلیفہ: اب اس معاملہ کے بارے میں اور مزید۔

خلیفہ: میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ یہ مامی کے بیٹے ہیں۔ اگر یہ گورنر جنرل ہیں تو میری غیر ضروری ہے۔

سید: نکلے کر۔ دیکھو پروردہ خلیفہ سے کیا ظاہر ہو رہا ہے۔

اب شہزادوں کے سامنے آئیے۔ ان لوگوں کا بائیس ایک ساتھ سفید شلواریں۔ ان پر سفید

تینیس قمیضوں پر جامیں۔ کروٹ میں چادریں بندھی تھیں۔ ان میں بڑا بڑا سے بڑے بڑے اور

گورنر اور شہزادوں پر چادریں تھیں جن میں ہوا بھر گئی تھی۔ مردوں پر اسے لگے اور عموں پر

روٹی اسے بندھے تھے۔

ان سب کی جھبند ایک ایک منت کے قریب تھیں۔ پر ٹوٹوں میں تھیں۔ چٹک رہی تھیں۔ ہاتھوں

میں ہینر سے تھے۔ لوٹوں کے کواٹوں کے پاس سستاد رکھ کر روٹی کی قمیضیں بندھی تھیں اور پٹت پر

کاٹ کے چیلے بندھے تھے۔

یہ دونوں کٹھے ہو گئے۔ خلیفہ نے اس نے ان کے پاس آکر بندھاؤ اس میں کہا۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یعنی تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہیں۔

سید نے جواب میں کہا۔

او علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یعنی اور تم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہیں۔

خلیفہ نے اپنے اونٹ کی مار ماری۔ اونٹ دکھایا اور گونسنے لگی اپنے اونٹ روک لے۔

خلیفہ نے کہا۔

میں نے تم کو اپنی اپنے گھر ہی جو حال دکھادی ضرورت میدان بنادیا ہے۔

سید: میں چند پر پٹنے کی تیاری کر رہا تھا کہ حالت ڈاکو میری سن کا۔ لے گیا اور میں اس میں اس میں اس میں

میں جا رہا۔

خلیفہ: اب اس زمانہ کا زمانہ شہرت ہے۔ وہ زمانہ جس کا نظارہ دنیا کر رہی تھی۔ اسلامی قیروں میں اس

ڈاکو کی۔ راجہ نوٹس پوروں اور اراکین کی کھانسی نہیں ہے۔ مجھے علم ہے کہ اسے حالت رحمتیں

اعظمیٰ مل رہی ہے۔ وہ کہیں بھی جاتا ہے اسے پتہ نہیں کہ کتنی عسکر جہاد کی کھانسی کے کہ میں ان سے

پتہ دیکھ کر جرات کر سکتا ہے۔

سید: خدا کا شکر ہے۔ میں نے اسے مشہور ڈاکو کو اس کا مارا اس سے اپنی بات کا کفر نہیں ہوا۔

خلیفہ نے الٹی ہٹ سے حب اور افتادہ کی غلوں سے دیکھی اور کہا: اس میں میری اور چٹا کا کاٹا ہے۔



ابراہیم بنی عباسی نے اس کا نام رکھ کر ہندوؤں کو خوش ہوں گے۔  
اب انھوں نے خود سے شیعہ گرد کیا اور سبیل سے غالب ہو کر پورے  
کلیانہ سے سناؤ یہ غالب ملائکہ میں؟

کہ زارت کرنا چاہتی تھی۔ اسے بڑا خوش ہوئی۔

چند روز میں تیاری مکمل ہو گئی۔ پھر ایک روز سہیل نے کئی اوتھوں پر سامان بار کیا۔ ایک اوتھ پر  
تھی کہ اس اٹلی میں بیہ اور سہیل کو سوار کیا۔ خود سہیل اور عجب گھڑوں پر سوار ہوئے اور یہ متعلقہ  
ہرگز نہ روکا نہ ہوا۔



## خوہشِ انوشِ اسلام میں!

(۱۵)

میں اعلیٰ بابہ اور سہیل مدینہ خور کا سفر پہنچے۔ ان کے ساتھ مرثیہ ایک خبر سب کا  
تھا۔ زنانہ دریاں میں کشتی گرا اس کے روح سے اندر کی جانب کر لے جاتے تھے۔ ایک تہہ زانہ پر سامان  
اور دوسرا مردانہ۔ زانہ سے مرثیہ اور باہر تھیں اور مردانہ میں عجب اور سہیل۔ اوٹ اور گھڑوں سے  
کشتی ان کران کے سایہ میں کھڑے کیے جاتے۔

انہیں کتہہ مختلف سے ہر کردہ نہ سوزنا مانا

عجب چاہتا تھا کہ اسے کٹر کر لیں ماریں لیکن میں اور بابہ کو یہ مان منظور نہیں تھی۔ وہ غارتوں کا  
طوفان کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دونوں میں خدا کے گھر کی زارت کا اشتیاق بہت زار تھا جس کا بیاد تھا اسے  
بزرگ دہر تر کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ پھر جب سید بنے خدا کے اس گھر کو نقصان  
پہنچا، اتنا ترسید نہیں کے معزز لوگوں نے اسے دوبارہ تعمیر کیا تھا اور غریب آدمی حضرت محمد علیہ السلام  
وآلہ وسلم نے سنگ، سہل کو اس کی جگہ پر رکھا تھا۔

چنانچہ میں نے صحت صحت کہہ دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی زارت کے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے۔ پھر اعلیٰ  
میں ان کے ساتھ ہوئے۔

وہ ایک مرتبہ پہلے میں کہ منکر آج کا تھا۔ اس وقت جبکہ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے اور سب سے بڑا  
بن جس کا نام سہیل تھا، خانہ کعبہ کی جگہ پر رکھا جاتا تھا۔ اس زمانہ یعنی آج چاہت میں کہ میں منکر کی زارت کے  
پچھڑا زارت دست اہم تھا جتنا تھا۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ جوق در جوق آگے آتے تھے۔ تہوں کی زارت



عبادت ہونے کی حق جو سرے کا خالق ہے جس کے لئے (جو جا) کہنے سے ہر چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ جو تھا ہے جس کی تلافی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ جس نے انسان کو علم دیا عقل دی اور اسے اشیاء و مخلوقات بنایا۔  
 قلب کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا ہے حاضر اس کی زبان سے نکلا:  
 "کفر مت گیا۔ کافر مصلی ہو گئے۔ اسلام کا سچا پیو ہے۔"

سید نے کہا:

"تمہارے عدل نے سچ کا اقرار کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کی پاس میرا بندہ فرمایا:  
 وَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ وَزَعَقُ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا  
 آئے ہی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک  
 باطل شے ہی راہ تھا۔"

قلب نے بیعت سے قبل کو دیکھ کر کہا:

"خطے جیسا فرمایا ہے۔"

سید نے جواب دیا:

"اللہ! خدا نے ہی فرمایا ہے۔"

قلب: اور سچ ہوا ہی چند سال ہوئے جب میں کہہ بات تو اسی خانہ کعبہ میں تھی سو ماٹھرت کے تھے یہ  
 بت پرستی کا مرکز تھا۔ یہاں بت پرستوں کا اجتماع رہتا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں سے بت مٹا دیے  
 جائیں گے اور بت پرستی ختم ہو جائے گی۔ لیکن اب یہاں ایک بھی بت باقی نہیں رہا۔ ایک بت پرست  
 ہی نظر نہیں آتا۔ اگر اسلام خدا کا سچا مذہب نہ ہوتا اگر خدا نہ ہوتا اور بت ہی خدا ہوتے تو اس سے  
 ہرگز بت نہ ہٹا دیتے۔ یہ شکست پرستی باطل تھی حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ مجھے افسوس ہے  
 کہ میں حق کی نصیحت سے اب تک شرارت کیا۔ یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں بھی اسی پتھر میں شامل ہوا ہوں۔  
 سید کا جواب دیکھنے لگے۔ انھوں نے کہا:

"خدا نے تمیں اپنی طرف کھینچ لیا ہے تم کو۔"

اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ

نہیں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کفر ہو نہ ہے اور میں

گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

عصب نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اس نے کہا: "کیا میں مسلمان ہو گیا؟"

سید: (اردن تم صبح ہو گئے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کے کان بول گئے۔

قلب: کس خدا کا سایہ طریقہ ہے مصلی ہونے کا۔ بیٹی سقا۔ ان خدا کے بندوں کی خدا پرستی کا گھر پر تو یہ اثر  
 ہوا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن مجھے اختیار ہے تو جس مذہب پر چاہتا ہوں۔

سقا: ابو۔ میں مسلمان کو پہلے ہی سے اچھا مذہب سمجھتی ہوں۔ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ میں بھی مسلمان ہوتی ہوں۔

چنانچہ سقا بھی گھر پر مسلمان ہو گئی۔ ان دونوں کے مسلمان ہونے سے سید اور بابا کرشمہ کوئی برا







لے بیہوش ہے۔

چنانچہ انھوں نے ایک اور مجلس کا

ایام: تم شاید اس بات کو نہیں جانتے ہو کہ جہاد میں اس قدر ثواب ملتا ہے کہ کوئی بدعت جہاد کے ثواب کو نہیں پہنچتی۔ بلکہ خدا سے جہاد کے لئے جنت کا سودا کرنا ہے۔ میں بھی یہ سودا کرنا چاہتا ہوں اور اس میں اب میں بھی زیادہ عرصہ بھر نہیں سکتا۔

غلبہ: اچھے اچھے علاج کی دعا کر کہ بعد میں کیا ثواب ہے؟

سید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

”جو لوگ اس لئے جہاد کرتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوں گے۔“

چنانچہ مزید ارشاد الہی ہے کہ:

”میرے لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے ساتھ اپنے اولاد اور اپنی جائیداد کے اور جہاد کیا۔ ان لوگوں کے لئے ہم ان میں اور بھی لوگ خارج پانے والے ہیں۔ ان کے لئے اللہ نے بہترین ثواب کی میں رہ کے نیچے نہیں رہتی وہ ان میں جہاد کریں گے۔ یہ بڑا امر اپنا ہے۔“

غلبہ: حقیقت میں یہ بڑا امر پانا ہے۔ انہی اپنی ہی نجات کے لئے توجہ نہ اور ریاضت کرتا ہے۔ جہاد کرنے سے نہایت حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے سستا سودا اور کیا ہوگا۔

سید: یہ بات ہے۔ خدا نے میں پیدا کیا۔ انہی نے زندگی بھر کی۔ وجہ چاہے زندگی داپس لے سکتا ہے اگر یہ زندگی جہاد کرتے ہوئے چلی جاتے تو آخرت کی زندگی میں حقیقت مدد مل جائے۔ شہید بہشت میں چلے گئے۔ بہشت وہ امر ہے جس میں جیو ہیں۔ نگہستان ہیں۔ میرا ہے۔ نہری ہیں۔ ہر تھوڑے سے سینہ مکان پر سوئے چاندی کے تخت ہیں۔ زلفین اور بلے کے فرش ہیں۔ درکار خوشنما مسکن ہیں۔ ان پر چھوٹے اور بڑے کتبے ہیں۔ وہاں زخم ہے نہ تکلیف ہے۔ نہ اذیت ہے نہ موت ہے نہ موت کا خوف ہے۔ خوشی ہے۔ شادابی ہے۔ ناز و انہالی ہے۔ سر پر ہی سر ہے۔ یہ ہیں سر ہے۔

اس میں عذبت کے لئے عرصہ میں ہو گا۔ غلبہ ہوں گے۔ اگر حسین عرصہ میں اگر وہ دنیا میں اپنے بچہ نہ تھا تو ان کی ایک جگہ دکھا دیتا تو کبھی نہ ملے دیکھتے ہو بائیں۔

غلبہ: حقیقت یہ ہے کہ میں نے جہاد کو کبھی نہیں چاہا۔ لیکن ایک زمانہ تھا کہ جب خدا کے اس گھر میں بت بہت رنگے تھے۔ لوگ بھول کر چلا جاتے تھے۔ مرد اور عورتیں زرق برق لباس پہنی کر گئے تھے۔ شراب و دھواں دھاتا تھا۔ عورتیں بے نقاب اور بے حجاب ہوتی تھیں۔ بد نظریاں نہیں گھبرائے اور اوباش انہیں چھڑنے کی کشتے کرتے تھے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ گا کی سالانہ تقریب میں کہ دے سے زیادہ لوگ۔ عورتوں کی ہنسی کشش کی وجہ سے آتے تھے۔

اس کے برعکس اب دل جمعی اور سکون کے ساتھ نمازیں پڑھتی ہیں۔ قرآن شریف کا تلاوت ہوتی ہے۔ غارتگر کا طواف ہوتا ہے۔ آسمان سے انوار اتارے ہیں۔ بچی چاہتا ہے جنت کی کیداریوں میں بیٹھے داتا کیے جائیں۔

لیکن — اب معلوم ہوا ہے کہ جہاد سے بڑھ کر کوئی بدعت نہیں۔ جہاد کرنے والے بہشت میں داخل ہوں گے۔ اب جہاد کرنے کو بھی چاہتا ہے۔ چلو اور جلدی چلو۔ اور جلدی چلو۔ کیوں ایسا نہ ہو کہ رات ہی میں لگا کودے اور جہاد کی تین دنوں میں رو جائے۔ چنانچہ انھوں نے تیار و تیار دعا کر دی۔



ایک روز مسلمانوں کو لیا۔ سید کے چچا اور اس کے دو اہل خانہ سے نکل دی قیصر کے رفیقہ اور اس کا باپ عبدالرحمن تھے۔ سید نے عبدالرحمن کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دے کر کہا: ”خدا کا شکر ہے تم سے پھر غلالت ہو گئی۔ رفیقہ اکثر قیصر کا کرتوتی۔“

مسلمانوں کا چچا اور رفیقہ کو دیکھ کر کہہ چکا ہوں کہ ایسا ہے اس غلالت سے بچ کر خوشی نہیں ہوں گے انھوں پر اسے۔ سید نے کہا: ”جیسے اپنی بیوی پر سے رفیقہ کا ذکر کیا تھا۔ یہ کہنے لگی رفیقہ کو اپنے ساتھ رکھوں نہیں لے آئے۔“ عبدالرحمن: خدا نے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ ان دونوں کو۔ میں تجارت کے سفر میں طائف آیا تھا۔ چونکہ میں ایک رتبہ سپہ رفیقہ کو اپنے بچے محمدؑ آیا تھا۔ تو یہ چار گھنٹی اس لیے اب میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھنے لگا ہوں۔ اب بھی اسے ساتھ ہی لے لیا۔ اور اب میں اسے لے آیا۔ کمال شہر ہے جو ہے جو تو؟

سید نے قیام گاہ کا پتہ بتایا۔

جدد الرحمن نے کہا :

”اچھا تم چلو میں رفیقہ کو لے کر دین آ رہا ہوں :-

صیقل دونوں رنگوں کو ساتھ لے کر چلے آئے۔ سلتہ کی دھت سے کچھ چپ چاپ سی ہو گئی۔ بابہ نے پوچھا بھی کہ کیا بات تھی تو ہم فخر و خاطر ہو گئیں۔ اس نے ٹالی دیا اور کہہ دیا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ۔۔۔ خاموش ہو گئی۔

فخری نے درمیانے جھوٹے زرقن اور رفیقہ آگئے۔ صیقل نے رفیقہ کا تعارف کر دیا۔ وہ دونوں بال کر بہت خوش ہو گئیں مگر سلتہ اب بھی اسودہ خاطر رہی رہی۔ ایک ہی دن کی حاجت میں رفیقہ اور بابہ جھگڑا ل گئیں۔

عمر کی نماز پڑھ کر یہ جھگڑا کے رخت کے سایہ میں بیٹھی تھیں کہ رفیقہ نے شروع فغروں سے سلتہ کو دیکھ کر بابہ سے کہا :

”جلاس لڑکی کو کس سزا مانی ہے جو بغیر رضی کے کسی کو اپنا شوہر کہنے لگے :-

سلتہ شرم و غصہ سے کھٹ گئی۔

بابہ نے کہا :

”اچھا تو یہ ہے کہ اسی مرد کے پٹے سے باندھ دیا جائے جسے وہ شوہر کہنے لگی۔ مگر کوئی

لڑکی بہت ہے :-

بابہ ہنسی۔ اس نے کہا :

”یہ کس کی تو بیٹی ہے :- رفیقہ نے سلتہ کی طرف اشارہ کیا۔

بابہ نے مصنوی حیرت سے کہا :

”اچھا :- لڑکا کا کون ہے :-

رفیقہ نے مزہ دیتے ہوئے بھابھیا :

”تمہارے بھائی صیقل :-

بابہ نے حیرت بھرنا غصہ سے سلتہ کو دیکھی جو غصہ سے کچھ جا رہی تھی۔ بابہ نے رفیقہ

سے پوچھا :

”سلتہ کی سزا سنائی کیا ہو سکتی ہے :-

رفیقہ نے بے اختیار جواب دیا :-

بابہ نے سلتہ کی فخری اذیتوں میں نے کراسن لاپانڈہ چہرہ اور پر کرتے ہوئے کہا :

”کیا جاننے ہے کہ میں بھائی کہنے لگوں :-

سلتہ اور بھی شرمائی۔ رفیقہ نے کہا :

”اگر سوئی نیم دھاغندی۔ اجازت ہے۔ بھائی کہہ دیا کرو :-

دونوں نے قہقہہ لگا لگا اور سلتہ اور میں شرمائی :-



عبدالرحمن اور رقبہ اب اسامہ ہی کے غیر برادر گشت ہو گئے۔ سلسلہ نے یہ بھریا کہ رقبہ اگرچہ شاہ ہے لیکن دلک بڑی مانت ہے۔ اسے سلسلہ سے محبت ہو گئی ہے اور اس محبت کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ ہے۔ لیکن ایک جگہ بیٹھ جاتی تھیں۔ باہر کرتی تھیں اور جس قسم سے لگتی تھیں۔ کئی دن بھی خوشی گزار گئے۔

رقبہ اور عبدالرحمن کو یہ معلوم ہوئی کہ غلب اور سلسلہ مسلمان ہو گئے ہیں اور وہ دونوں سیل اور آبادی کے ساتھ مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ سیل اور غلب کا راز و جہاد میں شریک ہونے لگے۔ عبدالرحمن نے غلب اور سیل دونوں کو مبارکباد دی اور اسے کہا:

’میں ہی چاہا میں شریک کے لیے بے قرار میں لیکن کچھ رکاوٹیں تھیں۔ اب میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ اسی حکایت کا خیال نہ کرنا۔ دنیا کے سارے غلاموں کو جو میں شریک ہوں گا۔ جس سے ہے۔ انسان کا دشمن شیطانی ہے جو ہر ایک کا ہمیں دشمن ہے۔ انا ہے۔ ہر ایک ہے۔ یہی ایک کا نماز میں سستی کر دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شیطان ہمیں ہمارے روکنے کے لیے دنیاوی کاموں کو سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے بچے جاتے ہیں ہمارے نقصان کے وہ خدشہ کی خبر گیری اور آبادی کو اس کے گلا اور جب درختوں کی پرہیزگار نہ ہوں تو غلبستان کو کیا ملے گا۔ بڑا بڑا اثر جائے گا۔ رقبہ کو کہنا کہ ساتھ ساتھ یہ ہے لیکن اگر میں شہید ہو گیا تو اس کا کیا مشیقت۔

مگر اب میں کسی بات کا خیال نہ کر رہا ہوں۔ ایک نامزدہ تھا کہ ہمارے پاس غلب ایسی نہیں تھیں۔

کیا کہ میں رقبہ کو جھڑک رہا تھا۔ یہ میرے بچے ہمارے جو گشت۔ خدا خدا کوئی اتفاق۔ خدا کا ارادہ ہے کہ تو جو میں ہی انشاء اللہ خدا سے ملے گی۔

ایک ہی عبدالرحمن رقبہ کو کہے کہ بچے گئے۔

ملاقات ہو رہی ہے۔ دونوں کو رقبہ کی مدد کی کاروائی ہو رہی ہے۔ صاحب اور سیل میں کچھ روزہ یہ خبر ہوئی کہ اس کو بچا رہنے اور وہ کو بچا رہی۔ اور وہ میں ان کے مشورہ کے ساتھ چلے گئے۔



’ابن ابی نعیم‘ کہہ رہے تھے کہ انہیں کچھ تو بڑی۔ اور ان کے کہنے کے۔ ایک اعرابی ان کے پاس آئے۔ اسی کی قسم اسے یہ خبر ملی۔

’غلب نے انہیں کہا کہ انہوں نے کہا:‘

’اور دوست زیادہ تم ہو۔‘

’اعرابی کا کاروبار تھا انہوں نے کہا۔‘

’ان میں ہر ایک نے مجھے سہرا ہوا کہ تم لوگ مسلمانانہ طور میں جاؤ۔ میں سمجھا کہ تم مسلمانانہ طور میں آئے۔ اب تم کو تباہ کر دیتے۔ اور اپنے ساتھ اپنی محسوس کی کہ میں موت کی ایک داری میں گئے۔ اور ایک جاہلیت میں تم میرے دوست تھے۔ میں مسلمان ہو گیا تھا۔ نہ ہی ہے۔ وہ کہہ دیتی کہ خدایہ تھے۔ اس خاک کو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے۔ مگر تم مسلمان نہ ہوئے۔ بلکہ غلب نے اس خدایہ کو تباہ کر دیا اور غلب سے مدد ملتی ہوئی۔‘

’غلب تم سے بچا کہ۔ ہوا میں۔ لیکن دوست اب غلب لاٹھی سے مار رہا ہے۔ وہ تمہیں ہونے تو مجھے پر بڑا غصہ آیا۔ میں اب بھی ہوں کہ غلب نے غلب سے مدد ملتی۔ اور اس غلب سے مدد ملتی۔ بدلا ہوئی۔‘

’زیاد:‘ لیکن خدا کا شکر ہے کہ تم ابھی مسلمان ہو گئے۔ تم مسلمانانہ طور سے کہے گئے۔

’غلب:‘ ایک نیک بندہ خدا پرست ہے۔ یہ وہ حال ہے۔

’زیاد:‘ کہہ دیجئے۔

’غلب:‘ سیل کی کو شاید تم جانتے ہو۔ وہ اتفاقاً یہاں سے گزرا کہ صاحب کرنا ہوا۔ میں نے کہا اور میری



وہاں سے نکال لایا۔

زیادہ صبح کی کوئی نہیں جانتا۔ غارت صالح لڑا کہ ہے۔ خوبصورت اور بالکل جوان ہے۔ وہ بڑا کمزور صحت کے خاتمہ میں گیا تھا؟

عقب: آؤ۔ میری قیام گاہ چھلہ راستہ میں سب کچھ بتا دوں گا۔

زیادہ ان کے ساتھ چل پڑے۔ عقب نے انہیں بتایا کہ صحت۔ صبح کی میں کادہ جھین کو لے گیا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں چل پڑا کہ صحت ان کے خون سے رگستراں ٹیٹم میں جا گھسا۔ وہ بھی پیچھے ہی چھینا۔ تم میرے زخم سے بے خبر تھے۔ اس نے یہی اور سنا کہ کی جانی بچائی۔ اس کا صحت سے متعلق ہو گیا۔ اس نے اسے لڑا اور اس سے اڑھار لیا۔

صباح نے صحت کو لڑا اور زیادہ سے حیرت بھرے لمحے میں کہا۔

عقب: ہاں۔

زیادہ: بڑا کام کیا اس نے۔ بڑا ہمارا اور شہر دل سے۔ صحت نے قتلا سے جانی بھی توڑا کہ لڑا تھا۔

عقب: اب۔ کم سخت رہی تھی چیزیں لے گیا تھا۔ اس نے میری موجودگی میں لڑا کہ لڑا تھا اور مجھے اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

زیادہ: وہ فانی بڑا سناک اور لخت۔ مجھے تو بڑی حیرت ہوئی۔ میری کر سکتا ہے اسے لڑا۔

عقب: مجھے بھی تعجب ہوا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں صبح کو بڑی نادری تھی مگر اس وقت میں ان کی طرف سے ہر گاہ میں مبتلا تھا۔

زیادہ: بدگمانی کیسی؟

عقب: صحت دوست۔ میں ریگستان، ٹیٹم میں پہنچ کر کچھ صبح ہو گیا۔ پانی ختم ہو گیا۔ پیاس سے لمبوں پر جان اٹھ رہی تھی۔ سردی اور زبردستی ہاتھ کوڑھ کر رہی تھی۔ ایک روز جب وہ گئی تو ریت نے اس پر حکمران لڑا۔ اور وہ دبے لگی۔

اتفاق سے صبح آگئے۔ انھوں نے اسے پچایا۔ میں گھٹائی کہ صحت میں مسلمانوں کا دشمن ہوں وہی طرح مسلمان غیر مسلموں کے دشمن ہوں گے۔ صبح کو بھی بھر سے عادت ہو گئی۔

زیادہ: رائے نیک کی کہی کر کے کہا؟

عقب: حالانکہ مسلمان کسی سے عدوت نہیں رکھتا؟

عقب: اس کا مزید مجھے اندیشہ ہوا۔ اس وقت میرے دل پر دماغ میں یہ خیال تھا کہ ملکہ کی خوبصورتی سے متاثر

ہو کر ہماری مدد کی ہے۔ میں ان سے مدد مان رہا تھا اور یہ مدد ان اس وقت کبھی ہی نہ ملے گی۔ ریگستان، ٹیٹم میں لگی نہیں ہو گئے۔

زیادہ: کچھ سوچتے ہوئے کہا؟

عقب: اگر حق ٹھیک۔ اور یاد آ گیا۔ وہ صبح کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اپنے بھائیوں سے، اس کو کہہ کر کہیں چلے گئے تھے۔ ان کے بھی ایک لڑکا تھی۔ بھلاہٹا تھا اس کا۔

وہ اس کا نام سوچتے تھے۔ بولنے کا؟

اس لڑکی کا نام رفیقہ ہے۔

زیادہ: بتاؤ کہ آپ نے۔ رفیقہ ہی تھا اس لڑکی کا تم مسلمانوں کو نہیں جانتے عقب۔ مسلمانوں پر حسن کا چادر

کم ہی چلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے انہیں عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھنے کی وہ سخت کی ہے۔ کوئی نام خرم لڑکی کتنی ہی حسین ہو مسلمان اسے اس خوف سے نہیں دیکھتا کہ اس سے خدا کی باتوں ہوگی اور یہ مسلمان کو کسی طرح گوارا نہیں کہ وہ خدا کی آواز کریں۔ اس لیے ان پر حسن کا چادر نہیں چھتا اور وہ صحت و صحت کے حال میں لگتا نہیں ہونے۔

عقب: یہ تم نے سنا کہا۔ صبح نے صحت سے ایسا ہی کہا تھا۔

زیادہ: غمناک یہ گمانی بھائی۔ صبح رفیقہ کے ہو سکتے ہیں۔ صحت کے۔

اس کو عقب جو تک نہ رہے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ صبح کا رفیقہ کے کتنا واسطہ ہو سکتا ہے۔ انھوں نے زیادہ کا ہونہ دیکھا کہ کسی اور طرف دیکھ رہے تھے۔

عقب کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ مائیں کچھ بے معنی ہی ہو گئی۔ گھوڑے تو نہ کرسٹ سب سنا کر خود بخود نہ رہ گیا۔ انھوں نے پوچھا۔

تم نے یہ فیصلہ کیسے کر دیا؟

زیادہ: اس لیے کہ مسلمان کا اٹھ رہا ہے جہاں۔ شہر میں سے سادہاں کو سنا کہتے ہیں۔ رفیقہ ان کے رشتہ کے چھائی بیٹی ہے۔ صبح میں کہا؟

عقب: وہ چار سے سا تھا میں۔

زیادہ: میں سمجھاں سے ملتا چاہتا ہوں۔ اپنے لڑکے کو جاننا چاہتا ہوں۔

عقب: ہم دیرینہ خود ہمارے ہیں۔ صبح کا ارادہ تھا کہ بے ایران جانے لاپے۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ زیادہ: اور میں بھی جاؤں اور چلنے کے ارادہ سے ہی آیا ہوں۔

یہ دونوں باتیں کرتے ہوئے صبر کے غم پر پہنچے۔ پہلے باہر ہی بیٹھ گئے۔ زیادہ کوج کر دینے  
نہاؤ نے انہیں مدد کیا اور انہوں نے ملکہ کا جواب دیا۔

نہاؤ نے کہا:

”سبیل! یہ سارا شہ تم توڑ رہے جا رہے ہو۔“

صبر نے کہا: ”جیسے ہے۔“

سبیل نے کہا:

”جہاں کہہ گئے تھے وہی جا رہا ہوں۔“

نہاؤ: ”تم جہاں سے کہو فرس ہو گئے کہ میں بھی جہاں کے رہا ہوں۔“

صبر: ”بڑی عجیبی بات ہے مجھے سن کر۔“

نہاؤ: ”میں نے سب کو سنایا۔ وہاں۔ وہاں رہ رہا ہوں۔ میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔ میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

صبر: ”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

نہاؤ: ”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

صبر: ”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

نہاؤ نے کہا:

”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

صبر نے کہا:

”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

نہاؤ نے کہا:

”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

صبر نے کہا:

”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

نہاؤ: ”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

صبر: ”میں نے سب کو یہاں رہا ہوں۔“

دیر تک باتیں کرتے رہے۔

بہت دیر بعد زیادہ کوج چلے گئے اور دوسرے دن صبر نے ان کے پاس آگئے۔ ان کا ہاتھ تھکا

کا ہاتھ تھکا ہوا تھا۔

ان کے کہنے کے دوسرے دن صبر نے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا۔ کئی اور لوگ بھی صبر کے دلوں

میں جذبہ جہاد تھا۔ ان کے ساتھ ہو رہے۔



گھر گھر نرا دھڑکا دھڑکا، ادا اور اعلیٰ، دھیس ادا میری دعا، ادا آتا ہے روتے تھے، ہر شخص اپنے اہل کا ہوا ٹھکانا اس لیے دنا تھا کہ کہیں اس سے ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے عزیز قربان گھر کا حساب اٹلا ہو۔

ان کا مقابہ خدا کی بنا پر بلا سخت ہو تا تھا۔ کسی کے رتبہ کا اور ان کا احترام کا ملحق ہونا نہ کہ کھنہ حق پر ضرور مرزا دیتے تھے اور مرزا عجیب ہوتی تھی۔

مصدقین و خاص مجاہدین علیہ السلام و سلم کے، حاصل تھے اور فتح اعلان تھی۔ انصاف نے اس میں اپنے مکان میں ڈیڑھ لکھ جمع کر دی۔ حضرت عمرؓ کو اللہ بڑی قدر فرمایا:

اہل حاجت کو زور سے آواز سن رہی ہیں کہ اس سے وہ فریادوں کی فریاد جلد سے سیکھ گئے۔  
فریاد ہی میں مسئلہ کو حکم دیا،

”ایران ہمارا ڈیوڑھی میں لٹکے گا۔“

چنانچہ وہ گئے اور افسوس کے ٹیڑھے میوے لگا دی۔ اگرچہ سعدیہ وقاص بڑے ذی وقار تھیں اور اپنے  
کے ہٹلے کے ہم عمر جوڈ کر کے بغاوت کرنے کے لئے ملنے دیکھتے رہے۔

اسی طرح ایک بلند یا صحیح جوازِ عقیقتے اور عقیقے کے گدھے کے ساتھ کام لیا جس میں منہم بعد ان کی بلیت معلوم ہوا کہ باریک پریشہ پیسنے کے ہیں۔ اسی وقت محمد بن مسعود کو حکم ہوا کہ:

”عیاضی میں حالت جسم میں ساتھ لے کر آئے۔“

اور اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم کو لیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے عاتقا باریک کشتہ آردا کر باغی لاکرتے پہنچایا اور بیکریوں کا گھردے کر حکم دیا:

الحمد لله

بادام بود و در بعضی بڑے در تہ کے چھلنے سے۔ ایک ملک کھنڈ اور گند تر سے موزہ منڈا کر کے۔ بکر یا دیگر  
گئے۔ مرزا شکار:

اسی کے نام پر چاہتا ہے کہ

حضرت علیؓ فرماتے فرمایا:

جیسے اس وقت سے دیکھ رہا ہے۔ میرے چاہنے والے اس کا جواب دے گا کہ وہ بڑے بڑے چمکدار کراٹھوں کے  
علاقوں میں ایک بکری کی طرح نہ رہے۔ آؤ ان لوگوں کے دل سے تو یہ کہیں اپنے منہ سے نہ نکالیں گے۔ میر

حضرت عمر فاروقؓ

①A

چونکہ یہ ناکہ بستوں میں سے جو گزرا اور ہر سبق سے دور چلے اور خدا کے ارادہ سے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ بعض تباہی و بعض تباہی و عیال کے، اسی لیے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ بدینہ خود کے قریب پہنچے، یعنی اس میں کوئی سویر نہ رہا تھا۔

ایک روز قاضی بن منہو کے سامنے پہنچ کر کہ گیا۔ قہ کی طرح میں ماں پر نظر کرنے لگا۔ اس وقت اس شہر کو دیکھتے ہی ان میں سے ہر ایک کا دل فراموش سے اس کے سینہ میں پھٹنے لگا۔ انہوں نے صرصر و شہر جا کر نہایت شور کے ساتھ اللہ کی پکارت دی۔

یہ وہ جبرک تھا جس پر سولی لٹا گیا تھا۔ میری سہولت کے لیے وہ سولی کے تھیلے میں تھی۔ اس وقت  
 جازبی جی سے مل رہا تھا۔ جی نے کہا کہ وہ سولی کے تھیلے میں تھی۔ اس وقت  
 جازبی جی سے مل رہا تھا۔ جی نے کہا کہ وہ سولی کے تھیلے میں تھی۔ اس وقت

یہیں عمارت کراہنے پر نوبہ دینا اختیار کیا۔ یہیں اسلام کا کائنات و دشمنان و پیان ہوا۔ یہیں خلافت قائم ہوئی اور اسی سرزمین میں کفر کے خطن چار ہوا۔ اور یہیں وہ فرزند اسلام تھے جسکی میت و دیدہ سبکی ساری دنیا میں وحرم تھی۔ ہر سال کے طہران تھے۔ مسلمانوں کے شہنشاہ تھے۔ جن سے دنیا بھر کے بادشاہ ڈرتے تھے۔

وہ تھے۔ امیر المومنین خلیفۃ المسیح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

میں نے خوف سے منہں بکری سے تیز نہیں کر سکتے تھے۔ سپاہی اور افسر جو نیل اور گرینل تصدیق اور

انہوں نے فرمایا ایک ماہ میں نہیں بنا۔

حضرت قرظی اعلیٰ مراتب دی مرہنت بزرگ مجاہد تھے۔ انہوں نے صریح کیا: جس کے گناہ تھے۔ ان کے پیشہ خداوند نے ایک شخص کو بے وجہ قرار دیا۔

مگر وہ بے حجت قرظی کو فریاد کیا۔

آپ نے مبداء اور اس کے باب قرظی اعلیٰ کو یاد دلائے مگر اس کے افسوس سے مبداء کو کوڑ سے لگائے۔ قرظی اعلیٰ دیکھنے پر بے پروا نہ ہو سکے۔

پھر امیر المؤمنین حضرت لڑنے کے وہ بیک و جہ سے تھا۔ یہ لوگ دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روضہ نبویؐ تو دیکھنا چاہتے ہی تھے لیکن ان منصفہ اسلام کا زہر نہ ہی کرنا چاہتے تھے جو کشتی اسلام کے ۳۰ ملّا اور مسلمانوں کے رہتے تھے۔

جنازہ وہ لباس داخل ہوتے۔

قبا کے سوا کسی نے ان کا بڑا بیک نہیں کیا۔ وہ والد سے بچھ کر مدینہ منورہ میں پہلے۔ انہوں نے سفیر پرش سوار اور انقلاب پرش مسلم خواتین کو لے جاتے دیکھا جو کچھ عام طور پر مدینہ منورہ میں متعلق تھے رہتے تھے اسی لیے اس قافلہ کو بیک کر سہاں تیز نہیں ہوتے بلکہ وہ قافلہ گلوں سے خبردارت پر چھتے اپنی خداوندان کے لیے میں لگتے۔ انہوں نے بات صراحت کرتے اور گئے بڑھ جاتے۔



یہ قافلہ ایک میدان میں مدینہ لگ گیا۔ قافلہ کے ناکم مرد، عورتیں اور بچے مسجد نبویؐ میں پہنچے۔ میں پر نماز پڑھی۔ ان صاحب نے دودھ اور کھیتیں تیرے علیہ کی ادا کیں۔ پھر وہ روضہ اقدس پہنچے۔ روضہ مبارک کو دیکھتے ہوئے ان کی آنکھیں لہر لگ گئیں۔

انہیں نیلا کیا کہ وہ جب خدا پر صلی اللہ علیہ وسلم یاں جو خواب میں جو خدا کے بندوں کی ہدایت کے لیے دیا ہے اسے تھے۔ جنوں نے اسلام کی خاطر بڑی سے بڑھوٹ برداشت کی اور حواس کا راستہ رکھا۔ خدا کے اکثر بانیوں کو خدا کے ساتھ جو کر تبلیغ رمان کا کام ختم کر کے خدا کے پاس تشریف لے گئے۔

انہوں نے خدا کے حکم کے موجب ان پر درود پڑھا۔ خدا کے نیک بندے، خدا کے خیر سے سب

ان پر درود بھیجتے ہیں۔ جو لوگ آپ پر درود پڑھتے ہیں، اقیامت کے روز وہ ان کی شفاعت کریں گے۔ وہ دامن سے لگا آئے۔ اور اپنی قبا کا گاہ پر آگئے مگر انہوں نے امیر المؤمنین حضرت قرظی کی زیارت بھی کی۔ جو کہ وہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھتے جاتے تھے اور حضرت قرظی اپنی وقت نماز پڑھتے تھے اس لیے وہ ان میں باغیہ نہ ان کی زیارت کرتے تھے۔

انہوں نے پھر خدا حضرت امیر المؤمنین کی زیارت کی اور دوسرے بزرگوں کو بھی دیکھا۔ سب ایک ہی جہاں میں ملے جاتے تھے۔ کس میں کوئی فرق اور امتیاز نہ تھا۔



ایک روز سہل اس اراد سے ہے چاکر صحت سے جو زکوات ملے تھے وہ امیر المؤمنین کے سامنے پیش کر دیں اور ان کے متعلق مسئلہ پیش کیا۔ سہل اور زیادہ بھی مہم جو رہے۔

جنگ کا وقت تھا۔ آفتاب طلوع ہو چکا تھا اور اس کا کھڑکی کر تھوڑا ٹھنڈی چوٹیوں پر بلند جنت کی چمن پر دروازہ دیکھ کر کھڑے سید انور پر چڑھ رہی تھیں۔

جب وہ مسجد نبویؐ پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت قرظی کی محراب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے جا کر سلام کیا۔ مسلمانوں کے مختلفوں نے سلام کیا جواب دیا۔ اس وقت وہ جو قیام پینے تھے اسی میں کی چونک گئے۔ یہ بوند نظر کیا پناہ سنتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چونک گئے کہتے ہیں تھے۔ حضرت قرظیوں نے پہنچے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تھے۔ ہر بات میں حضور کا ہتھاکرتے تھے۔

سہل نے زکوات کا کھانا امیر المؤمنین کے سامنے پیش کیا اور ان کی بات میں نصیحت ڈال کر کہنے لگا۔ اس کے پاس سے یہ زکوات لکھ رہا تھا کہ اس کا مسئلہ کیا ہے؟ انہیں یہ بات کرنا پسند نہ ہو۔ پھر جرح سے سہل پر ننگہ حضرت قرظی نے جو حیرت کا کھانا دوسرے زکوات دیکھا اور فرمایا:

نہایت قیمتی زکوات ہیں یہ۔ قابلِ تریف ہے وہ ظالموں نے مسلمانوں کو اس قدر قوت دہان مہل کر وہ دولت کی کوئی املا ہی نہیں لگتے۔ ہاں پست کو سوں دہن میں۔ پس اگر کے مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم مستحق پر پہنچے ہو۔

مسند پر چکر ان زکوات کے متعلق تھا کہ ایک میں عورت اور نجد کے کھانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر



ہاک لے جاتے یا ایک کے درمیان میں جائیں تو ان کے حملے کر دیے جائیں۔ اگر کوئی ایک یا دوڑت پیدا نہ ہوں تو  
بیت المال میں داخل کر دیے جائیں اور ان کی قیمت عساکروں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔  
زیادہ سے کہا:

یا امیر المؤمنین! ان زیورات کے ایک صلب ٹائی ہیں جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

صبل نے حیرت سے صلب کی طرف دیکھا۔

امیر المؤمنین نے صلب سے پوچھا:

کیا یہ زیورات تمہارے ہیں؟

صلب نے جواب دیا:

”جی ہاں۔ صامت ڈاکر ڈال کر لے گیا تھا۔“

صبل نے پوچھا:

”مگر تم نے پہلے ہی مجھ سے کیوں نہیں کہہ دیا کہ زیورات تمہارے ہیں؟“

صبل نے کہا:

”میں اس لیے نہیں کہہ سکا تھا کہ اس وقت میں غیر مسلم تھا اور کوئی میرا گواہ نہیں تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ  
شاید تم کو کہہ دیتا ہے مجھے جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا۔ اب میں مسلمان ہو گیا ہوں اور ایک ایسا مسلمان گواہ بھی  
موجود ہے جس نے یہ زیورات میرے پاس دیکھے تھے اور انہیں دیکھتے ہی جس نے چھاپن یاد۔“

امیر المؤمنین نے فرمایا:

”زیادہ کی شہادت سے یہ تصدیق ہو گئی کہ ان زیورات کے مالک تم ہو۔ مسند ذیہ تمہارے حوالے کیے  
جاتے ہیں لیکن تمہارے متعلق تو سننا تھا کہ تم بڑے مرتصب اور مندی ہو۔ اسلئے اور مسلمانوں سے حد اوت رکھتے  
ہو۔ تم کس طرح مسلمان ہوئے؟“

صبل نے عرض کیا:

”یہ سچ ہے مگر مجھے صبل کے اخلاق اور انہار نے اسلام کی طرف راغب کیا۔“

پھر انہوں نے اپنا تمام مال امیر المؤمنین سے کہہ دیا۔ سب مال سنسنے کے بعد کہا:

”اب میں کہہ سکتا ہوں کہ تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ دیکھو قرآن مجید کہ مسلمان ہو گیا۔“

امیر المؤمنین نے فرمایا:

”حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی تھے۔ شفیق تھے۔ سب کے ساتھ خلق و درون سے

پیش کرتے تھے۔ خدا کے بندوں پر شفقت کرتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی غنی اور شفیق ہونا چاہیے۔ میں تمہیں  
بہر کیا دیتا ہوں کہ تم نے اسلام اختیار کر لیا۔“

ابھی اسی قدر گفتگو ہوا تھا کہ بہت سے لوگ آئے ہوتے نظر آئے۔ ان میں سے کئی ایک نے کہا:

”اب ان کے گورنر کا قصد آ رہا ہے۔“

سب کا قصد کے آئے کا انتظار کرنے لگے۔



## دربار خلافت

(۱۹)

مسجد نبوی میں مسلمانوں کا تعداد کافی ہو چکی تھی لیکن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے حسب و حال کا یہ عالم تھا کہ سب نہ ہوتے تھے۔ مسجد میں سناٹا چھوڑا ہوا تھا۔ عرب لوگوں کے سانس لینے کی حدیم حدیم آوازیں آ رہی تھیں۔

قدوری ہی دیر میں ایسا امان آئے۔ اگرچہ انھوں نے مسجد میں داخل ہو کر انوکھ کر دیا تھا اور دورِ اہانت نماز ہی پڑھ لی تھی مگر اب بھی اس کے پاس پرگڑ پڑی ہوئی تھی اور ان کی شان کہ ابھی غلی کہ وہ دور سے ستر کیجے تھے۔

ان اعرابی نے کہتے ہی اسلام بیگم رزا اللہ پر کمانہ لگا۔

جواب میں حضرت قریش نے: "دیگر اسہ کر رہا تھا۔ دیکھا تھا کہ۔" جب نے ان کی گود میں آواز مانی۔

اب اعرابی بڑھ کر حضرت قریش کے پاس جا بیٹھے۔ امیر المومنین نے ان سے پوچھا:

"کیا صلہ ہے تمہارے پیچھے اس بن عم؟"

اعرابی نے جواب دیا:

"خدا کا فضل ہے۔ خیر و رکت ہے اس وقت کہ امیر المومنینؓ۔"

امیر المومنین نے پوچھا:

"تم نے مسلمانوں کو کس حال میں چھوڑا۔"

اعرابی: "خدا کی جہنم کرتے۔ خدا سے ڈرتے۔ خدا اور خدا کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتے۔"

امیر المومنینؓ نے فرمایا:

"خدا کا شکر ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے خدا کی جہنم کرتے رہیں گے اس سے ڈرتے رہیں گے۔ اس وقت تک ان پر حملہ نہیں، اہل بوقت۔" میں گی اور جب ایک جہاد سے نال ہو کر ختم کے قادیانوں میں سے خرم ہو جائیں گے۔ نہ انہیں ایمان کس حال میں ہیں؟

خدا کی جہنم کرتے گھر گئے۔ تاہم کے مشورہ میں انھیں یہ بتایا کہ ان کے گھر گئے۔ وہ اخیر ہو گئے۔ تاہم یہ بتایا کہ ان کی جگہ گھر گھر گئے۔

اعرابی نے کہا:

"امیر المومنینؓ! یہ خلیفہ مومنین ہیں۔ خدا سے ہمت ڈرتے ہیں۔ اس کی جہنم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا شرافت۔" میں چلا۔ چاروں کی عبادت کو ہاتھ میں لکھو دھا کہتے ہیں اور بھیجیں گے دیتے ہیں۔ چاروں نے سب سنا۔ میں تھا اور سب سب سنا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گیا۔ امیر المومنینؓ سب سنا لیا۔ عبادت کیا کریں۔ جو امیر یہ نہیں کرتے تھے۔ اس معنی کہ جیتے تھے عبادت کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کی عبادت کیا کرتے تھے۔ عبادت سے خواب نہ آئے۔

امیر المومنینؓ نے پوچھا:

"کیا یہ سنا کر آئے کہ تم ہو؟"

اعرابی: "ایرانی جنگی تیار ہیں۔ زور سے اور عظیم جانے پر گھر رہتے ہیں۔ کئی مملکتوں کی عبادت پر خوں نے مارا۔" اس کے بعد اعرابی کا کہنا ہے کہ امیر المومنینؓ نے کہا:

امیر المومنینؓ نے کہا:

"کاش عرب اور ان میں کھڑی ہو کر آگ کا پتھر پھینک دے۔ وہ آگ لگنے نہ پھیر جائے۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ایرانیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے پاس دولت کی فراہم ہے۔ وہ اس کو برداشت نہیں کرتے کہ وہ جن عربوں کو حیرت کھینچے اور جو ان کے حکوم تھے اب ان پر حکومت کریں۔"

امیر المومنینؓ نے فرمایا:

"وہ جو ہیں۔ آتش پرست ہیں۔ خدا کو نہیں مانتے۔ وہ نہیں جانتے کہ حکومت خدا کے ہاتھ میں ہے جس سے جب چاہے لے اور جسے چاہے دے۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

اس بات کو تو دی تو تم کچھ کہہ سکتے ہو خدا کو یا حق جو خدا کے کائنات میں وہ اس بات کو کیا سمجھیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

یہ بات کچھ میں نہیں آتی کہ جو ایرانی عاتق اسلامی سلطنت میں داخل ہو گیا ہے اس میں بغاوت کی بڑی ہوتی ہیں کہیں دوسرے کے ساتھ سختی تو نہیں کی جاتی۔

ہاں، جی نہیں۔ دوسروں کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی جاتی۔ انہیں پرہیزگاری آزاد ہے۔ وہ اپنے توی بیٹے کو جو حال ہو سکتے ہیں آزاد کے ساتھ منانے ہیں۔ اپنے عقیدہ اسی شان سے ملتے ہیں۔ جو اس نکتے پر ہیں۔ جیسے کہ تھے ہیں۔ ان سے سوال ہے جو یہ کہے یا ان کے اور کچھ نہیں بولنا۔

دیور کو اس نے جو کسی متاع کے فتح ہو جانے پر عجب ادا کرتے تھے۔ عاکلہ پر ان سے چار ہزار فی کس سال دے دیے جاتے تھے۔ یہ جو یہ ان کی حفاظت کے واسطے میں بولنا تھا اور اس ملک میں انہیں بڑی رعایتیں تھیں۔ ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ان پر کوئی قید نہیں ہوتا تھا۔ ان کے قاتل کو قصاص کی نفاذ کی جاتی تھی۔

مال گنت دی پیداوار پر دسواں حصہ لیا جاتی تھی۔ مسوز کے برابر انہیں رعایت حاصل تھیں کوئی سال کسی آدمی کو سزا نہ آتوڑنا۔ تو میں آج کل اس کا بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

پھر یہ کہ میں کہیں ہوتی تھیں!

سہ ماہی میں ہوتے تھے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ بغاوت میں اس لیے ہوتی ہیں کہ یہ جو جو سختی ایرانی (ایرانی بادشاہ ہوں کو کہانی کہنے کے) کا وارث ہے۔ ایران میں موجود ہے۔ کچھ تو یہ جو جو دغا داتا ہے۔ کچھ ایرانیوں کو یہ گراں گزرتا ہے کہ ان کا بادشاہ وہ ہے۔ ہمارا حیرت ہے اعلیٰ ہے بار بار ایرانی تدارک دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

خدا کی قسم! جو ان لوگوں نے پچھا۔ جب تک یہ جو جو ایران کے دوسروں میں موجود ہے۔ گناہ دارانہ بغاوتیں ہوتی رہیں گی۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

ایہ لوگوں کے ذہنوں پر بڑا بوجہ ہے۔ یہ بات تو میں قیاساً کہہ رہا ہوں کہ منہ کا مخرج

یہ جو ہے جب تک وہ زندہ رہے گا اور ایرانی حدود میں رہے گا۔ بغاوتوں اور دغا کا سلسلہ جاری رہے گا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

ایران جی سلام ہوتا ہے۔ فتووں کا باعث یہ جو ہے لیکن وہ کسی ایک متاع پر نہیں رہتا۔ کبھی وہ میں سے کچھ کچھ تم میں کبھی آواز بابتجانی میں ہے تو کبھی طرستان میں۔ وہ دور بیٹھا ہوا چاند کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس کی حسرت میں اسے قابو لینے کی کاپ حسرت ہو سکتی ہے!

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

اس معاملہ میں امیر المومنینؑ کی رائے مناسب اور مفید ہوتی ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

انہیں سکون نہ رہا ہے۔ ہر شخص آزادانہ اپنی رائے میں کہے۔

حضرت عثمانؓ نے فرماتے دی:

میرے خیال میں تو یہ ہیں میں سے کسی کو یہ جو جو دی گزشتہ یا مستقبل پر مامور کر دیا جائے۔ یہ بات

سے سب کچھ کرادیتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

اؤں تو کوئی ایرانی اس کے لیے کار نہ ہو گا۔ اور اگر کوئی ایسا نکل بھی آئے تو اس سے بے یہ بات بڑی سبکی کی ہو گی۔ جنگ کی حالت میں تو وہ کلام ہے لیکن اس کا رکت اس کا اور مسلمانوں کی شان کے داخل نہ ہوں اور خط ہے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

میں نے اسی لیے کہا کہ امیر المومنینؑ کا مشورہ مناسب ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایرانی ہم آپ کی رائے سے جو رہا ہے۔ آپ کی فکر دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی رائے بہتر ہو سکتی ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

میں چند وقت سے اسی معاملہ پر غور کر رہا ہوں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ یہ جو جو دی وجہ سے یہ سبقتے امور ہے ہیں۔ جب تک وہ ایران میں رہے وہاں امن وامانی نہ ہو گا۔

چنانچہ کہ یہ فرمایا:

میری رائے یہ ہے کہ ایران پر عام لشکر کشی کی جائے۔ ہر طرف سے یہ جو جو پر دباؤ ڈالا جائے۔

ابن حوشب نے کہا:

”نہایت معقولہ رائے ہے۔ لیکن ہر ماسب ہے۔  
 سب نے حضرت عمرؓ کو رائے کی تائید کی۔ امیر المومنین نے کہا:  
 ”اچھا۔ میں خود کروں کہ کس طرح مشکل کشی کی جائے۔“  
 دربار خلافت برفاقت ہو گیا۔ سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔



## گھوڑوں کے پُر

(۲۰)

سعدؓ اور یارب میں بڑی محبت ہو گئی تھی۔ ایسی جیسے ایک جان دو قلب ہوں۔ یارب سعدؓ بھی ماکہ پر  
 رسولہ نبیؐ کی بیٹی تھی۔ وہ کچھ ایسی بہتر ذیبت تھی کہ ہر لباس اس پر بہت ہی جلد معلوم ہوتا تھا۔ ایک  
 کبھی کسی بہ دور تھی لباس میں لٹی اور وہ اور مٹی اور مٹی جس میں پانی کے ستارے لگے تھے تو اس  
 کی صورت اور میں جگہ لگنے لگتی۔

ایک روز ان دونوں نے مٹی کیا کر پڑ سے بے لگتی کر کے چوٹیاں پانچ میں۔ سپاہ رستم جیسے ہاتھوں  
 میں سفید عریاف لگائیں اور دونوں نے دودھ چوٹیاں اپنے گداز میں پھینک دیں۔ چوٹیاں نہ بہاؤ نہ لگتی  
 تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دودھ ڈھالے سائب رنگ سے ہیں۔

دونوں حسین تھیں اور میں حسین نظر کرنے لگیں اور یہ سناؤ نے ایک اور اور مٹی اور مٹی میں میں  
 ستارے اور مورچ پانچ لگے لگے جیسے تھے تو ان کی جگہ سے اسی کے چہرے میں جیوں کی جگہ لگتی۔

یہاں نے کہا:

”سعدؓ۔ چشم بدور تم تو ملک بدین گئی ہو۔“

سعدؓ نے سکڑا کر کہا:

”اور تم کہاں گئی ہو؟“

یہاں نے کہا: میں کیا جان!



سداقہ تم پر ہی بن گئی ہو۔

باب: کہیں میں تمہارا کردار ہے جائز۔

وہ پہنے گی بسف کے کما۔

تم پر ہی چڑھو بڑی جہال ہو۔ البتہ پر نہیں ہیں اسی لیے انہیں سکتیں۔ غصے پر بھی شاید گھوڑیں  
کے پر ہوں کی حرکت ثابت ہو گئے ہیں۔

باب: تمہیں معلوم ہے گھوڑوں کے پر تھے۔

سداقہ: ان میں نے سنا تھا۔

باب: تم نے اس بات کو حسرت کا شعلہ دیکھ کر دیکھا ہے؟

سداقہ: دیکھا ہے۔ بڑی غور جہال میں۔

باب: خوش حال تو وہ ہیں لیکن ان کے اندر لاشوں کی ایک بات مستحکم ہے۔

سداقہ: وہ کیا؟

باب: جب وہ چھوٹی تھیں تو گڑبڑوں سے کھینا کرتی تھیں۔ ایکس ویکل رچی تھیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں تشریف لے کر گئے۔ ان میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے اوٹھیں بائیں دو پر تھے۔

حضرت علیؓ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑا، شاکر حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔

یہ کیسے؟

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔

گھوڑا ہے۔

انہوں میں سے ایک نے علم نہ پڑھا۔

تم گھوڑا دیکھ کر تو پر نہیں ہوتے؟

حضرت عائشہؓ نے پرستہ کی۔

حضرت عائشہؓ کے گھوڑے کے تو پر تھے۔

حضرت علیؓ علیہ وآلہ وسلم ان کے حاضر جواب پر سکھائے۔

سداقہ: اچھا اب چلو۔

باب: قلعی دست چلو۔

سداقہ: حیران ہو کر رہی، اچھا نہ نہیں؟

باب: اسی لیے کہ خدا رحمت دہال سے کھڑے کر دے گا۔ اگر کسی مرد نے دیکھ یا تو دوڑ نہ ہو سکتا۔

اور عورت نے دیکھ لیا تو۔۔۔

سداقہ نے ہنسی کر کہا۔

تو رانی بولنے لگی۔

باب: ان۔

سداقہ: مگر تم تو بولتی نہیں ہو تم۔

باب: مجھے یہ اطمینان ہے کہ تم میرے پاس ہو۔ میری ہر اگر یہ بات نہ ہوتی تو نہ معلوم میرا کیا حال ہوتا۔

سداقہ: اچھا چلو۔ ذرا بازار تک چلا آئیں۔

باب: میں کتنی ہوں۔ ان حضرات انہوں کے ساتھ کہیں نہ چلو۔ یہ شکر کی بات ہے کہ اسوی دوسرے پر وہ رائج

ہو گیا ہے اور شاعروں کے منہ پر لگا اٹھا دی گئی ہے۔ اگر جاہلیت کا زمانہ ہوتا تو تم اس طرح میں منور

کر لگتیں تو نہ معلوم کتنے شاعر بنے موت ہی مارے جاتے اور کتنے ہی شاعری مع میں تصنیف سے

گھوڑا لے مارے ملک میں بدنام ہو جاتیں۔

سداقہ: کیا ایام جاہلیت میں عورتیں تھیں؟ یا عورتوں میں جس جہال نہ تھا؟

باب: عورتیں بھی تھیں اور ان میں حسن و جمال بھی تھا۔ یہ تو میں کہتی ہوں کہ اس وقت کسی عورت کا سینہ ہڈی

اس کی بنائی کا باعث بن جاتا تھا۔ چونکہ عورتیں بے حجاب اور بے نقاب چھڑتی تھیں اس لیے لوہا

انہیں چھڑتے تھے۔ ان پر کاواڑے کتنے تھے اور شاعر۔ عدا کی بناء۔ وہ تو تعریف کے بل باندھ

دیتے تھے یا ایسی، جو کہتے تھے کہ میں سے حسین عورت بھی اپنے آپ کو بد عورت اور کبریاں نظر چکر

باہر نکلنے شروع ہو گئی تھی۔

حسنت: جسے کہ زمانہ بڑا تھا۔ بڑی بڑی درخت تھے حتیٰ خود تو لکڑی، عورتیں پر اسکا کلابا میں اپنے کہ

اس نے عورتوں کا ایک دھبہ مقرر کر دیا اور وہ درخت لکڑی جو کاج لکڑی تھے ان کی ملک میں عورتوں کو

ڈوبایا تھا۔

سداقہ: تمہیں معلوم نہیں ہے باب: خود میرے ساتھ پرستہ عورتوں نے بت بڑا جوں کہا تھا۔ چھری ہستی

میں اسکا پیچھے لگا تھا۔ مجھے یاد ہوئی اسکا کاس سے چڑھتی۔ سداقہ نے خائفہ شہر قضا ہو کر گئے

مسلمان ہو جاتے تھے ہم انہیں نہایت حقیر سمجھتے تھے مگر میری تو ان کے والے تھے ہی سہی۔ جب میں بہر

تلقی تو اوپر اس میں جمع ہو جاتے طرح طرح کے کاواڑے کتنے اور چھڑتے۔ مگر کب سب جانتے تھے کہ میں

ایک امیر کیراؤ کی بیٹی ہیں۔ میرے باپ جلال قسم کے ہیں۔ ہزار قبیلہ بڑا اور قابو یافتہ ہے مگر میرے والدہ اپنی کوتاہی سے باز نہ آتے تھے۔ میرے کئی مرتبہ بڑے ان لوگوں کی شکایتیں کیں۔ انھوں نے مجھ سے ثابت کچھ کر پوں کر دیں گے۔ دریں کر دیں گے مگر کیا کچھ ہو نہیں۔

باب: دراصل وہ کبھی کبھار کئے تھے۔

سنا: بات یہی تھی۔ ایک دوا دوا پیش ہونے تو انہیں ٹھیک کر دینے۔ وہاں تو مار مار کر مسمومی اور شتمی۔

باب: مسلمانوں کو تم نے کیا پایا؟

سنا: ہم کہہ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ بد سے کہ ایک کئی بیٹوں میں سے جو کہ آئے۔ جب بیتوں میں ہونے لگیں تھیں کسی بیٹی میں کسی ایک شخص نے جو کوئی، معقول حرکت نہیں کی۔ مجھے سمجھنا تو ان کو دیکھ کر تعجب ہوا کہ اسم نے انہیں کس قدر بدل دیا ہے۔ واقعہ وہ آخر صرتوں اور وڑکیوں کو رکھ کر بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

باب: نے مسکرا کر کہا:

”مگر تم جیسی بڑی جمل تو مسلمانوں کے زبردستی کو بھی متزلزل کر دیتی ہے۔“

سنا: مسلمان متزلزل نہیں ہو سکتا۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ شیطان مسلمان سے ڈرتا ہے۔ وہ خدا کا تو شیطان ہی ہے اور مسلمان کے پاس شیطان کے لیے لامل کا تار باز ہے۔ شیطان مسلمان کے پاس پیشکشی نہیں سکتا اس لیے اس کے زبردستی میں فتنہ نہیں آ سکتا۔

باب: بات تو تم نے بتا دی۔

سنا: اچھا تو چلو۔

باب: بھائی جان کہ آجکلے دور۔

سنا: پھر وہ بچ ہو جائے گا۔

باب: کچھ خیر نہ ہے نہیں؟

سنا: ان۔

باب: کیا؟

سنا: بد سے کہ بات نہیں۔

باب: خوب۔ پھر تو یہی جان کے ساتھ ہی جا۔

سنا: انہیں کے لیے تو خیر نہ ہے۔

باب: کیا خیر نہ ہے؟

سنا: کچھ ہے۔

باب: تم کتنا افسوس؟

سنا: نہیں۔ انوکھے تھے ایران پہنچے میں دھڑکے گا وہ اپنے اور میرے لیے پڑا خطرہ ہے جس میں ناسے اور افسوس کے لیے خیر نہ جاتا تھا۔

باب: شکریہ۔ میرا ان کیوں مٹی ہو۔ اپنے اٹکے کے لیے کہو۔

سنا: نہیں۔ دونوں ہی کے لیے۔

باب: نے جی کر کہا:

”مگر وہ ایسی باتیں سے رام ہونے والے نہیں۔“

سنا: تم نے جینگ سے کہا:

”میں جانتا ہوں۔“

باب: نے دیکھا کہ سنا کچھ افسوس خاطر ہو گئی۔ اس نے کہا:

”کیا جانتی ہو تم؟“

سنا: میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے بھائی مسلمان ہیں اور مسلمان نام نہیں جانتا۔

باب: تم نکلو کہ وہ میرا کشتی کر دیں گی۔

سنا: تم۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑو۔ اور چلو۔

باب: میں چلنے کو تیار ہوں لیکن تم کہا نصیحت سے واقف نہیں ہو۔ وہ اس قدر خیر اور خیر داری کرنا کہ ان کا چہرہ

کبڑا ہرگز بدل نہ کر دیں گے۔

سنا: مجھے بھی یہ غصہ ہے لیکن شاید مدت و خوشی سے لے لوں۔

باب: ہرگز نہ میں لے۔ وہ آگئے۔ انہیں ساتھ لے چلو۔

سنا: لیکن وہ کچھ خوشی منور ہوئے تھے۔ باب نے ان کے پاس جا کر پوچھا:

”کاکا کیا یہ جو خوشی منور ہے جو؟“

سنا: بچا بہادر زندہ گئے ہیں۔ ان سے مل کر آ رہی ہیں۔

باب: کیا زہرہ بھی آئی ہے؟

سنا: ہاں۔ وہ بھی آگئی ہے۔

بابر: کھارا، ہے بیوہ؟

سہیل: امی! نہ جی۔ نہ جی میں گئے ہیں۔ میں ان سے مل کر تم سے پہچنے یا جی کیا انہیں یہاں سے آئے؟

بابر: میں نے پچھے کی بات ہے۔ لے آؤ۔

سہیل: امی! اس شخص کو درخیزہ کے کتے نے خبریں کچھ خوش نہیں ہوں، لیکن کچھ کر رہی ہوں۔

سہیل نے کہا:

”اچھا، میں انہیں اپنے والدین کو لے آؤں۔“

وہ چلے گئے۔ سہیل کا بازار جانا منقطع ہو گیا۔



## منادی



سہیل چلے گئے۔ بابر بہت خوش نظر کرنے لگی تھی لیکن سہیل انہوں نے غافل ہو گئے۔ بابر نے اس کی طرف دیکھا  
اس نے کہا:

”سہیل: تم بازار جانے کی وجہ سے انہوں نے گھٹیں؟“

سہیل: نہیں۔

بابر: ادھاب گھجی۔ اس لیے غافل ہو گئیں کہ بھائی جانتے نہ دیکھ کر لائے کہ تم سے اجازت نہیں لی۔ پچھ لے۔  
سہیل: یہ بات بھی نہیں۔

بابر: فیصلہ کیا بات ہے؟

سہیل: بات کچھ نہیں ہے۔ میں خود غراں ہوں کہ میرا دل انہوں کیوں ہو گیا۔

بابر: آؤ۔ جب تک وقفہ کاٹے، بازار کی پوائنٹ۔

سہیل: اب ہی نہیں چاہتا بازار جانے کو۔

بابر: تو چلو۔ سامان جو بکھرا ہوا ہے اس قدر سے لگاو۔

سہیل: چلو۔

دو روز خیر کے اندر گئیں۔ سہیل ترین سے لگوا اور بیوہ گئیں۔ سہیل نے کہا:

”توین رفیقہ کے آنے کی بڑی خوشی ہوئی؟“

بابر: ہاں۔ وہ میرے رشتہ کے چچا کی لڑکی ہے۔ بڑی ست کے بعد کو سطر میں تمام سے سامنے لاکت ہوئی۔

”تم چند روز کی ملاقات سے جیت نہیں بھری تھی اب آ رہی ہے۔ ہمیری گونڈیں مجھے اور چچا زاد  
 میں بھی۔ اس سے بڑے کوئی چاہتا تھا۔ غلام نے بھگوا۔  
 سداق: کیس میں کتنے سے بچے توڑ بیوی جاؤ گی۔  
 باب: کیا کہہ رہی ہو تم۔ کیس ایسا ہو سکتا ہے۔  
 سداق: وہ قدر کی گزشتاں مجھے اور چچا زاد میں بھی اور میں —  
 باب نے نہیں کر کہا:  
 ”تم بھولے والی بھائی ہو۔“  
 سداق: ایک بات سناؤ گی باب؟  
 باب: ایک نہیں دو پوچھو۔  
 سداق: رفیدہ کس قدر حسین ہے؟  
 باب: کافی حد تک ہے۔ چار سقید کی لڑکیاں ماک طور پر بڑی خوبصورت ہوتی ہیں۔  
 سداق: تم جانتی ہو۔  
 باب: جی ہاں تو جیسی بول خدا سے سانسے ہوں۔  
 سداق: تم اس قدر خوبصورت ہو کہ جی چاہتا ہے ہنسی صورت دیکھے جانوں۔  
 باب: اور تم؟ تم ایسی امرو ہو کہ جی چاہتا ہے کھول میں چپا لوں۔  
 سداق: رفیدہ اگر کہہ دے اسے کھول میں چپاؤں۔  
 باب: سچ ہے سداق۔ تم اس سے بہت زیادہ حسین ہو۔ خوبصورت بھی اور نازنین بھی۔ آنکھوں میں نہیں  
 کو چپانے کو جی چاہتا ہے۔  
 سداق: لاچر دیکھنے لگا۔ اسی نے کہا:  
 ”تم بہت اچھی ہو باب۔“  
 باب: اچھا میں نے تعریف کی تو تم بھی تعریف کرنے لگی۔  
 سداق: میں نے سنا لیا ہے۔  
 باب: اور میں نے؟  
 سداق: اسے تمہارا دل جانتا ہوگا۔  
 باب: تمہارا دل کیا کہتا ہے؟

سداق: میں تو نہیں سچا کہتی ہوں۔  
 باب: میں نے سچ ہی کہا ہے سداق۔  
 یہ دونوں کچھ ایسی مشغول ہوئیں کہ وقت گزرتا ہوا نہ معلوم ہوا۔ دوپہر ہو گئی۔ راضیہ خیمہ سے باہر گئیں  
 اور مرنے کے پریشانی کا آواز بن گئیں۔  
 باب نے کہا:  
 ”خدا یہ چاہا جان لا رہا ہے آگے۔“  
 سداق: میرا بھی ایسا ہی فعل ہے۔  
 باب: آؤ دیکھیں تو۔ استقبال میں ہوتا ہے گناہ کا۔  
 سداق: چلو۔  
 دونوں خیموں میں۔ اچھی وہ دونوں خیموں کے دوران سے لگے نہ کہی تھیں کہ میری اور رفیدہ اندر داخل  
 ہوئے۔ رفیدہ نے اسی طرح پرستار کرتے ہوئے کہا:  
 ”اسلام ختم و رحمت خدا پر کرتا۔“  
 ان دونوں نے ساتھ ہی جواب دیا:  
 ”خدا حکم اسکا اور رحمت خدا پر کرتا۔“  
 باب: بڑھ کر رفیدہ سے بھگڑ کر بھاڑ۔ رفیدہ نے مسکرا کر کہا:  
 ”بڑھ کر کہہ کر تم مجھ سے میرا کہہ سداق سے واپس آگئی تو کوئی دلایا نہیں ہوا جب میں نے تمہیں یاد  
 نہیں کیا۔“  
 باب: دل کھل سدا ہے۔ میں بھی تمہیں برابر یاد کر رہی ہوں۔  
 سداق: اب کاکڑی کھڑی باتیں کر دو گی۔ ادھر آؤ۔  
 دونوں خیموں میں۔ رفیدہ کے ہاتھ میں باب نے ہاتھ ڈال دیا۔ سداق ان کے پیچھے چلی۔ تینوں مندر پر جا کر  
 بیٹھ گئیں۔ سداق نے کہا:  
 ”تم شاید آج ہی سفر سے واپس آئی ہو؟“  
 رفیدہ: ہاں۔ آج ہی کیا۔ ابھی ٹھوڑی دیر ہوئی آئی ہوں۔  
 سداق: تمہارے شاید ابھی وہ بھی نہیں کیا؟  
 رفیدہ: نہیں۔



سلسلہ: خند سے چہ ہرگز کی ایک جگہ ہے اور مرگاہ میں ریت کے زونوں کی افشاں بھی چھٹی ہوئی ہے۔  
اس ماحول میں تہ اور بھولہ سے قریب معلوم ہو رہی ہو۔

رفیقہ: بات یہ ہے کہ مجھے اب تک نہ اتنا دھوئے کا حلق ہی نہیں ملا۔ اگر میری پریشان صورت بھی نہیں معلوم ہو رہی تو تعجب ہی کیا ہے۔

سلسلہ: یہ بات نہیں بلکہ میری حیرت بیان کر رہی ہوں۔

بابا: رفیقہ! بات یہ ہے۔ ابھی صحت تو برعکس ہیں! ابھی ہی معلوم ہوتا ہے حیرت میں اس حالت میں بھی ابھی گہری ہو۔

رفیقہ: میری بات ہے۔

بابا: تو پہلے ضل کر لو۔

چنانچہ رفیقہ کو بھی کہ بہشت پر پہنچا دیا گیا۔ اس نے المیائی سے ضل کیا۔ کپڑے بدلے اور صبر کر کے بال خشک ہو گئے تو کھینک کر کچے چٹیاں ہانڈ میں۔ پھر وہ دیر کے نہ آئی۔

بابا نے کہا:

”آؤ کھانے سے بھی فراغت کر لو۔“

رفیقہ: شکریہ۔ نہانے سے بہت زیادہ بھوک سمجھنے لگی تھی۔

خند نے کہا: کیا یاد اور پھر آرام کرنے گئیں۔ عبدالرحمن بھی اپنے ہمراہ ایک چھارہ لے گئے تھے۔ وہ اظہار نے غر سے ذرا فاصلے پر نصب کیا۔

عقب نے غر سے دور سدا لو با با کو سے دیا تھا۔ خود مسل کے ساتھ کھیل کے ساتھ جان جمع تھے تھے۔ تاخذ کے اور لوگ بھی کھیل تان لیتے تھے۔ اس تاخذ والوں میں سے کسی کے پاس کوئی اور غیر نہ تھا۔

اس وقت تو عبدالرحمن نے بھی آرام کیا۔ چونکہ وہ کھلے جگہ تھے۔ کھانا میل تو رعب کے چلو کھانا تھا۔ اس لیے اچھی جگہ لڑی میں جا کر آرام کرنے لگے۔

پڑھ کر ابھی لکھے۔

بابا عبدالرحمن: میں اور رعب کے پاس بیٹھ گئے۔ انھوں نے سبیل سے کہا:

”مگر منظر میں تم سے مل کر ادب معلوم کر کے کہ تم جلا کے لیے جا رہے ہو۔ میری طبیعت میں جو خشک جادو پھیل چلا۔ میں اب بھی گلا اور لوگوں سے صواب کتاب کے فلسفان خدا کے جڑ سے پرچوڑ کر چلا آیا۔ خدا کا ایسے کہ خدا سے ساتھ کا ذہن پر جاتا جاتا ہوں۔ خدا کا شکبہ کہ تم مدینہ ہی میں مل گئے۔“

سبیل: مجھے آپ کے لئے بڑی آنے کی امید نہیں تھی۔ ایران سے نہ صلا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے وہ تمام باتیں سنیں جو خند نے کہیں یا بھی غور کی میں ہر حق قصص۔ انھیں (اصل سے)۔

”امیر المومنین ایک دو بجے روز میں اعلان کرنے والے ہیں کہ ایران پر شکر لکھی کس طرح کی جانے گی۔“

خند فرزند کیا کچھ اور لوگ بھی جلو پر جانے کے لیے آئے ہوتے ہیں!

سبیل: جی ہاں۔ کئی خانے آئے ہیں۔ ایمان تاخذ والوں کے متعلق بھی امیر المومنین نے کلمہ حکم نہیں دیا۔

عبدالرحمن: مجاہدین کے آؤ درجہ دیکھ رہے ہیں!

سبیل: جی نہیں! ابھی مجاہدوں کے آؤ جڑ نہیں ہوئے۔

امیر المومنین حضرت عمر کا وقت نے سپاہیوں کے آؤ جڑ جڑ کر لے کا قلعہ جاری کر دیا تھا۔ عبدالرحمن نے کہا:

”خدا کا شکبہ کہ میں وقت پر آ گیا۔“

اسی وقت اصفہان نے نہ کی کی آواز سنی:

”انصاف۔ جامع۔“ یعنی غار کے لیے مسجد میں آؤ۔

اس زمانے میں عادی کا بھی طریقہ تھا۔ یہ سب لوگ مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔



کچھ دیر بعد ملکی اذان ہو گئی۔ اذان سننے ہی کا تاخذ مسیحہ ترک کی طرف چل دیا۔ عقب: میں لو عبدالرحمن بھی چلے۔ سب نے ترک کیا۔ سبیں داکیں۔ پھر صحت کے ساتھ صرف نہ راکی۔ فرمودہ کے بعد باقی سبیں اور نفل

فاروقی ارشد

२५

جب سیل اور ان کے قائد کے وگ مسجد بنی میں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد مسلمانوں سے بھر گئی تھی جس شخص کو جیلنگ مل گئی تھی امید گئی تھی کہ غاموشی سے ایک تو مسلمان مسجد کا احترام کرتے تو دوسرے ضریف بن کر اسی سے ڈرتے تھے اس لیے مسجد خالی تھی۔

اس زمانہ میں مسجد دارالعلوم کاکام بھی دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم کا مرکز بن گیا۔ اس کے سوا کسی اور مدرسہ کی تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں پر علم و ادب کی تمام تر ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس مدرسہ میں فقہ حنفی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس مدرسہ میں فقہ حنفی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس مدرسہ میں فقہ حنفی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

مسکاتا تو اس کا اگلا سانس سہرا چمکی اور دلوں سے لاپرواہی اس قدر نفی کر لیا کہ غنیمت میں ہی دیر نہ رہا اور سوار ہو گیا۔ چاندی، میرے جواہرات سب ہی گنو گنو تھے مسجد کے سن میں کارڈ جبر کر دیے ملتے تھے۔ انہیں کھولنے سے ڈر نہ رہا تھا تاہم اور صرف ایک بار دیکھی اس کا نگہداشت کرتے تھے۔ کیا حال کر کوئی چہرہ اٹھا تو دیکھنے والے کھول کر دیکھ رہے تھے۔

مہد کے اندر اکبر تو مہم تھے۔ ان ہا لمیر المومنی حضرت عرفہ دہلی تھے جنہو غلام محمد تھے حضرت علی تھے حضرت بہ الرحمن تھے مہد اندر رہتے۔ ایوب کمال تھے۔

یہ سب لوگ دفعۃً جمہوریت میں، دہرائی میں اور حیدرآباد میں تھے۔ یہ لوگ داخلہ ہی تھے اور سطح بھی۔ مگر یہ تھے اور اچھے مکانوں میں منتقل ہو گئے اور سب ہی بھی۔ زیادہ بھی تھے اور سب سالار بھی۔

ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ عمارت اسی کہتے کہ مہر جگے جلتے۔ یہ خیال ہونا کہ صرف مہر میں اوستا پور خشک ہی جب وصل کہتے تو علوم ہوتا صرف اور فقر کہ علم ہیں۔ جب کسی شریک متاخذ سپرد کہندہاں تر نہایت اچھے محفوظات ہوتے اور وہ کسی ضلع یا صوبہ کا انتظام سپرد کردہ بلحاظ تر نہایت اچھا انتظام کہتے۔ جب میدان جنگ میں لڑ رہے ہوتے تو لشکر کو سامنے اور وہ کسی لشکر کے سپہ سالار ہوتے تو لشکر کو ترانسہ میدان جنگ کی فراہمی اور فلوں پر برسرین ایسے انداز سے کرتے جس سے علوم ہوتا کہ سپہ سالار پر لگان جو بڑی ہر مسئلہ ایک وقت عالم میں ہوا اور مستحکم۔ ہمارے بھی تھا اور یہ سپہ سالار ہیں۔

لوگ یہ جاب بھی لے کر حضرت عمرؓ کو مہر پر فخر کیا۔ آپ نے فرمایا:  
یا ایھا الناس! یعنی اے لوگو!

سب ان کا لطف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے کہا:

الحمد لله  
یعنی: سب تعریف اسی اللہ کو موزوں رہے جو رب العالمین ہے۔

وہ اپنے خندوں پر ڈھانسا ہے۔ جب اس کے منہ سے اس سے اپنی جگہ سے اس نے  
 اٹھا کر کے اپنے چہرے پر لگے۔ ہزاروں سال کے تہہ پہلے اور خدا کے ہونے سے  
 خندوں کو گنہگاروں کی طرح سے نکال کر خدا کی درستی میں رہے۔

انسان میں بڑی عجیب بات واقع ہوا ہے کہ ہر اس چیز کو پہنے گھڈے جس سے اسے خوشی یا غم ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس بات کو ہمیں سوجھنا کہ جس چیز کو ہمیں بھلا یا برا لگے وہ جو ہونے کے قابل ہے بھی نہیں۔

سستاروں کو چاند کے سورج اور خورشید کے درازوں کو آگ کے جھمکوں کے درازوں کو پہنچا دے اور پھر ان کو دھاتوں کو ادا کر کے پورے کر دے۔

ہاں! رنگ بھی تن کر رہتے تھے، عجیب رنگ کے نہ تھے، اب جو جہان توں کا خیال کرتے ہیں تو اپنی مانند پر انھوں کے بغیر نہیں ہے۔

بعض زمیں بعضوں کو حدالوشیاقائی ہیں۔ غرض ایسا زمانہ آئے گا کہ جب خدا کو سب بھول گئے اور  
اس کی برکتیں گم ہو گئے۔

یہ کہتے ہیں کہ عزیز علی کو ایک بوند حسن نے حضرت مولانا عبدالحکیم کوئی ساکس بنا کر اپنے  
نے اعلان کیا کہ خداداد نہیں جیتو تم مجھے جو دے دو وہ غیبِ اعلیٰ ہے۔

کونٹا نکالے دیجئے کہ تب فیض ملے گا۔ وہ برحق و حقیقی ہے ہر انسان کے اخلاق

اسلام کو دیکھتا ہے۔ وہی جہاد اور مان ہے۔ وہی عزت اور ذلت دیتا ہے۔ وہی پرستش کے لائق ہے۔ اسی کو روج۔

حسن طرح مر لیں تو ہی دہرے پر لکے کی طرح نہ کہ کے مر لیں تو حید سے بد گئے ہیں۔ انوں نے طبع نادانی کو رکھ رکھاؤ میں دیکھو کہ رنگا رنگ بزرگ عیال میں مشغول رہے۔ آخر عمر کے برسوں رشتہ ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تمام اھلیہ عرب میں عزت خدا کے واحد پرست کی ہے۔

ہمارے بڑی مہکوں نے جب دیکھا کہ ہم ہند پرست ہو گئے ہیں۔ انسان ہو گئے ہیں تو وہ ہم سے جدا کرنے لگے۔ انوں نے ہمیں ملنے کے کوششیں کیں۔ ہمیں پڑائیوں میں اچھا دیا۔ عیسائی خدا نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روم و ایران کی سلطنتوں و خزانوں کی خدمت کا وعدہ کر لیا تھا اس لیے یہ دونوں سلطنتیں جو بڑی وسیع امتان تھیں۔ ہمش گئیں۔ مسلمانوں نے ان کے دھرم سے انہیں شاد رہا۔

رومی حکومت کا کتب خانہ سے نہ نہ ہو گیا۔ ایرانی حضرت شمس نے شکست ہو گئی۔ روم کا بادشاہ و قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ اس کا وہی حکم نہ تھا کہیں ایران کے۔ اس کا کام کس خدا کے لیے۔ وہ ایران کے دو دروازہ خدا میں آکر۔ پھر لکے۔ کس نہ دیر کا تھا ہے۔

ایرانی بادشاہ کے لیے یہ مناسب تھا کہ حتی کے ساتھ سرحد پر رہا۔ مسلمان ہرجا یا پاسداری حکومت کا باجگروں تھا۔ دو دروازہ دروازہ۔ اس دور عثمان سے زندگانی ہمارے ملک تھا کہیں وہ۔ اس کے حکومت و صنعت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اسی قوم کو خدا اور ملک کو رہا کر لکے۔

وہ اپنی قوم کو درخشا رہا ہے۔ کس حادثہ کو روکتا ہے۔ کس جگہ جگہ پائی کر کے جنگ کر دیتا ہے۔ نہ خود میرے محتاج ہے۔ (اسی قوم کو جیسے سے بیٹھے دیتا ہے۔ نہ ملک میں امن رہا جو ملے دیتا ہے۔

اس کی تو فائدہ خدا کی طرح ہے۔ تمام ہے۔ ایرانیوں کے اس دولت کی نہیں ہے۔ وہ بار بار جہاد کر دیتے ہیں۔ جنگ کرتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر باہر ملکوں کو سامنے یہ بیٹھا ہے کہ ایران پر عام لشکر کشی کر دی جائے۔ ایسی کئی محاذوں پر جنگ شروع کر دی جائے۔

چونکہ مشورہ کرنا چاہا جوتا ہے اس لیے یہ سب کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر کے اپنی

ماتے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت غلامی نے ان کا کرنا عرض ہو گئے۔ اور ان کا کہنے لگے کہ لوگ کیا مشورہ دیتے ہیں ایسی خیر یا اہل کا خوش رہا۔ وہ ایک دوسرے کا حق دیکھنے لگے۔

کچھ دن کے بعد حضرت غلامی لگا۔

میں اب لوگوں میں ہیں۔ کیا میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ اب یہ ہے کہ ایران پر عام لشکر کشی کی جائے۔ ایک ہزار ہزار شخص لے کر لگا۔

ابراہیم نے جہاد کا عرضی میں دوسرے کے بزرگان قوم نے جواب دے کی ہے وہ درست ہے۔ میں اب یہ حکم دیں کہ ہم کیا کریں۔ ہم نے اپنے ہاتھوں کو لکھا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں۔ ہم جہاد کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ تیار ہیں۔

ابراہیم نے فرمایا:

تم جو ان بوجہ ہندو۔ تم نے وہی بات کی ہو تمہارے شاہین خان ہے۔ میں اس کے سامنے سر کرنا چاہتا ہوں۔

ابک روئے لگا۔

میں اب کاروئے صنیعہ پر ہزاروں لڑ رہا ہے۔ مجھے کیا کہیے وہ ایک دھڑلے سے ضرورت ہو کر ہم کو جہاد پر جانے کہیے تیار ہیں۔

کچھ بعد دیگرے بہت سے کہہ سونے کو ہے ہو کر ایران کی حضرت غلامی نے فرمایا:

مجھے میری قوم کو راتے معلوم ہو گئی۔ اب میرے ہاتھوں کے سامنے یہ ہے کہ کیا ہے کہ چند عظیم تارکوں کا وہ ان لوگوں کو دروں جن میں اس کا دل تھا ہوں۔ اگر تم لوگ کسی کو سب گئے ہو تو اس کا ان میں کر دے حضرت علی نے فرمایا:

نہمب سے زوردار ابراہیم نے لوگوں سے واقف ہیں۔ اب ایک جو اقرار سپہ سالار۔ مہدی گوہر زار غلامی کہنے ضرور کے ہیں وہ اپنی جگہ ہی صاحب ہیں۔ آپ ہی ان افسروں کا میں انتخاب کریں جنہیں آپ اس میں بہترین سمجھتے ہیں۔

بہت سے لوگوں نے اس کی تائید کی۔

حضرت غلامی نے فرمایا:

اچھا میں نے یہ لوگوں کو اس میں کہنے کو تھا کہ اب اسے مغرب ہر دو لکھا گا۔ اس کے بعد حضرت غلامی نے ان کے اندر کو تشریف لے گئے۔





تو وہ عظیم الشان سلطنت کا دھماکا ہے۔ بے شمار فوجیں اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی کشتی کے لیے آپ کا ایک تیار و  
برادر ہے گا۔

ان نامعلوم نے یہ بتایا کہ جلیلہ بن محمد مصطفیٰ پیغمبرِ خزانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کب پہنچا تو یہ ایسی  
عجب غوثِ صحن کے مجوس میں تھروں رہ گئی۔

انحضرت علیؑ علیہ السلام واکبر وحملم نے فرمایا:

آج ٹھہرو۔ کل تیس جواب دہائے گزشتہ

الکلی مدنی، فاضلہ حضور، فکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہوں کو روک دیا۔

خدا نے اپنا عہد صادر کر دیا جس ضرورت پر نہ تھے مصلحت کیا فائدات اسے احمد کے بیٹے شہزاد نے  
 اڑھائی چارہ پانچ سو گزہ عمارت سے کم کر کے عقلمند سے خواہش وافر سے عورت حاصل کر کے کھانا کھا کر

وہ وقت بہت قریب ہے جب اسلام ایران میں پھیل جائے گا اور انشا اللہ ایرانی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے  
کے جس طرح خصوصاً ہندوؤں نے دعوت اسلام کے آنے کے لئے:

قاصد و اہم علمائے

انہوں نے باوجود صدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے ارشادِ حق پر غور کیا۔ اسی وقت شہرِ مدینہ کا نام مدینہ بن گیا۔ اس نے کہا:

”خیر وہ نے ان کے جھگڑے کو مہربان یہ خصوصیت پر عالم، جاہل اور ذلیل تھا، میں نے اسے قتل کر ڈالتا۔  
اب وقت دن کا میں وارنٹ چلے، میں تختہ نشین کر گیا تھا۔ لوگوں کو میری اہمیت پر سکوا کر دیا۔“

ہاؤن تھے بے ساختہ کیا:

”مؤمن مرنے سے رسول ہیں۔ اللہ نے جو نورا خدا ہی ہوا ان کے خاتمے انہیں ہے ہی اس واقعہ کی اطمینان دینا تھا۔“

چنانچہ وہ مسلمان ہو گئی۔

اس کے بے شرم ہونے کا دلائل اور خود بادشاہ ہیں۔

اور ان کی گفتاری کے اسکا بجا کر دیے تھے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اسی وقت سے مسلمان ایران کی اڑنا شروع

## نامزدگی

②③

حزب خود کے مسافروں میں بڑا جوش بھیل گیا۔ انہوں نے ایرانی حکومت اور ایرانی باغیہ پارٹیوں پر  
خبردار کیا۔ جب تاہم پارٹی نے غازی کا نام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اسلام کے دعوت دے  
مسلمین پر ایم کے نام ادا کیا تو شاہ ایران کے پاس بھی بھیجا۔ ایران کے منور و شہنشاہ نے غازی  
حافظ کے نام میں اپنے من کے گورنر باغی کو لکھا کہ مدعی نبوت کو (نور اللہ) گرفتار کر کے مجبوراً اس وقت  
ایران کا بادشاہ حضور پرورد تھا۔

ایرانی سلطنت کا ایسا رجب وجد تھا اور ایرانی سیاست پر دلیل سمجھنے کے لئے کہ ایران سے خودیہ  
مذہب کا کس پرستانہ جھانکھنے کے واسطے اس کو کتنا جلد سے ایک کام (ایرانی اور دوسرے کلمہ پرستانہ) اجاگر سمجھا کر  
مذہب نہت کر کے رکھا۔

وہ اس بات کو نہیں سمجھے کہ وہی نبوت، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے نہیں بھیجا ہے۔ خدا کی درویشی کے متقابل طلب ہے۔ ان کا رعب و جلال دنیا کے دوسرے بادشاہوں سے زیادہ ہے۔

جب باجوہ اور خضدار محلہ علی القلیہ واکوہم کے حضور میں پہنچے تو ممبر ممالک سے گفت  
برگئے۔ آپ نے ان سے کہا:

”خوف و کرار بہادر ہم کسی لیے آئے ہوں“

ابوہریرہؓ نے عرض کیا: "مفتی شہداء ایران شہر بردین نے آپ کو غلبہ کیا ہے۔ اگر آپ شہر بردین کے لیے ہیں"



تصحب رکھنے لگے۔

سب ایران پر لشکر کشی ہوئی تو مسلمانوں کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی درست ثابت ہوگی اور ایرانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس وقت ایران کا بادشاہ خرمدین تھا۔ اسے مسلمانوں کے متاع جہیز ہزیمت ہوئی۔ اس کے لڑکھٹا ہوا بیٹے پر مسلمانوں کا تہہ ہو گیا اور خود خاندان جوش ہو کر آ کر اس کے گھر آ گئے۔

یہ کام دیکھ کر بادشاہ نے اپنے غلط کامی کوئی ہوئی سلطنت کا حق کسے کے سے اٹھائی چوٹی کا اندر کا رافقاہ اپرٹ کے لئے۔ جسے ہر ایک ایک مسلمانوں کے قلوب میں نہیں آئے تھے ان کے جانکوں کو دھتکار رہا تھا۔

انہیں اہل اللہ دوسے رافقاہ راہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آواز دے کر رہا تھا۔

حرف ہی نہیں بلکہ دوسری مقبوضہ علاقہ کے ایرانیوں کو ہسکا کر بغاوت بھی کر چکا تھا۔ وہ چاہتا یہ

تھا کہ ایران میں اس وطن خاتم ہو۔ مسلمانوں کو روزی لڑائی اور بغاوتوں سے تنگ آکر واپس

پلے جائیں۔

لیکن۔

اس وقت مسلمانوں کے علیہ امیر المومنین منوف غزالی تھے۔ ان کے ہمدرد کی شہرت تھی۔ انھوں نے

ایسے اقوال کو ایرانیوں پر بھیجا جو مسلمانوں کے اور حکومت کے نیک اہلیت کو رکھتے تھے۔ جب بغداد میں ہوتی

تو وہ بڑا آسانی سے انہیں لوکڑہے تھے۔ اور جنگ پیش آتی تھی تو دشمنوں کو ہزیمت دے کر پسپا

کر دیتے تھے۔

ایرانوں کے خلاف تمام جوش بھل گیا تھا۔ جو لوگ جہاد پر جانے کے لیے آئے تھے وہ چاہتے تھے کہ وہ

سے جدا انہیں میدان جنگ میں بھیج دیں۔ ان کے سینہ میں جوش و خروش کے نشان ٹھہرے تھے۔



ابو بکر امیر المومنین نے ایران کی تمام بر لوگوں کو منع نہیں کیا تھا البتہ انہی تمام تارکے سے سب بھی

انتقاد میں تھے کہ کہ ہر لوگ ہمارا کب بجا ہو گا تو ہمارا کب بجا ہو گا۔

آخرا بک مد امیر المومنین منوف غزالی نے فرما کر خد پڑا کہ لوگوں سے کہا:

”خبردار! یہاں ایرانیوں کی ہمدردی کی بات نہ کی۔“

سب کو غصہ لگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

”مسلمانوں کی ہمدردی نے خود انکو میں گرا دیا ہے۔ میں نے چند لوگوں کو منع کیا ہے۔ میں نے نہیں

کہ سنا کہ میرا انتخاب درست ہی ہے کہ انہیں ہوں غلط ہو سکتے ہیں۔ پھر بھی غصے اید ہے کہ یہ لوگ

اپنے مخالفوں کو اپنے طریقہ پر لائے دیں گے۔ جو ایرانی صوبے فتح ہوئے آتی ہیں ان سب پر پوری غصے کے لیے

میں نے لوگوں کو منع کیا ہے۔ ان کا غصہ نہیں رہے۔

فرمان پر انھیں ہی نہیں کو۔

رمضان اور کریم شہر پر ہاشم بن مسعود کو۔

اصطخر پر عثمان بن اعاصی کو۔

آذربائیجان پر نعیم بن مسروق کو۔

افشاہ پر مدیر بن وجم کو۔

سیستان پر عامر بن مرزوق کو۔

کمان پر حکم بن امیر اشجین کو۔

اصفہان پر عبداللہ بن عبداللہ کو اور۔

کمان پر سہیل بن مدی کو۔

یہ انتخاب آنا اچھا اور جوازوں تھا کہ سب نے یہی قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو لوگوں سے ذاتی

طور پر اس قدر واقف تھے اور وہ اس بات کا بخوبی علم رکھتے تھے کہ کون کون کس جگہ کے لیے موزوں ہے۔

اس لیے ان کا انتخاب بہت ہی مناسب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

”خبر دست عبداللہ عبداللہ کو اصفہان بھیجا جانے گا۔ سہیل بن مدی کے موصوفہ ہیں اور اصفہان

فتح ہونے کے بعد دوسرے لوگ ایک دم ایران پرورش کریں گے۔ یہ انتظام اس لیے ہے کہ کچھ مسلمانوں

ہے کہ روز بروز وہاں راہیں ہونے اصفہان میں عظیم جہاد پر لگی تیار کیا جائیں۔ پہلے اصفہان پر ان کی فوج

دیکھی جائے۔ اگر اور وہاں حضرت ہونی تو میں لوگوں کو منع نہ کروں گا۔ وہاں ایرانیوں کے صدی ہاتھ میں

موجود ہیں وہ عبداللہ اور سہیل کو کہہ کریں۔ کیا میری پسرانے صاحب ہے یا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔

حکومت عبداللہ کی ہے نہ سہیل کی۔

”نہایت مناسب رائے ہے۔“

حضرت علیؑ نے فرمایا:

”آپ کو رائے نہایت ہی مناسب ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہی رائے مناسب ہے۔“

اور لوگوں نے بھی تائید کی۔ حضرت علیؑ نے سید سے کہا:

”اے نوجوان مجاہد! شعرا اور یہ علم و...

صیقل نے ادا کر علم لے لیا۔ حضرت علیؑ نے دوسرا علم بھی نہیں دے کر کہا:

”دوسرا علم اللہ کے لیے ہے۔ یہ انہیں پسند و نواز ان کے مافوق کرامات پر چھوڑ دو۔“

صیقل نے دوسرا علم بھی لے لیا اور حضرت علیؑ کا شکریہ ادا کیا۔ چونکہ مازنی جو کئی نئی امداد لے کر آئے تھے۔

سے آکر پہنچے۔



## مبارکباد

(۲۳)

صیقل سے پہلے سب اہل بیت علیہم السلام پر تپ گئے تھے اور انہوں نے یہ تپ اٹھا کر سون کوٹھرا لیا ہے۔ وہ افسر مقرر ہو گئے ہیں۔

یوں تو سب کو یہاں کے افسر مقرر ہونے سے خوشی ہوئی لیکن سب سے زیادہ مسرت مبارکباد کو ہوئی۔ اس کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ اس نے گلتا افسر دعا کیا:

اے آبا کلمن!

فخر کرو کہ آج تمہارا ایک نوجوان زرد ترقا کے کاسس مرتبہ کو پہنچ گیا ہے جس کی تمہارے فخر و جواؤ کا ہے۔

اے آبا کلمن!

فخر کرو کہ آج تمہارے قبیلہ کا جاہد، مجاہدوں کا خدام میں گیا ہے۔ لوگ اسے افسر کر رہے ہیں۔ یکے فخر کا تا ہے۔

اے آبا کلمن!

فخر کرو اس کی کنڈ پر جو خرم ہو گیا ہے۔ اس کا نام سید ہے۔ اس نے اپنے آپ مدد کا کاروبار کر لیا ہے۔

اے آبا کلمن!

فخر کرو صیقل پر۔ اس کا مال کافی تھا کہ میرا بیٹا جاہد ہوگا اور آج وہ واقع مبارک

جن کیلئے۔

اے آلیکسانڈر:

فخر کرو میں پر اس کی شہرہ و نامہ لکھے۔ وہ صف شمس ہے۔ انشا اللہ مکی  
خوار و شمس کے حشے اٹا دے گا۔

اے آلیکسانڈر:

فخر کرو اس زوجہ کی تہہ کی ذات پر جس نے اپنی جان انعام راہ میں ہیرا کر دی ہے  
اور جس نے میدان جنگ میں پروکس پالٹ ہے؟

ہاں لکھنا ہی تھی۔ فخر کرو ہی تھی خوش ہو رہی تھی کہ وہیدہ وہاں آگیا وہ وہی مستغرق تھی کہ اسے  
اس کے کہنے کی خبر ہی نہ پہنچے۔

رہیدہ اسے دیکھتی رہی۔ جب دوپہر ہو گئی اور اس کی طرف مخاطب نہ ہوئی تو اس نے کہا:

”ہاں یہ۔ خوشی میں کس قدر غرق ہو کر یہ بھی نہیں دیکھتی ہو کہ کون تھارے پاس پہنچا ہے۔“

ہاں نے نظریں اٹھا کر رہیدہ کو دیکھا اس کی نگاہیں میں خوشی پر چری تھی۔ اس نے کہا:

”اے رہیدہ آج میری بہت خوشی ہوئی۔ بہت ہی خوش۔ بھائی جان نے اپنا تھکا جاس کر دیا۔“

رہیدہ: لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ میدان جنگ میں جا رہے ہیں اور میدان جنگ میں موت انعام کا جیب  
کیا کر رہا ہے۔

ہاں: تم دھڑکنے لگاؤ۔ اس بات کو سمجھتی ہو کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے اور ہمارے۔۔۔ تو شہادت کی تمنا  
کر رہا ہے۔ شہید مرتے نہیں۔ وہ زندہ رہتے ہیں اور شہیدوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ

کیا ہے۔

رہیدہ: تم نے بچا کا ہاں ہیرا زنگ کے لیے موت دے دی ہے۔ نہ کہ موت سے بڑھ کر کٹھن موت نہیں۔  
مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تمہارے بھائی جان بچا اور افراسیون گئے۔ انہیں مبارک باد دیں میری طرف سے۔

ہاں: میرے بھائی جان تمہارے کلمے ہیں

رہیدہ: میرے بھی بھائی جان ہیں۔

ہاں: کیا تم خود مبارک باد نہ دے سکتی تھیں؟

رہیدہ: جی تو چاہتا ہے لیکن۔۔۔

ہاں: بہت نہیں پڑتی۔

رہیدہ: نہیں۔ بہت شرم محسوس ہوتا ہے۔

ہاں: اور جو شرم محسوس ہوتا ہے۔ کیا تم وہی رہیدہ نہیں جو جو چند سال ہوئے کھیلوں مارا کرتی تھیں۔

رہیدہ: خدا نہ کرے۔ میں کیوں کھیلوں ماروں۔

ہاں: قاری ناک ہستی دیتی تھی بڑے کھیلوں تمہیں ستاتی تھیں تو تم انہیں مانتی تھیں۔

رہیدہ: میری ناک کیوں ہستی۔ تیری ہی ہستی رہتی تھی۔ تو ہی کھیلوں مارا کرتی تھی۔ لو چڑیل۔ مجھے کھلی رہنا

رہی ہے۔

سلطان: میں دیکھ آگئی اس نے کہا:

”تم نے ٹھیک کہا رہیدہ۔ یہ ہاں چڑیل بھی ہے مگر خوبصورت چڑیل۔ جسے ہلکے لے جانے کے

لئے پڑا نہیں۔“

ہاں نے مسکرا کر سلطانہ کو دیکھتے ہوئے کہا:

”موتور۔۔۔۔۔ تم خوبصورت جاؤ۔ ایسی جاؤ افریقہ کی پریلر سائپ سے متا ہے کہ جب کئی افراد

اسے دیکھ لیتے ہیں تو انہیں لالچے بغیر نہیں رہتا لیکن اس سے اسٹیکس چار ہوتے ہیں پہلی اصل

آگیا ہے۔“

رہیدہ: ایک خوبصورت چڑیل اور دوسری خوبصورت ملا۔ خدا ان دونوں سے پناہ میرے کہے۔

سلطانہ: مگر یہ چڑیل کا خطاب کیوں دیا چار تھا اب کیوں۔

رہیدہ: چڑیل۔۔۔ مجھے کھلی مار رہا ہے۔

سلطانہ: کھلی کھلی مار نہیں یہ تو شیر رہا ہے۔

ہاں: بڑی شیردار کاٹی بھاری۔ جب یہ چھوٹی تھی تو ایک دن غلی صغریٰ جلدی تھی۔ اس کا ناک پر کھلی بھونچتی۔

اس نے کئی دفعہ اذیتا مگر کھٹکھٹا تھا وہ ہے کہ جس جگہ سے انا لگے وہیں آ کر بیٹھ لے۔ یہ بار بار اذیتا ہی

اور کھلی آ کر ناک پر بیٹھتی رہی۔ اسے خدا یاد۔ اس نے برائیاں میں آکر ناک پر کھٹکا مارا۔ کھلی تو اذیتا لگتی تھی

ناک سے ٹکراتی رہتی تھی۔ پوچھا میں سے۔ ایسا ہوا تھا یا نہیں؟

سلطانہ: کیوں رہیدہ۔ ایسا ہوا تھا؟

رہیدہ: اس کا سر جوتا تھا۔

ہاں: اب یہ بقرار تھوڑا ہی کرے گا۔ اقرار کرنے کو کھلی دے جانے لگے۔

رہیدہ: اپنی ہی زبان بکھڑ رہی ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے یہ کچھ ماننا ہے ہوتے تھے بار بار کھلی اس کے دھبے پر





”میں مبارک باد دیتی ہوں۔“

سبیل : شکریہ !

سہلانے شرار نظر ہی تھا کہ اس وقت حسین قصبی کی آواز پر نکلیں :

”بھلا میں مبارک باد دیتی تھی۔“

سہلانے شرار سے کٹ گئی۔ سبیل چلے گئے۔



کوئچ

(۲۵)

امیر المومنین حضرت عرفان نقی نے ایرانی مہم کے لیے افسروں کی ہمدردی کر دی تھی۔ عفو عیسیٰ عہدہ منورہ میں موجود تھے۔ باقی لوگ عراق، عجم اور ایران میں تھے۔ یہاں صوفیوں کے ذریعے سے ان لوگوں کے پاس ہم روانہ کر دیے گئے۔ اور صوبہ کے پاس یہ ہدایت بھیجی گئی کہ یہاں سے اصفہان کی جنگ دیکھیں۔ اگر ضرورت ہو اور ہمدان میں ہمدانہ اف میں سے کسی سے مدد طلب کریں تو فوراً انہیں مدد دیں۔ اپنے اپنے علاقہ کی اس طرح نامہ بندی کر لیں کہ ایرانیوں کے ہمدانی سے اصفہان نہ جانے یا محمد

اور حسین کو حکم ہوا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائیں اور ہمدانہ میں ہمدانہ کے پاس پہنچیں۔ سبیل مسافرانہ حالت میں تو تھے ہی۔ انہیں تیار ہی کیا کہ ان کی قہر تیار تو وہ اپنے وطن سے کر کے کہتے تھے البتہ ان کے ساتھ جو جہاز ہیں جانے والے تھے انہیں کچھ تیار ہی کرنی تھی۔ انہوں نے چند ہی روز میں تیار کر لیا اور ایک سو دو میل کے علاقہ کی ایک اگلے روز کوئچ ہو گا۔

چونکہ صوفیوں کا اس لیے لوگوں نے ستار اور کچھ روٹی کے پیسے خرید لیے۔ دوسرے روز صوبہ نے خبر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر آئے اور پوری جلدی سامان ہاتھ لے گئے۔ کئی لوگوں کے پاس نیچے تھے۔ نیچے گرا کر پیسے لے گئے۔ سامان لوٹوں پر بار کیا گیا۔ کئی آرکی سوار اپنے سر پر بیالہ کے چادر تھے۔ ان میں سے بعض کے پاس لالہ تھے۔ کچھ لوگوں پر کسے لے گئے۔ بعض لوگوں پر بچوں کے لیے شادمان ہاتھ لے گئے۔ کچھ لوگوں پر اچے کسے لے گئے۔

مجاہدین اس طرح سستا ہوئے کہ پیشروں میں غور سے۔ کھاروں پیوؤں میں مٹا لیں۔ پست پر ڈھالیں اور

ان پر کشتی لٹکتے۔ شاؤں پر کانیں ڈالیں۔ انہوں میں نیزے بے امداد ہوں میں چڑھے کے موزے چڑھائے۔

اوش لمبی نظار میں کھڑے کر دیے گئے۔ ہان کوئوں کو امیر ابو عیسیٰ اور دوسرے بڑے مہمان کے کہنے کا انتظار لھا لھا کھڑے ہو چکے تھے۔ سونوں کو رخصت کرنے کے لیے خود حضرت عمرؓ قریب لایا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ اور بھی چند بزرگ ہوتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد غفر ہوا کہ حضرت عمرؓ آ رہے ہیں۔ سب کا کوشش گلو ہو شہد ہو گئے اور ایک مرتبہ صبر کرنے لگے۔ اسی اور سجدہ میں نظر ڈال رہا تھا۔ اس خیال سے کہ کوئی کیڑا لگتی ہو جس سے بغض ہو کر حضرت عمرؓ پھڑک رہے ہوں۔ جس نے چوکی دیکھی اسے تلوار سے چمکا کر ہلا دیا۔

اس وقت سداقت، لایہ اور رفیدہ بیٹوں گھگھے پاس کھڑے تھیں۔ ابھی سواری نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے چادریں اٹھا کر ڈھک کر لیں کہ سوائے آنکھوں کے چہرے کا کوئی اور حصہ نظر نہ آتا تھا۔

لایہ نے کہا:

”کچھ فائدہ نہیں ہے ایسے پردے جس سے آنکھیں نظر آئیں۔“

رفیدہ: ”کیوں خبر نہ ہے۔ کیا بات ہو۔“

لایہ: ”وہ سداقت کی آنکھیں دیکھو کہ نہ جس منہ پر ہی ہر سال آنکھوں کو دیکھنے والے دیکھنے ہی دیتا ہو جائیگا۔ سچ کہا۔ ہے یہی بات۔“

رفیدہ نے ہنس کر کہا:

”ہاں بھئی! شیک لگتا ہے۔ یہ آنکھیں تو دل میں اترتی ہی جاتی ہیں۔ سداقت۔ تمہاری آنکھیں تو شے سے غضب کی ہیں۔ انہیں غمزدار چھو۔“

سداقت اور تم دونوں کی آنکھیں۔

لایہ: ”گھٹا خاص دل کشتی نہیں ہے ہماری آنکھوں میں البتہ بڑی دلچسپی ہے۔ یہ یہ کہہ تمہاری موٹی آنکھیں دیکھتے ہیں بے تمہارا قدری سوئے دیکھنے کو ہی جانتے ہیں۔“

سداقت: تم دونوں کی آنکھیں۔ خدا کی پناہ۔ جیسے یاد رکھی ہی ہیں۔

رفیدہ: ”اچھا بھائی! کچھ سے فیصلہ کرنا کہ کھل کر آنکھیں صحت منجم ہو رہی ہیں۔“

سداقت: ضرور لگاؤ۔

رفیدہ: ”خیر بہت سہل کھڑے ہیں۔ وہ فیصلہ کر دیجئے۔“

لایہ نے ہنس کر کہا:

”شیک لگتا ہے۔ آواز دہلنا نہیں۔“

اس نے گواہ دینا جاری رکھا کہ نے تلوار سے کہا:

”کیوں روٹا ہوا ہوں۔“

لایہ: ”اچھی آنکھوں سے چو پھیر کیوں دیکھنا کرنا ہے۔“

سداقت: ”بڑی شرم ہو گئی ہو تم۔“

لایہ: ”اور یہ رفیدہ۔“

سداقت: ”اس بے چارے کو بھی تمہارے شر پر بنا دیا۔“

لایہ: ”خوب۔ اپنا الزام دوسروں کے سر ڈھونڈو۔ میرے متعلق تو سارے قبیلے میں حضرت عمرؓ کی گستاہت کہ سننی بڑی سچی اور مستند لڑکے۔ شرعی اور شہادت ماننے ہی نہیں۔“

سداقت: ”بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔“

”اللہ اللہ۔ سداقت اور کہ سننی ایسی ہی لڑکیاں ہوتی ہیں جیسی تم ہوں۔“

لایہ: ”نہیں۔ تم جیسی ہوتی ہیں۔“

سداقت: ”اور یہ انکل دیت ہے کہ میں بڑی بھول ہوں۔“

لایہ نے حسین قنبر لگایا اس نے کہا:

”واقعی بھول۔ بہت ہی بھول۔ جب بھائی جان کو افسری ملی۔ مجھ نے اور رفیدہ نے ابھر مبارکباد دی۔ تو خود غائب ہو گئی عین میں چھپ کر جا کھڑی ہوئی اور جب بھائی جان پہنچے تو بڑی دلربائی کے ساتھ مبارکباد دی۔ بھول ہو کر کیوں کی ہیں؟“

سداقت: ”اس نے کہا۔“

”شر پر وہ بھی بڑی شہادت سے ڈر کر میں نے نیزے سے ساتھ ساتھ دیکھیں وہ لکھی۔“

رفیدہ: ”اور میں اس بات کی خدمت دینی ہوں۔“

سداقت: ”تم بڑی بھول تھیں مگر لایہ نے تمہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔“

رفیدہ: ”مجھ پر تو خدا نارنگ پڑھا لگا ہے۔“

لایہ: ”حقیقت یہی ہے۔ ہم دونوں کو تمہارے شور مچا دیا۔“

رفیدہ: ”خاص ہوا۔ میں علی آ رہے ہیں۔“

انہوں نے دیکھا سب اسی طرح کر رہے تھے۔

یہ فیصلہ ہو رہا تھا۔ دیکھو! تم معلوم کرنا اسے سہولت کی آغوش کے منتظر۔

مسئلہ: لیکن شامت آقا ہے یا یہ قدر۔

یہاں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ ان کے آگہوں پر حیرت ہے۔ بلکہ میدان بدوش آگاہیں ہیں۔

اب میں اس کے پاس آئے اور

ایم۔ غوثیوں نے کہا کہ میں۔ تم کہوں میں سوار ہو جاؤ۔ فائدہ دانا ہوئے والا ہے۔

یہاں۔ یہاں سے کل میں سوار ہو کر جاؤ۔

سبیل۔ کہا بات ہے۔ کیا خدا غوثیوں کو لکھ کر رہا ہے۔

یہاں۔ کچھ تعلق نہیں۔ ان سے ہی پوچھیے۔

مسئلہ: شرارت کر رہی ہے۔

سبیل نے مسکاکر کہا۔

یہاں۔ یہ بات ہے۔

ناتقہ بخانے کے اور میں نے تم کو کہوں میں سوار ہو کر اس میں مل کر پھر اپنی جگہ جا کر

ہم کے سامنے ترمیم کر لیا۔

ماتے سے امیر کو بتایا کہ ہے۔ ان کے ساتھ حضرت خدیجی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن حنفیہ

الجب انصار اور کئی بڑی جماعت تھیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی طرہ پر سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب

دیا۔ تاہم کہ سب مرد اپنے عقیدے کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

حضرت عثمان نے فرمایا:

”یا ایہا المجاہدین (میں نے اسے مجاہد)!

تم وہ شخص ہو جس نے مجاہد کے نام سے جو خدا سے دوسرے مذہب ہے۔ تم خدا کا

نام کرنے جا رہے ہو۔ خدا تم سے مانتا ہے۔ تم نے خدا سے سو دیا ہے اپنے دوسرے مذہب کو۔

اگرچہ جاوے کہ قرآن کو کفر اور شراب نہیں پہنچا لیکن تم نے جزیہ دیا ہے۔ تم نے کہہ دیا کہ یہ خدا کا

نام ہے۔ تم نے کہا کہ یہ خدا کا نام ہے کہ جس نے اپنے خالق سے ہم کلام ہو کر ہے۔ ہر کسی حالت

میں نہ جبر کا ہے۔ اپنے مانتوں سے شفقت اور محبت کا نہ کرنا کہ کسی قسمی پر حکم کرنا تو

اعتقاد کو اچھا دیکھو۔ انہوں نے خدایا کہ غلط میں جو شخص ہے اور نہ ہر جگہ اللہ کے دلائل کو نہیں

دیتا۔ عورتوں اور بچوں پر، بچوں اور بوڑھوں پر اور نہ ہی رہنماؤں پر ٹولنا نہ تھا۔ کھیتوں یا غلوں  
اور گھروں کو نہ جلتا۔ کسی مسجد کو نہ لگا کر جس سے دھڑک رہا ہے پر مانتا۔ خلاف شرع کوئی بات نہ کرنا  
میں تم سے دور ہوں گا، خدا تم سے مانتا ہو گا۔ اس سے ڈرنا۔

میں نے تعینت کا حق ادا کر دیا۔ خدا تمہیں اس پر عمل کی توفیق عطا کرے۔ اچھا اب خدا کا نام لے کر سفر  
کو۔

سبیل نے علم اظہار کا حق میں دیا۔ اللہ اکبر کا نعروں لگایا۔ مسلمانوں نے کہا کہ اس نعروں کی تکرار کی تا عطا

سب سے اظہار دست بردار اس کے پیچھے اونٹوں کی قطار روانہ ہوئی۔ حضرت عثمان اور ان کے رفقاء قافلہ کو روک

کہتے دیکھتے رہے۔







کالت کر رہی تھیں۔"

ہر فریق کے افواہی سپاہی سے لے کر بڑے بڑے افسر تک لا رہے تھے لیکن ابھی تک راجپوتوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی وہ دور ہی سے زرنگار شامیانوں کے سایہ میں گھڑے ہوئے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے 'اہلست مسلمانوں میں سب شریک ہو گئے تھے' ملک وبار ملک عبداللہ بن ممتاز خاں 'شاہزادہ خضر خاں حتی کہ ملک کافور بھی لڑ رہے تھے۔

اپنے ان اعلیٰ افسروں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو اور بھی جوش آ رہا تھا 'اور وہ اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی سے لڑ رہے تھے' ان کی بے پناہ کھواریں غضب کا کالت رہی تھیں 'جس چیز پر پڑتی تھیں اسے کالت ہی ڈالتی تھیں 'دوہ بکھڑوں اور تیزوں کو اس عقلی سے کالت دیتی تھیں 'جیسے وہ نرم ٹکڑی ہوں۔

مگر راجپوت بھی غضب کے جیالے اور سورما تھے 'وہ بھی نہایت سختی سے حملہ کر رہے تھے 'اور بڑی پھرتی سے مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے۔ نہایت خون ریز جنگ ہو رہی تھیں 'راجپوتوں کی سرخ سرخ آنکھیں جوش و غضب سے دھبہ رہی تھیں اور وہ طیش سے بل کھا کھا کر پوزور مٹے کر رہے تھے۔"

مسلمان نہایت استقلال سے لڑ رہے تھے نہایت 'نجیدگی مگر بڑی قوت سے حملہ کر رہے تھے 'اور جو راجپوت بھی ان کی زد میں آ جاتا تھا 'اسے قتل کر ڈالتے تھے۔"

انسانی امتحان کی یہ بے قدری ہو گئی تھی کہ کئے ہوئے 'ہاتھوں پیروں 'سروں اور دھڑوں کے دھیر لگ گئے تھے اور خون کی اڑ زانی تھی کہ پانی کی طرح زمین پر بہ رہا تھا۔"

جوں جوں دن چڑھ رہا جنگ کا ہنگامہ ترقی کرتا رہا 'یہاں تک کہ دوپہر کے وقت نہایت خون آشام جنگ ہوئے تھی 'جس طرف اور جہاں تک بھی وہ جاتی تھی 'خون میں ڈوبی ہوئی سرخ سرخ کھواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آتی تھیں 'بب سرکت کرا پھلتے اور گیند کی طرح زمین پر گرتے تھے تو بڑے عبرت ہوئی تھی 'اور اس وقت تو دل تو دہل میں جاتا تھا 'بب مجموعہ جیچیں مارتے تھے۔

لڑنے والے ان ہولناک توازنوں کو برابر بن رہے تھے اس سبب نظر کو دیکھ رہے تھے 'لیکن ان کے ہمدرد دلوں پر اس کا کوئی بھی اثر نہ ہو رہا تھا وہ بھی سرگرمی سے جدال و قتل کر رہے تھے 'سرخیلیوں پر دنگے نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے گویا انہیں خون سے

ہولی کھیلنے کا بڑا شوق تھا 'انسان کو انسان بڑی بے دردی سے قتل کر رہے تھے جان داروں کو مٹی کا کھلونا سمجھ کر مٹا رہے تھے اور دھوبی مٹنے کو تیار نظر آتے تھے۔"

جب تیسرا پھر شروع ہوا تو دونوں فریق یہ سمجھ کر کہ کہیں گندہشتہ روز کی طرح آج بھی جنگ کا تمام یں نہ رہ جائے اور بھی تندی اور سرگرمی سے حملہ کرنے اور زور و قوت سے لڑنے لگے تھے۔

راجپوتوں کی اتنی بھاری تعداد تھی کہ ابھی تک ان کی تمام صفیں مصروف جنگ نہ ہوئی تھیں 'وگرچہ جنگ کی آگ بھڑک کر ان راجپوتوں کے قریب تک پہنچ گئی تھی جو نہایت اطمینان سے گھوڑوں اور پالکیوں میں سوار کھڑے ٹھہرے کر رہے تھے مگر ابھی ان کے راجپوت بالکل تازہ دم تھے۔"

مسلمان سب ہی میدان جنگ میں کود گئے تھے اور ہر شخص لڑ رہا تھا راجپوتوں نے اس محفوظ لشکر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا 'وہ قدم قدم پر بڑھا' مسلمانوں نے دیکھ لیا 'ملک کافور نے بلند آواز سے کہا۔ "شیر دل مجاہدو۔ کافروں سے مطلق اندیشہ نہ کرنا تم ان راجپوتوں کی ہمدردی کا امتحان کر چکے ہو 'استقلال سے جنگ کرتے رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح یاب ہو گے۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے نعرہ لگایا 'تمام مسلمانوں نے مل کر پر شور نعرہ لگایا اور اللہ۔ "کہہ کر اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوتوں نے اگرچہ اس حملہ کے روکنے میں اپنی قوت صرف کر دی 'لیکن نہ روک سکے سینکڑوں راجپوتوں کے سرچشمہ زون میں اڑ گئے 'سینکڑوں زخمی ہو کر اوڑھ اوڑھ کر لے کر آئے 'مگر انہوں نے پروا نہ کی اور پھر اللہ کا نعرہ مار کر پوزور حملہ کیا ان کا یہ حملہ بھی کامیاب ہوا۔ اور پھر ان کی آن میں راجپوتوں کی بڑی تعداد قتل ہو گئی۔

مگر اس عرصہ میں تازہ دم راجپوت مقابلہ پر آ گئے 'مسلمانوں نے ان کی پروا نہیں کی 'ان کے دل پر ان کے آجائے سے مطلق بھی میل نہ آیا۔ انہوں نے ان پر بھی سختی سے حملہ کر دیا۔

یہ راجپوت بڑے جوش اور غصہ میں بھرے ہوئے تھے انہوں نے بھی شدت سے حملہ کیا اس شدت سے کہ مسلمانوں کو قتل کر کے کی قدم بڑھ گئے 'ان کے حملے سے یہ خوف ہو گیا تھا کہ اگر یہ ہی حالت رہی تو شاید راجپوت مسلمانوں کو مغرم کر دیں 'لیکن ایک طرف سے ملک کافور نے اور دوسری طرف سے خضر خاں اور ممتاز خاں نے پوزور حملہ کر کے دشمنوں کو

روکا۔ ان کے حملے کرتے ہی مسلمان بھی سنبھل گئے اور انہوں نے بھی پلٹ کر شدت سے حملے شروع کر دیئے پھر زور و شور سے جنگ ہونے لگی، پھر خون کی ندیاں بہہ نکلیں پھر کشتوں کے اتھار لگ گئے۔"

لیکن رفتہ رفتہ دن چھپ گیا۔ اور آج بھی جنگ کا نتیجہ برآمد نہ ہوا دن چھپتے ہی راجپوتوں کے لشکر میں واپسی کا نرسنگا پھونکا گیا اور راجپوت سٹ سٹ کر اپنی فرودگاہ کی طرف لوٹنے لگے، مسلمان بھی پیچھے ہٹ کر یک جا ہوئے اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑے۔"



## حسین محسنہ

اب تک راجپوتوں کے سترو ہزار آدمی مارے جا چکے تھے اور پانچ ہزار کے قریب زخمی ہو گئے تھے، مسلمان ڈیڑھ ہزار شہید ہو چکے تھے اور دو ہزار کے قریب زخمی ہوئے تھے، راجپوتوں کے مرنے کی تعداد اس وجہ سے زیادہ تھی کہ ہاتھیوں نے بھی کئی ہزار جوانوں کو کچل ڈالا تھا، مگر پھر بھی زیادہ تر مسلمانوں نے ہی قتل کئے تھے ہاتھیوں نے زیادہ سے زیادہ دو ہزار آدمیوں کو روندنا ہو گا۔

میدان جنگ سے واپس ہوتے ہی سب سے پہلے مسلمانوں نے قضا نمازیں ادا کیں، پھر زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور اس سے فارغ ہو کر کھانا پتیا رکھا، عشاء کی نماز وقت سے کچھ دیر کے بعد پڑھی اور کھانا کھا کر سو رہے۔

آج بھی لشکر کی حفاظت پر ایک دست مقرر کر دیا گیا، صبح سویرے بیدار ہو کر انہوں نے نماز پڑھی، فتح کی دعا مانگی اور یہ سمجھ کر مسلح ہوئے گئے۔ کہ شاید راجپوت میدان میں نکلیں۔ لیکن راجپوتی لشکر میں کوئی حرکت نظر نہ آئی، جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ آج ان کا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں ہے، وہ بھی دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے خصوصاً زخمیوں اور مجروحوں کی تیمارداری میں لگ گئے۔"

دوسرے روز بھی راجپوت میدان میں نہ نکلے اور مسلمان بھی فرود گاہ میں رہے، شاہزادہ خضر خاں کو شکار کا بہت ہی شوق تھا وہ ممتاز خاں اور تقریباً سو سواروں کو ساتھ لے کر پشت کی طرف شکار کھیلنے کے لئے چل پڑے۔"

چونکہ اس طرف راجپوت نہ تھے۔ اس لئے کوئی اندیشہ کسی قسم کا نہ تھا، لشکر سے دور نکل کر ایک جنگل میں گھس گئے، اور شکار تلاش کرنے لگے، تھوڑی سی ہی جدوجہد کے بعد شکار مل گیا، ہرنوں کی ڈالیں نظر آئیں، شکاریوں نے انکے پیچھے گھوڑے ڈال دیئے ہرن کچھ

دور تو ایک ہی ڈار میں دوڑے لیکن جب سب طرف سے ان پرورش ہوئی تو وہ متعلق ہو کر بھاگ نکلے۔

شکار یوں نے بھی ان کا تعاقب کیا اور اس طرح وہ بھی چھڑ گئے۔ مگر شاہزادہ خضر خاں اور ممتاز خاں دونوں ساتھ ہی رہے 'شاہزادے نے تیر چلہ میں رکھ کر چھوڑا، تیر ہرن کے پچھلے پیر میں ترازو ہو گیا، زخمی ہرن پوری قوت سے بھاگا مگر تھوڑی دور چڑھی بھر کر بھول گیا اور قدرے دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔

ممتاز خاں نے بھی ایک ہرن کو زخمی کر دیا، اور یہ دونوں اپنے اپنے شکار کی طرف دوڑے، ممتاز خاں شرق کی طرف چلا اور شاہزادہ خضر خاں جنوب کی طرف۔

ہرن نے جوں ہی خضر خاں کو دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا تیزی سے بھاگا، شاہزادہ نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا، ہرن چھٹا گئیں، مارا بھاگا جا رہا تھا اور شاہزادہ کا گھوڑا اس کے پیچھے تھا، دیر تک دوڑ جاری رہی، آخر ہرن جنگل سے باہر نکل کر میدان میں دوڑنے لگا، شاہزادہ نے بھی گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا، انہوں نے نگاہ اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کہاں نکل آئے ہیں اور کس طرف دوڑے جا رہے ہیں۔

ابھی وہ میدان میں نکل کر تھوڑی ہی دور دوڑنے پائے تھے کہ ایک شیریں آواز آئی۔  
"دور! خضر ہے!"

خضر خاں نے فوراً گھوڑا روک لیا اور اب جو نگاہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے قریب ایک میل کے فاصلہ پر رانچہ توں کا لشکر تھا، وہ نہایت متعجب ہوئے اپنی اس عاقبت نامدیشانہ حرکت پر تاسف کرنے لگے، قدرت نے بڑی خیر کی وہ رک گئے، ورنہ ہرن کے تعاقب میں رانچہ توں کے لشکر میں داخل ہو جاتے، اور پھر خدا جانے کیا حادثہ پیش آتا۔

اب انہوں نے اپنے متنبہ کرنے والے کو دیکھا اس لئے کہ اس کا شہرہ اوا کریں بنوں ہی ان کی نگاہ لشکر کی طرف سے ہٹ کر جنوب کی طرف گئی اس طرف سے انہیں ایک مست شباب، حور بیکر، حسن جمال کی دیوی اپنی طرف کو بڑھتی نظر آئی۔

اسے دیکھتے ہی خضر خاں کا دل نور نور سے دھڑکنے لگا، وہ جلدی سے گھوڑے سے کود کر اترے، 'باگ ہاتھ میں پکڑی اور اس حسینہ کی طرف بڑھے جس کے حسن سے وہ تمام دواوی جھگڑا رہی تھی۔

حسینہ خود ان کی ہی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی، خضر خاں نے دور ہی سے اسے پہچان لیا، وہ ہی نازنین تھی جسے وہ وہ شیرہ صحرا کما کرتے تھے۔

اس وقت اس کے چہرہ پر آفتاب کی مستح کر نہیں پڑی تھیں جس سے اس کی صورت میں اس قدر چمک آگئی تھی کہ نظر بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا، جب وہ قریب آئی تو خضر خاں نے دیکھا، اس کے حیات بخش لبوں پر دل فریب تبسم تھا اس نے پاس آ کر کہا "آپ پھر آگئے۔"

خضر خاں نے اس کے منور چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔  
"ہاں میں آگیا، مگر خود نہیں آیا"

نازنین:- "زبردستی پکڑ کر لائے گئے ہو۔"

یہ کہتے ہی نازنین نے شوفی سے مسکرا کر شاہزادہ کو دیکھا۔

خضر خاں اس کی ہر اواد کو دیکھ کر لوٹ ہو جاتے تھے اس کا یہ شوخ انداز انہیں بہت ہی پیارا معلوم ہوا، انہوں نے کہا۔ "زبردستی بھی نہیں کی گئی"

نازنین بھی اس کے ہنسنے سے اس کے گلابی لب کھل کر سچے موتیوں کی لڑی سے زیادہ سفید و شفاف دانت نظر آئے اس کے رخ کے منور پر حسن کی روو و گئی، خضر خاں نے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

نازنین نے کہا۔ "پھر کیسے آگئے آپ؟"

خضر خاں:- کشش دل کھینچ لائی۔

نازنین:- لیکن اس لشکر کی طرف۔

خضر خاں:- اسے بھی کشش دل ہی کھینچے۔

نازنین:- مگر آپ جانتے ہیں۔ کہ تھوڑا سا بھی اور آگے بڑھ جاتے تو آپ کا کیا حشر ہوتا۔

خضر خاں:- مگر قمار کر لیا جاتا۔

نازنین:- یہ ہی بات ہے۔

خضر خاں:- میں آپ کا شہرہ ہی ادا نہیں کر سکتا، آپ نے دو مرتبہ میری جان بچائی ہے۔



نازمین :- جان بچائے والا ایثار (خدا) ہے مگر یہ فکّر آپ لے کر کیوں آئے ہیں۔"  
 خضر خاں :- راجہ رام دیو سے خراج وصول کرنے کے لئے۔  
 نازمین :- لیکن راجپوت اور مرہٹے تیرہ کرچکے ہیں کہ ہرگز بھی خراج ادا نہ کریں گے۔

خضر خاں :- سلطان خراج لئے بغیر نہ مانیں گے۔

نازمین :- خیر! مجھے ان باتوں سے کیا مطلب ہے؟

خضر خاں :- کیا تمہارے پانی اس جنگ میں شریک ہیں؟

نازمین :- ہاں۔

خضر خاں :- اور تمہارے پنا کا نام راجہ رائے کرن ہے۔"

نازمین : کچھ چونکی لیکن فوراً ہی حیرت دور کر کے بولی "شاید آپ کو غلط اطلاع ملی ہو۔"

خضر خاں :- ممکن ہے کیا آپ کا نام دیول دیوی نہیں ہے۔"

نازمین : پھر تعجب ہوئی مگر پھر سنبھلی "اور بولی یہ غلط اطلاعیں آپ کو کیسے پہنچیں۔"

خضر خاں اسے دیکھتے میں کچھ ایسے معصوف و منہمک تھے کہ انہوں نے نازمین کا حقیر

نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "اگر یہ غلط اطلاعیں ہیں تو پھر پتاؤ تم کون ہو؟"

نازمین :- میں پہلے ہی آپ سے عرض کر چکی ہوں کہ شاید ایک دن خودی آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے۔

خضر خاں :- اپنے پتا سے کہنے کہ وہ اس جنگ میں شریک نہ ہوں۔

نازمین :- یہ ناممکن ہے۔

خضر خاں :- کیوں؟

نازمین :- اس لئے کہ انہیں آپ کے پتا سے بڑا کدو ہے۔ وہ ان سے انتقام لینا

چاہتے ہیں۔

خضر خاں :- کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

نازمین :- یہ میں نہیں جانتی۔

خضر خاں :- تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تم سب کچھ جانتی ہو مگر بتاتی نہیں۔

نازمین :- اس ذکر کو چھوڑیے! آپ ارواہیں چلے جائیں تو اچھا ہو۔"  
 خضر خاں :- نہیں۔ ہم ایک ہی دو روز میں انشاء اللہ راجپوتوں کو شکست دے کر برہم  
 دیں گے۔

نازمین :- اس کا موقع ہی نہ آئے گا اور مسلمان مارے جائیں گے۔

خضر خاں :- کس طرح؟ ----- شاید راجپوت شب خون مارنے کا ارادہ کر

رہے ہیں

نازمین :- ہاں۔

خضر خاں :- اور یہ شب خون کب مارا جائیگا۔

نازمین :- ایک ہی دو روز میں۔ افسوس میں نے آپ کو وہ راز بتا دیا جس پر ہندوؤں کی

فتح پابی کا انحصار تھا۔"

خضر خاں :- اور تم نے مجھ پر یہ تیسرا احسان کیا ہے بلکہ صرف مجھ پر ہی نہیں تمام

مسلمانوں پر یہ احسان ہے۔

نازمین :- مگر میں نے اپنی قوم کے ساتھ غداری کی ہے۔ ایثار جانے مجھے اس کی کیا

سزا ملے گی۔

خضر خاں :- خوف نہ کرو۔ تم میرے ساتھ چلو! میں آج رات ہی کو حمیس دہلی روانہ

کروں گا۔ اعلیٰ حضرت تمہاری بڑی عزت افزائی کریں گے علیہ حضرت ملکہ عالم تمہاری شکر

گزار ہوں گی۔

نازمین :- آپ کا شکریہ 'میں نہیں جاسکتی' مجھے اپنے پانی سے اس قدر محبت ہے کہ

ایک دم کے لئے بھی انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔

خضر خاں :- لیکن اگر کسی کو معلوم ہو گیا کہ تم نے شب خون مارنے کا راز بتا دیا ہے تو

شاید تمہارے ساتھ سختی کی جائے۔

نازمین :- "میں برداشت کر لوں گی"

خضر خاں :- لیکن مجھے تو افسوس ہو گا کہ میری وجہ سے حمیس سختیاں برداشت کرنی

پڑیں۔

نازمین :- اس کا اندیشہ نہ کیجئے 'مجھ پر سختی نہ کی جائے گی۔



خضر خاں :- مگر تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتی ہو۔

نازمین :- اس لئے کہ میں ہندو کنیا (ہندو لڑکی) ہوں۔

خضر خاں :- مگر تم نے دو مرتبہ میری جان کیوں بچائی، پھر اس حالت میں جبکہ تم مجھے جانتی ہو اپنی قوم کا دشمن سمجھتی ہو۔ تمہارے پتائی مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔

نازمین :- میں خود حیران ہوں، اچھا اب زیادہ دیر یہاں نہ ٹھہریے کہیں کوئی آنے جائے۔

خضر خاں :- لیکن پھر کب ملاقات ہوگی۔

نازمین :- میں کچھ نہیں کہہ سکتی، آپ باتوں کو طول نہ دیجئے، یہاں ٹھہرنے میں آپ کے لئے خطرہ ہے۔

خضر خاں :- مگر میں آج فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔

نازمین :- فیصلہ اب شور کے ہاتھ میں ہے۔ وہی کرے گا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ اس وقت چلے جائیے۔

یہ کہتے ہی نازمین نے عجیب و غریب انداز میں ہاتھ جوڑے۔

خضر خاں کے دل پر گہرا اثر ہوا، انہوں نے "حسن کو اس قدر عاجزی کرنا زیادہ نہیں۔"

نازمین :- تب آپ چلے جائیے، مجھے ہر لمحہ اندیشہ ہو رہا ہے۔ کہ سپاہی آپ کو نہ دیکھ لیں، لشکر سامنے ہی ہے اور فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

خضر خاں :- تمہیں جب میرا خیال ہے تو میرے ساتھ کیوں نہیں چلتی ہو۔

نازمین :- میں نہیں جاسکتی۔ تم چلو۔ جلدی کرو۔

نازمین نے کچھ ایسی تیروں سے یہ کہا کہ خضر خاں کو سر جھلیم خم کرنا ہی پڑا اور وہ بادل نخواستہ وہاں سے ہٹ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور واپس چل پڑے نازمین بھی چلی گئی۔



## ممتاز خاں کی حیرت

خضر خاں اس بہت ملناز سے رخصت ہو کر چلے وہ بار بار اس کی طرف گھوم گھوم کر دیکھتے جاتے تھے، "سیم تن کھنڈار نازمین بھی پھر پھر کر دیکھتی جاتی تھی، اور چونکہ دونوں کے دل ملے ہوئے تھے اس لیے جب ایک گھوم کر دیکھتا تھا تو دوسرا بھی پھر کر دیکھنے لگتا تھا، اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تھے، آخر جب فاصلہ زیادہ ہو گیا تو نازمین نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اللہ اع کا خضر خاں نے بھی ایسا کیا، جب انہوں نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ اور جنگل میں داخل ہوئے تو انہیں ممتاز خاں ملے، ممتاز خاں نے کہا۔ "یہ آپ اس طرف کہاں چلے گئے تھے شاہزادہ۔"

خضر خاں نے کہا "کیا کہوں جس ہرن کو میں نے نشانہ بنایا تھا وہ کم بہت اس طرف دوڑا چلا آیا۔"

ممتاز خاں :- اور آپ نے راجہ پتوں کا لشکر نہیں دیکھا تھا۔

خضر خاں :- کچھ ایسی حماقت آفریں، ہوشی طاری رہی کہ مطلق بھی لشکر کو نہ دیکھ سکا۔"

ممتاز خاں :- خدا نے بڑی خیریت کی۔

خضر خاں :- ہاں بڑی خیریت ہوئی، ممکن تھا کہ میں ہندوؤں کے لشکر میں پہنچ جاتا۔

ممتاز خاں :- لیکن ہرن خود ہی رک گیا۔

خضر خاں :- ہرن۔ اس کا تو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہوا۔

ممتاز خاں :- کیا وہ زخمی نہیں ہوا تھا۔

خضر خاں :- حیر اس کے پچھلے پیروں میں بیوست ہو گیا تھا، اور وہ لنگڑا رہا تھا۔"



ممتاز خاں نے مسکرا کر کہا۔ "اوہ آپ میں سمجھا آپ اس ماہر کے دیکھنے میں منہمک ہو گئے اور ہرن بھاگ گیا۔"

خضر خاں :- بالکل یہ ہی ہوا۔ میں اس مست شباب کا فروہ کو دیکھنے لگا وہ انداز دل ر بلانا سے بدھ کر میرے پاس آئی اور مجھے تنبیہ کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ میں دشمنوں کے لشکر کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا اب جو میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہندو لشکر کا فروہ گھاڑ سانسے قنا نہایت حیران ہوا اور اس سیم تن کا شکر گزار ہوا۔"

ممتاز خاں :- ہوتا بھی چاہے تھا گویا وہ مرتبہ اس نے حضور کو دشمنوں سے بچایا۔

خضر خاں :- یہ ہی میں نے بھی اس سے کہا۔"

ممتاز خاں :- لیکن وہ وہاں کیسے گئی۔"

خضر خاں :- یہ میں نے اس سے پوچھا ہی نہیں شاید خدا نے اسے فرشتہ بنا کر مجھے دشمنوں سے بچانے کے لئے بھیجا تھا۔"

ممتاز خاں :- اس میں کوئی شک نہیں مگر وہ فرشتہ نہیں حور ہے۔

خضر خاں :- جیٹک حور ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا جیسے آفتاب اس کا گلابی رنگ چہرہ پر ہے۔

ممتاز خاں :- آفتاب میں یہ جرات کب ہے ہاں مگر یہ کہنے کہ پھولوں نے اس کا شہابی رنگ چہرہ پر لیا ہے تو کچھ ہے جائیں ہے۔"

خضر خاں :- خدا کی قسم اس کے گلابی رخسار سے دیکھ کر مجھے تو یہ ہی خیال ہوتا ہے کہ ماری دنیا کے گلابی پھولوں کا رنگ سٹ کر اس کے گالوں میں جذب ہو کر رہ گیا ہے۔

ممتاز خاں :- کیسی اچھی تشبیہ ہے۔

یہ دونوں آدمی باتیں کرتے ہوئے ہنگل سے باہر نکل آئے اور اب اپنی فروہ گاہ کی طرف بڑھنے لگے ممتاز خاں نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتائیے کیا کیا باتیں ہوئیں۔"

خضر خاں :- باتیں تو بہت کچھ ہوئیں مگر یاد نہیں رہیں۔

ممتاز خاں :- تعجب ہے۔۔۔۔۔۔ مگر کچھ تعجب بھی نہیں ہے۔"

خضر خاں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تعجب کیوں نہیں۔

ممتاز خاں :- اس لئے کام کی کوئی بات بھی نہ ہوئی ہوگی۔

خضر خاں :- نہیں ایک بات کام کی بھی اس نے بتائی ہے۔"

سارحان :- یہ بات ہے وہ۔

خضر خاں :- یہاں نہیں ملک کافور کے سامنے کموں گا۔

ممتاز خاں کو بڑی حیرت ہوئی اس نے کہا۔ کیا آپ ملک کافور کو تمام واقعہ سنا دیں گے۔"

خضر خاں :- تمام واقعہ نہیں بلکہ جس قدر ضروری ہو گا وہ بات ان سے ہی تعلق رکھتی ہے۔

ممتاز خاں :- آپ نے اس کا نام کیوں نہ پوچھا۔

خضر خاں :- پوچھا تھا لیکن اس نے نہیں بتایا۔

ممتاز خاں :- آپ نے کیوں نہ کہہ دیا کہ اس کا نام دیول دیوی ہے۔

خضر خاں :- یہ ہی کہا تھا مگر اس نے کہا کہ مجھے ملتا تھی ہوئی ہے۔

ممتاز خاں :- یہ بھید نہیں کھٹکا کہ اس کا اور انا کے باپ کا کیا نام ہے اور اس کے باپ کو حضور سے کیا خاصیت ہے۔

خضر خاں :- وہ اس معاملہ میں بالکل خاموش رہتی ہے۔

ممتاز خاں :- کیا وہ اس وقت تما تھی۔

خضر خاں :- ہاں بالکل تما تھی۔"

ممتاز خاں :- تب آپ اسے اپنے ہمراہ کیوں نہ لائے۔

خضر خاں :- میں نے کہا تھا۔ لیکن وہ آمادہ نہ ہوئی۔

ممتاز خاں :- وہ آمادہ نہیں ہوئی۔

خضر خاں :- وہ آمادہ نہیں ہوئی تھی آپ زبردستی لے آئے۔"

خضر خاں نے حیرت سے ممتاز خاں کو دیکھتے ہوئے کہا "زبردستی سے اٹھا لایا۔۔۔۔۔۔؟"

ممتاز خاں :- بے شک زبردستی اٹھا لایا جائے تھا۔"

خضر خاں :- کیا وہب اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

ممتاز خاں :- نہیں۔"

خضر خاں :- تہذیب اجازت دیتی ہے۔"

ممتاز خاں :- نہیں۔

خضر خاں :- اخلاق اجازت دیتا ہے۔



خضر خاں :- پھر میں کیسے لاسکتا ہوں۔

ممتاز خاں :- ان معاملوں میں ان باتوں کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔

خضر خاں :- وہ ادوباش 'غٹھے' اور لاندہ بھوتے ہیں جو ان باتوں کا خیال نہیں کرتے ہیں۔

ممتاز خاں :- لیکن فراق کی تکلیف۔

خضر خاں :- وہ ظواہ کتنی بھی ہو مگر اخلاق 'تہذیب' اور مذہب کے خلاف زندگی بھر کوئی حرکت نہ کروں گا۔

ممتاز خاں :- خدا کی قسم کس قدر نیک خیالات ہیں آپ کے یہ سب اعلیٰ حضرت کی تربیت کا اثر ہے۔

خضر خاں :- بے شک یہ انہیں کی تعلیم و تربیت کا اثر ہے۔

جس وقت یہ لشکر میں داخل ہوئے اور شاہزادہ کے خیمہ کی طرف بڑھے ایک افسر نے بڑھ کر شاہزادہ کو سلام کر کے کہا۔ "حضور انور کی تو تلاش کی جا رہی ہے"

خضر خاں :- کیوں؟

افسر :- اس لئے کہ اعلیٰ حضرت کا قاعدہ آیا ہے اور وہ فرمانِ سلطانی حضور کے گوش گزار کرنا چاہتا ہے۔

خضر خاں :- اچھا۔

وہ ممتاز خاں کو لے کر تیزی سے بڑھنے لگے۔



مسکے المزاج ہو جاتا تھا، تاکہ اس کے دل میں غم و غور پیدا نہ ہو جائے۔

جب صبح نے عبد اللہ بن عبد اللہ کو طم دیا تو انہوں نے کہا:

"جس چیز سے میں بچتا تھا وہی سامنے آگئی ہے میں ایک سسپا ہی ہوں، وہاں ہی رہنا چاہتا تھا، افسر کی ذمہ داریاں بہت جوتی ہیں اور میں ان کا اہل نہیں ہوں۔

صبح: کیا امیر المومنین کا انتخاب غلط ہے؟

عبد اللہ: اس بات کو تو خدا ہی جانتا ہے امت بھر میں بہت سی کمزوریاں ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس وجہ کا اہل زیادت ہو سکیں گے یا نہیں۔

صبح: امیر المومنین نے کچھ ٹھکر کر لی نہیں، عہدہ دیا ہے۔

عبد اللہ: اور میں امیر المومنین مجھے زیادہ ڈرتا ہوں۔ وہ مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوتے ہر شخص کا ضرر کھتے ہیں۔

پیر پر تو میں نے اسے انہیں ہر جا بد، ہر افراد ہر حال و سبب سلام کا ذرا زوال معلوم کر لیا ہے۔ میں انسان ہوں۔ غلطی کر سکتا ہوں کسی غلطی پر امیر المومنین کا جو عتاب نازل ہو گا اسے کیسے برداشت کروں گا

اور کوئی ان کے عتاب سے بچے پکائے گا۔

صبح: بھرا کر ادا ہے؟

عبد اللہ: جب کشمکش میں ہوں نہ تو یہ جان ہے کہ امیر المومنین کے حکم سے میری کاروں اور ذمہ داریاں تو لے کر لے

کی بہت برکت ہے۔

صبح: خدا کا نام لے کر علم اور۔

عبد اللہ: لینا ہی ہوتے گا۔

انہوں نے دھوکا دہرکت نماز پر بھی اور دعا مانگی:

"یا اللہ العظیم"

تو خوب جانا جو میں ایک جاہد ہوں، میں نے اپنی جان تیری راہ میں قربان کر دی

میں جہاد کرنے کے لیے وطن سے نکلا ہوں۔ چاہتا تھا کہ سپاہی بنا رہوں لیکن

امیر المومنین نے مجھے غمزدار کر دیا ہے۔ مجھے تو تین دے کر میں اس عہدہ کا

اہل ثابت ہو سکوں جو علم میرے لیے نہیں لیا ہے اس کے سایہ میں جہاد کروں سیرا

ناکام کروں اور تیری دوسرے نفع و فخر کرنا اصفان میں داخل ہوں۔ اے اللہ۔

میری شرم اور براہِ تیرے لانا ہے۔ مجھے رسولانہ ہونے دینا؟



انہوں نے علم یا اور اللہ کی ہر نعمت کو بوجھ سمجھا۔ جو مسلمان دین و وجود کے انہوں نے بھی ان نعمت کو انکار کیا۔  
عبداللہ نے علم اپنے لیے پر غیب کر دیا۔ لوگ انہیں مبارک رویت سے گئے۔



امروز میں جو مسلمان تھے انہیں جاسوسیوں کے ذریعے سب سے معلوم ہوا کہ انہماں میں محبوب کو لہذا فی حق میں جو خود نہیں یہ فوجیں کسی ایک مقام پر اور ایک جگہ کے تحت بھی نہیں تھیں بلکہ مختلف حالات پر اور مختلف افراد کے ماتحت تھیں۔

اصطفا کے دراصلہ کو جسے بھی کہتے تھے اور اصفا بھی۔ اصفا کا لفظ قرآن و احادیث میں استعمال ہوا ہے۔ اصفا کے معنی ہیں وہ۔ اصفا اور اس کے علاوہ کئی اصفا کے لیے یا پھر اس پر یا رکھنا تھا کیونکہ جس سے اصفا  
 اہل کلمہ نمازات کے پورے اڑاتے تھے تھے اصفا سے اس نے بارہ ہزار رोज اپنے پس منظر کو لکھی۔

اصناف اور اجواز کے درمیان بھارتی کسانوں کا فروغ اور اعتبار کی ایک بنیاد بنی اور مشہور جنگجو  
 خداداد سپر سبز اور سپر ساہو نے چین کی نقل اس کے کڑوی شہر ہزار چلو دینے کی ایک شاہی ولی اور  
 مرد آرا شخص تھا۔ اس کی بنا پر وہ وحتم تمام احسان میں تھی۔

[illegible]

اس قدر بڑی کڑکھائی۔

پھر میں نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو لے کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

۱۔ "ایک عرب، برائے نیکو، کبھی کہتے تھے، اگرچہ نیکو کا تعلق پرست تھے اس لیے جو کسی کی ماکرت تھے۔"  
(مصنف)

مخبر ہوتا ہے جیسے وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ بعض قزاقوں نے کہے ہیں۔ بعض نہیں روئے مگر ان کے دل دھڑکتے ہیں۔ جگہ جگہ ان کے دل تلخ ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو میدانِ لگ میں جاتے وقت کاکرنہ اور شہر نہ جاتے ہیں۔ اور علیٰ ہر حال ان کے کاکرنہ سے ملنے لگے ہیں۔

قرونوں کے مہمان مدنی ملک میں خوشی خوشی جاتے تھے اور موت سے نہیں ڈرتے تھے کہ موت کا  
ہے اور ضرور آئی ہے۔ موت کا وقت، جگہ اور طریقہ تقدر ہے۔ یہ وہ اپنے وقت، جگہ اور اپنے طریقہ

جب ایک چیز آنے والی ہے اور ایک جاننے والی ہے تو علم اور اس کی گواہی موت آنے تک اور نہ اس کے بعد ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی گواہی موت آنے تک اور نہ اس کے بعد ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی گواہی موت آنے تک اور نہ اس کے بعد ہو سکتی ہے۔

نہایت عجیب لگے گا ہے تم حضور ماریوں میں مغفہ ہوا۔

عزیز! میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے لئے بہترین کام کرنا شروع کر دو۔

ہم، اگر وہ شہید ہو گئے تو ان کے بچے بچہ کماں پائیں گے، وہ خدا پر مہر و برکت رکھتے تھے کہ خدا ان کی مخالفت نہ کرے گا اور اگر ان کا قصداً لگایا ہے تو وہ شہید ہو جائیں گے۔

اپنی عورتوں پر، اپنی لڑکیوں پر اور اپنے بچے پر اچھا چھوڑا کہ وہ جب سے واپس آئے، عورتوں کے وقت اپنی محفلت کے لیے لڑکتے ہیں اور مرد مسلمان جو زندہ ہے کہ گواہ کی عورتوں، لڑکیوں اور بچوں کو دشمنوں کے حوالے نہیں کرے گا۔ اس لیے انہیں کوئی خوف نہیں رہا تھا اور اکثر قریب اپنے جوی بچوں کو

اپنے ماترہ کھتے تھے۔  
 عبد اللہ بن عبد اللہ نے تدری شروع کی کہ  
 انہی نے ایک ماہر کی شریک۔ و میں میں انہی ایک ایسا شخص و عیہ جو انہی کے ماترہ سے اچھی

طرح واقف تھا۔ اس نے رابرٹ کو دھوکا دیا۔ اس کے صدمہ میں اسے چند مراعات دی گئیں اور قلعہ کی صورت میں اس سے اتفاق کرنا کام کو دھوکا دیا گیا۔ اکثر ذی انصاف ہی کے دل میں مسئلوں کے لیے دوسری اور باہمی کی نسبتیں

انکا کرتے تھے۔

دیوان لوگوں سے سوانحے جزیہ کے اور کوئی ٹیکس نہیں رہا تھا۔ البتہ گدہ کاشت کاری کرتے تھے تو ان سے بیدار کا دواں حصہ بطور اگڈاری کے اس کے علاوہ وصول کیا جاتا تھا۔

دیہیوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو مسلمانوں کو تھے۔ کسی دیہے سے ہنگامہ نہیں لیا جاتا تھی نہ انہیں دہلی و حیدر گھا جاتا تھا نہ ان سے ایسا بڑا کیا جاتا تھا جس سے انکی توہین یا دل آزاری ہو۔

ایک روز عبداللہ بن عبد اللہ نے اعلان کر دیا کہ دوسرے روز وہ اصفہان کی طرف کوچ کریں گے۔ ان کے لشکر کے سپاہی امرا میں رہنے والے مسلمانوں سے ملنے گئے اور دوسرے روز فوجی نہ پڑھتے ہی ان کو مدینہ لے اصفہان کی طرف کوچ کیا۔



## تاریک جنگل

(۳)

سین ٹاٹ سپہ سالار تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ نے انہیں سورتن کی لڑائی کے لیے بھیج دیا۔ یہ اسلامی لشکر اس طرح کوچ کرتا تھا کہ سب سے آگے پہلے جاتا تھا جس میں پانچ سو مسلمان ہوتے تھے۔ ہر آدمی کے پیچھے کئی میل کے فاصلے پر عبداللہ بن عبداللہ ماٹھے چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ چلتے تھے۔ ان سے چند میل کے فاصلے پر عورتوں اور بچوں کا قافلہ ہوتا تھا۔ اسی قافلے کے ساتھ آگے اور پیچھے سو مسلمان ہوتے تھے اور ان قافلے کے پیچھے چند میل کے فاصلے پر سین ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ چلتے تھے۔ اس طرح یہ فوج لشکر و درگاہ پہنچ جاتا تھا۔

عبداللہ بن عبداللہ نے یہ انتظام بھی کیا تھا کہ ہر آدمی کے آگے ایک روز پیچھے جاسو سولہ و غمزہ کی خبر لانے کے لیے بھیج دیتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ نہ آگے دن۔ ہر آدمی میں آگے تھے اور انہیں و غمزہ کی خبر خبریں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ پہلے کے افسر کے گوشہ گزار ہوتے تھے اور یہ افسر خود جاکر عبداللہ بن عبداللہ کو خبریں سناتے تھے۔

ایک مجازیدہ دن بھی تھا جو ہر آدمی کے ساتھ رہتا تھا۔ اشرافہ فتنہ تیار کر کے عبداللہ کو دکھاتا رہتا تھا اس فتنہ میں ہستیوں اور جانداروں سے لڑ جاتا تھا۔ عبداللہ کو ہر گدہ فتنہ دکھاتے تھے اور چاہا گراس فتنہ میں کوئی بھی ہوتا تھا تو اسے ٹیک کر دیتا تھا اور عبداللہ دوتا رہتا تھا کہ فتنہ تمام پر لیا۔ ہر گدہ کل نالی منزل پر پہنچا ہوا۔

ابو بکر امیر نے کچھ عرصہ کو صوبہ کر لیا تھا اور اس علاقہ میں داخل ہو گیا جس پر امیر دارا کی حکومت تھی۔ وہ علاقہ





ہا ہا نے مسکرا کر کہا:

لوڈی کو بٹھے اور بچے جو کھاتے ہیں۔

رفیقہ! اور وہ بھی غلاب کے کرٹوں پر رہے۔

ہا ہا: یہ مرنے کے لیے کی بات ہے۔ سنو!

صحت کے لیے کہیں چلتے ہیں کام

لام کے کرنے کی محنت چاہیے

رفیقہ! کیا مسلمان مردوں اور توں کو بچہ میں یہ محنت نہیں ہے۔

ہا ہا: تم میرا سبب نہیں سمجھیں۔

رفیقہ: تو صاف صاف بھلا تار۔

ہا ہا: کتنا یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے علاوہ دیگر تمام آدمی تو ان کے ساتھ میں فرما رہے ہیں کہ ہائیں گی اور ڈھانٹے

بلند کر ان پر ان پر یہی کی لیکن یہ سہو کیا کریں گی؟

رفیقہ: اب بھی۔

پھر اس نے شہادت سے مسکرا کر کہا:

”ہم انہیں غیر کے اندر پرزوں کے ڈھیر کے بیچ چھپا دیں گے۔“

سہو نے ہنس کر کہا:

”اٹھ اٹھ۔ ایک تھوڑی سی تو بہتر نہ ہو۔“

ہا ہا نے سید تان کر کہا:

”کیا اس میں کچھ شک ہے؟“

سہو نے جواب دیا:

”بالکل ہی نہیں۔ اس بات کو دیکھ کر تو دشمنوں کی صفوں کی صفیں خود بخود ہی بچھتی ہیں جانیں گی۔“

”کہہ کر سہو ہنس پڑا۔“

ہا ہا بڑھ چلا۔ رفیقہ نے ہا ہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

”ہا ہا کی دلیری تو تم ہی کی ہو گئیں مگر اچھا کون۔“

سہو نے کہا:

”اگر ایسا وقت آئے تو میں تم دونوں سے آگے دوں گی۔“

ہا ہا: کیوں نہیں۔ یہ نازک بازو اور نرم گلہ جیسی ہتھیلیاں اور مرٹا یہ۔

سہو! یہ نازک بازو تو لہو اور نرم گلہ ہتھیلیاں کو اپنی جانتی گی۔

سہو کا چہرہ جھٹ سے سرخ ہو گیا۔ وہ شیر دل ہا ہا سے ملو کہ بھڑکے گی۔ ہا ہا اور رفیقہ اس کے

جس پر سے کودنے لگیں۔





## خفائے عرب (عربی ہرنی)

(۳۱)

جدا اللہ رحمہ اللہ نے چند روز تو اس خفاک جنگل میں قیام کیا کیونکہ جب کئی روز ہو گئے تو انہیں یہ خیال ہوا کہ دشمنوں کے اس اندیشے سے کہ وہ جنگل کے مہینے پر فوجیں بھیجیں، اس جگہ پر شرارتوں بڑھائی ہوئی بات ہے۔ اگر امیر المومنین حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کو ان کی اس کم ہمتی کی اطلاع ہو گئی تو وہ ضرور دشمنوں کو ہوں گے۔

چنانچہ انھوں نے تمام اچھے بڑے افسروں کو اپنے خبر پر طلب کیا اور ان سے کہا:

”ہم نے بڑی عقل کی کر دہی کے اندیشے سے یہیں تنہم ہو کر رہ گئے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ خدا کا نام لے کر پیش قدمی کریں اور اگر دشمن جنگل کے کنارے پر ہوجو ہے تو اس پر حملہ کر دیا لیکن یہ میری رائے ہے حکم نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مشورہ دو کہ میری یہ رائے کہاں تک مناسب ہے اور کہاں تک غیر مناسب ہے۔“

ایک صحابی نے کہا:

”اگر مجھے پہچنے ہو تو میری رائے یہ ہے کہ ہمیں کالے رُخ کا ایک دشمن پر حملہ کرنا چاہیے۔ یا تو وہ پیچھے ہٹ کر ہمارے گئے رُخ سے کاٹ دے گا یا ہمیں اس کے کیمپ میں جگہ شروع ہو جائے گا جو خدا کا مشورہ ہو گا اور کہہ گا۔“

ایک دوسرے افسر نے کہا:

”میرا رائے جاسوسوں نے ہمیں سنا دیا اس ڈاکٹر احتیاج کرنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے اندازہ ہے کہ میں انھوں

نے اپنے جہنم ہول کی جہدوں میں تو ہمیں یہاں تک روک دیا ہے۔“

جدا اللہ رحمہ اللہ! کسی سے بد نظمی مناسب نہیں ہوتی۔ اگر انہیں اپنے جہنم ہول سے کوئی جہدوں ہول تو وہ جس ہول روک کر انہیں ہم پر چڑھاتا ہے۔ یہ بات ہمیں اپنے دلوں سے نکال دینی چاہیے۔

سید امیر نے یہ بات درست ہی کی۔ جاسوسوں نے یہ نظریہ شفقت میں ایسا مشورہ دیا ہے۔ جس ان سے بدظن نہیں ہونا چاہیے۔ بہت رشتے ہو رہے ہیں جن کی اپنی سختی کو روکنا نہیں چاہیے تھا۔ جہنم کے مجبور پر جہاد کے بے نفع ہیں۔ شکوت ہم سب کی عین قنہ ہے۔ ہمیں آگے رُخ کر دشمنوں پر جہاد کرنا چاہیے۔ لیکن گریہ جو فانی تہذیب پر کچھ کما بھی لا حاصل ہے۔ ہم آگاہ ہیں۔ البتہ خدا کا حکم ماننے اور مشورہ کا اطلاق ہے۔ میرا رائے کہ ان کا امیر کا رائے بہت مناسب ہے۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے اور دشمن سے متبادل ہو جائے تو اس پر فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔

اور اب لوگوں نے بھی اسی بات کا اتنا شک کیا:

جدا اللہ رحمہ اللہ!

”ابھی تو جنگ کو اب ہو گا تمام مسئلہ میں اعلان کر دو۔“

چنانچہ مجلس عورتوں پر غصہ ہو گئی اور افسر نے اپنے دستوں میں کوپ کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے اس وقت سے متحرک تیار ہو کر نکلی۔

چونکہ جنگل تاریک تھا۔ دھوپ تو میں تک نہیں پہنچی تھی اس لیے پھر اور دوسرے جانور اور بہکرت تھے۔ اگر مسلمانوں کو اعلان نہ کرتے تو انہیں جانوروں کی بدولت بڑی ازیتیں برداشت کرنا پڑتی مگر عین سے پھر اس طرح کا فائدہ ہے جس طرح وہ حملہ سے بچتا ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو نہ سنا سکے۔

اس تاریک جنگل میں چند ہی روز پہلے سے مسلمان گھیرا تھے۔ یہ کہ نہ دھوپ آتی تھی نہ روشنی اور نہ تاؤ ہوا آتی تھی نہ فرحت تھی بلکہ ماحول گھبراہٹ میں تھا۔ اس لیے مسلمان اس سے گھلنے کے لیے اپنے جہین تھے۔ وہاں سے کوچا کا اعلان اس کو انہیں بڑی خوشی ہوئی۔

○

دوسرے روز مسلمانوں نے اسی ترتیب سے کوچ کیا جس ترتیب سے وہ یہاں تک آئے تھے۔ جاسوس یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ابھی کچھ روز اور وہیں ٹھہرے وہیں لیکن جدا اللہ رحمہ اللہ! اس بات کو سن کر وہ کیا اور جاسوس

شکر کا ہے۔

جنگل کا دور درگ پھیلا ہوا تھا جب لشکر اس کے کھدے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اچھی دلدل سے گزر گئے ہیں۔ وہ کسی طرف گئے ہیں یہ معلوم نہ ہو سکا جس جگہ وہ مقیم ہوتے تھے مسلمانوں نے بھی وہیں تیار کیا۔ خدا خدا کہے جنگل سے نکلے۔ دھوپ، ہوا اور روشنی میں آئے۔ بازو ہوا میں ماسوں کی آواز کا گھنسا بھرا رہا۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

جس بھی لشکر کا پتہ لگنے کے لیے روانہ ہوئے۔ راہ پر نہ بتایا کہ کھدے اس قدر کے طعنہ میں داخل ہو کر اس کے دروازے کے قریب پہنچے ہیں۔ چونکہ اس جنگل میں جیسے مسلمانوں نے پور کیا ہے، عزرائیل اور جہنم سے کثرت سے ہوتے ہیں اس لیے اس کے قریب آبادی نہیں ہے۔ یعنی اس جنگل سے بہت ڈرتے ہیں اور اس کے اندر گھسنے کی جرأت نہیں کرتے۔ آٹا کھا جنگل سے کئی منزلہ کے باہر ہے۔

مسلمانوں نے ایک سبز تو جھنگل کے کنارے پر ہی قیام کیا۔ دوسرے روز آگے بڑھے اور جہنم کے کنارے پر جا ٹھہرے۔

یہ ایک پُر خفا میدان تھا۔ اس میدان میں کچھ سنہری رنگ کی بڑی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ اس میں کہیں کہیں آکا دکان درخت تھے اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈے تھے۔ اس سنہری گھاس کے میدان میں جہنم کی آواز ابھرنے لگی۔ چونکہ اس کے کناروں پر میدان پھیلا ہوا تھا اس لیے دور سے دیکھنے پر دریا کا سفید پانی بہت ہی جلا صحت ہوا تھا۔

جب مسلمانوں نے مشکاف کا رخ اٹھاتے پڑھے تو چاند نکل آیا۔ سفید چاندنی مارے میدان میں پھیل گئی۔ آسمان سے نور کی بارش ہونے لگی اور اس نور پر درخت، گھاس، پھوسے، نیچے، سائیں کہیں، انسان اور مویشی مہربان گئے بہت ہی پُر کین منظر تھا۔

اس وقت مسلمانوں کا بایا، رفیدہ اور چند دوسری لڑائیاں مبراہہ سے باہر نکل کر کھینے اور جاگ دوڑ کرنے لگیں۔ کئی میں پانچوں جھنڈے اور نئے خون میں نیچو نشیں اور نئے جوش میں نئی نئی انگلیں ہوتی ہیں۔ پیسہ کہیں رہی نہیں، گوردہ رہی نہیں، اچھل رہی نہیں اور ہلک رہی نہیں، کوئی چور بھی تھا اور وہ کئی درخت کو چہرے دیکھ نہیں، اس کے آگے سے پہلے سب لڑا کیا۔ دو دو دو چپ جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ رفیدہ چور آیا۔ وہ غریب کا درخت چھنے لگی۔ مسلمانہ درختوں کے اس جھنڈ کی طرف دیے قدموں چلی چوڑاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

وہ اس جھنڈ میں پہنچ کر رفیدہ کو دیکھنے لگی۔ رفیدہ مٹانے سے آگے ہوتی نظر آ رہی تھی مگر اس سے دور

نھی اور ڈر لکھ جانے کہاں چپ لگی تھیں۔

وہ ایک درخت کے تنے سے لگی کھڑی تھی۔ دفعتاً اس نے ایک گرجا راز سی؛

کھڑی ہے؟

وہ ایک آواز چل پڑی۔ اس کا تارک دل دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے پٹ کر دیگی۔ ہر طرف سبیل کھڑے تھے۔

مسلمانہ نے لمبی مٹانے سے کہا۔

اؤ۔ تم۔ تم۔ تم نے تو ڈر رہی دیکھو۔

سبیل نے کہا۔

مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے نہیں ڈرا۔ بات تم خون سے خستہ شرب کا طرح اچھل پڑی۔

مسلمانہ نے ہوشیار لٹکائیوں سے انہیں دیکھ کر کہا۔

یہ تم آگاہاں سے گئے اس وقت؟

سبیل نے جواب میں کہا۔

کیا نہیں؟ میرا پروردہ کی حفاظت اور نگران میرے ذمے ہے۔

مسلمانہ حلو کہے۔ اچھا تو تم حفاظت اور نگران کر رہے تھے کیا نہ۔

سبیل میں اس طرف آ کر تھا۔ میں نے دختران عرب کے کھینے کا آواز سنی۔ قہقہہ ہوا کہ مبراہہ سے

باہر نکل کر کہیں کہیں رہی ہیں۔ میں جان تم سے دور درختوں کے اس جھنڈ میں آ کر کھڑا ہوا۔ تم لوگوں

چٹکائی، میں نے پہچان لیا۔

مسلمانہ نے حیا بانگروں سے انکار کر دیکھ کر کہا۔

پہچان لیا۔ کیسے؟

سبیل: خدا سے بلویر جو ستارے لگے ہیں وہ چاندنی میں چھلکا رہے ہیں۔ ان ستاروں سے میں نے نہیں پہچان لیا۔

مسلمانہ: مگر تم نے مجھے ڈرا کیا؟

سبیل: میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تم درگرا چل پڑو گی۔ پھر میں نے تو قہیرا بہت سے آواز دی تھی۔

سداقہ خوب۔ یہ آج بھی کی آواز تھی جو مجلس سے میدان میں گونجتی تھی۔

سیدنا: میدان جنگ کی آوازیں تو اس سے زیادہ ترش ہو گئی۔

اسی وقت میدان میں لڑکوں کی آواز آئی۔ کچھ وقت کے بعد رفیعہ نے نواز دی:

"سداقہ بر حلقہ نقلی آؤ۔ بابر کو چوہاں میں نے۔"

سداقہ نے سبیل سے کہا:

"اگر یہ شریر لڑکیاں بیاں باہر اور تیس روپے لیں تو۔"

سبیل: تم دوڑ کر آگے جاؤ۔ میں درختوں میں چھپا رہوں گا۔

سداقہ تیزی سے جھٹ سے باہر لگی۔ اس نے سداقہ سبیل کی طرف دیکھا۔ اس کی حسین صورت ہندوؤں

چمک رہی تھی۔ وہ ایک دم مڑی اور اپنی سبیلوں کا طرف دھڑی چلی گئی۔



سداقہ نے اسے نہیں دیکھا مگر وہ برابر اس کے چند سے چم سے اس وقت تک لگا رہا جب تک وہ نظر  
آتا رہا۔ دوسرے کمانے پر سب سے پہلے کھینچنے کے لئے گرا دیے اور سب محل قبضہ کرنے میں ہر دے  
گرایے۔

کچھ دور چل کر لشکر کے تیار کیا نیچے اور میدان نصب کر دیے گئے۔ اول انھوں نے کھانا تیار کیا۔ کھا  
اور پھر عادت کے ساتھ عید کے طہر کی نماز پڑھی۔

نماز سے فاضل ہو کر عبداللہ بن عبداللہ بیٹے کی تھے کہ وہ عاموس انڈ کے پاس آئے۔ وہ بتا رہا تھا  
گجراتی ہوئے تھے۔ ان کے چم و دے وقت ظاہر ہو رہی تھی۔ رنگ فنی پڑے ہوئے تھے۔ عبداللہ نے انہیں  
دیکھ کر کہا:

"خیر تو ہے۔ یہ تمہاری کیا حالت ہے؟"

اس میں سے ایک نے کہا:

"امیر۔ ہاکت اسی وقت بڑھ چکا ہے۔"

عبداللہ نے پوچھا:

"کیا تم نے دشمنوں کا کوئی لشکر دیکھا ہے؟"

عاموس: جی ہاں اور اتنا بھاری اس کہ ہے کہ ہم اسے شہر نہیں کر سکے۔

عبداللہ: کتنی دیر ہے وہ لشکر۔

عاموس: بہت قریب ہے۔ میں پوچھ گیا کہ آپ کے سامنے آئی ہے۔ ڈھکیا دل لشکر ہے جیسے افق ہے

اُسی لمحہ۔

عبداللہ نے کہا:

"لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔"

یعنی: نہیں ہے مددگار اور نہ قوت مگر سوائے اللہ کے۔"

انھوں نے عاموس سے کہا:

"قرآن و سبیل کی نیاد کی کثرت کا ذکر کر کے ہیں ڈھانا چاہا۔ تم نہیں جانتے ہم وہ قسم ہیں جو دشمنوں  
کی کثرت سے نہیں ڈرتے۔ ہمارے دلوں میں سوائے خدا کے کسی کا خوف نہیں رہتا۔ اگر خدا نے ہمارے ہاتھوں میں  
تمہارے سوا کسی کا ہاتھ نہیں دیکھا کہ وہ کب وہ جڑے۔ تم یہ نہ بتاؤ کہ مقابلہ کرنا  
میں جیسے ہے اس سے آگے۔ شہر کو کھانا میدان اس سے بڑا ہے۔"



## خونفک خبر

(۲۶)

یہ میدان میں اس کی لشکر فرار کشتن کا ارادہ کیا تھا۔ اس کا منتظر و انتظار قرب تھا۔ جی جانتا تھا چند روز وہی قیام ہے لیکن عبداللہ نے اگلے روز ہی وہاں سے کوچ کر دیا۔ چشمہ باب تھا۔ اس میں سے اوٹ گھر سے پھر پیدل سب گزرتے۔

محمی میں میں محمد علی اور لڑکیوں سوار تھیں جب چشمہ میں سے گزر رہے تھے تو لڑکیوں نے محلوں کے پردے الٹ دیے اور پانی کے جلا کا تارہ دیکھنے لگیں۔

آفتاب کی شعاعیں پانی پر امیزہ پر محلوں پر اور محلی نشینوں کے گھروں پر ٹوٹ رہی تھیں۔ مسرت و جوش کی طرح اب پھر وہی اور معنی وارٹھ ہوئے تھے جس کے ایک طوطا جاند کی کے چاندور سارے پتے پر تھے۔ مانہ سہارے ایک چاہ خانی کی پر تھے ہوئے تھے۔ وہ اس جی کو اس اور محلی لڑکی لیتی تھیں جسے وہ اور جی تھی۔

ایک توفانی جی تھیں۔ دوسرا جب چاندور سارے اس کی بیٹائی پر آجالتے تھے تو وہ اور جی حسین معلوم ہوئے تھی۔ جب آفتاب کی شعاعیں ان چاند سناہوں کو جھلکا دیتی تھیں تو اس کے چہرے میں ہلکیاں کودنے لگتی تھیں۔

جب سہارہ کا محلہ دوسرے کنارے پر پہنچا تو ایک ایرانی ایک جھنڈ میں بیٹھا بڑی صحت جی نظروں سے سہارہ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی ایرانی تھا جو ایک مرتبہ پہلے بھی ایک دریا کے کنارے پر سہارہ ان میں دفعتاً ان عرب کو گھورتا رہا تھا اور جسے پہلے نے ڈانٹا تھا۔

باسمیں۔ اس سے آگے جو میدان ہے اس میں ایرانی لشکر ٹھہرا ہوا ہے۔

عبداللہ: اگر باجیں ہیں دشمنی کا انتظار کرنا چاہیے۔

باسمیں: صاحب تو یہ ہے اور اگر محلی ہو گئے تو ہمارے سے مدد طلب کر لیں۔

عبداللہ: جارا خدا پر صبر ہے۔ وہی طریقہ درگاہے گا۔

اسی وقت عبداللہ بن عبداللہ نے لشکر میں اعلان کر دیا:

”الصلوة یا مجاہدین فی سبیل اللہ“

یعنی نماز کے لیے آؤ اسے مجاہدو۔ نماز کے لیے آؤ۔

اسی زمانہ میں شاہی کابی دستہ توفیقہ جو کہ دو دہندہ جو نماز کے لیے مخصوص تھا کر رہا تھا اس سے لوگوں نے گھبرا کر کئی خاموشیاں کی۔ امیر کو کھانہ ملا رہا تھا۔

لوگ جوق دو جوق مسجد لے میدان میں آ کر جمع ہوئے گئے۔ جارا خدا مقررہ جی اعلان پانچ گھنٹے اور دہندہ سے گھر لوگ گئے تھے۔

جب سب جمع ہو گئے تو امیر نے کہا:

”یا ایہا المسلمین! (اے مسلمانو!)

مجھے ہاں سے اس کی اعلان دتی ہے کہ جو حسین کا ایک عظیم الشان لشکر ہمارے ساتھ آج تک۔

لشکر اس قدر زیادہ نکلتے ہیں کہ شہر میں کہیں نہ سکتے۔ مزارعہاں بہت ہے کہ اس لشکر کو دیکھ کر چھایا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اس کا اعلان نہیں کیا کیونکہ یہ بات ضرور معلوم ہو گئی ہے کہ وہ لشکر خدا میں ہم سے کہیں زیادہ ہے۔

باسمیں نے یہ بھی بتا دیا کہ جس میدان میں ہم ٹھہر گئے ہیں اس سے اٹھ میدان درگاہے جس میں عربی لشکر ٹھہرا ہے۔

میری اہل بیت میں یہ جیسا لشکر ہے جس سے ہم ملنا ہوتے دے جی۔ میں اپنی جی کا ایک دو تارہ میں جس کا سر اہل بیت نے خلافت کر لیا ہے۔ کسی اور کی جان پر مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں ان لوگوں پر جو اس زمانہ میں خوشی سے اجازت دیا ہو گا وہ میرے ساتھ آکر میرے ساتھ رہنا چاہیے۔ جارا خدا کے لیے تیار ہو جائیو۔

عبداللہ خدا کو جی سے تو ایک چاہنے والا۔

ایک ایک چاہتے ہیں کہ ہم دشمنوں کی کثرت کی خبر سے کہ شہر چاہتے گئے۔ یہ وہی تھا۔ ہم حوائج خدا کے





## شرارت

(۳۲)

سید احمد اللہ سے رخصت ہو کر چلے، وہ رازدہ کے قریب سے گزرے۔ اتفاقاً سے بابہ نے انہیں  
 دیکھ لیا۔ اس نے آواز دی،  
 ”بھائی جان!“  
 سید نے دیکھا وہ دو گیلوں کے درمیان سے بھاگ کر رہی تھی۔ اچھلنے لگا،  
 ”کیسے بابہ؟“  
 بابہ: کہاں سے آ رہے ہو تم؟  
 سید: امیر کے اجلاسے۔  
 بابہ: کھینچ لگے تھے؟  
 سید: بتاؤ تاکہ کیوں لیا تھا مگر ڈر رہی ہوں کہ کہیں تم اور تمہاری سیدیں غورخزہ نہ ہو جاؤ گیں۔  
 بابہ نے ہنس کر کہا،  
 ”میں ڈر رہی ہوں؟“ خوب کھی تم نے۔ یہ تمہاری رفیقہ اور سدا ڈر رہی تھی تو مجھ نہیں۔  
 کسی نے بابہ کے زور سے چٹکی لائی۔ اس نے تڑپ کر ”سچا“ کہہ کے کہا،  
 ”کم سن۔ کم زور سے چٹکی لائی ہے۔“  
 سید گھٹکے کہ بابہ تھا نہیں ہے پھر اس کی سیدیاں بھی اس کے ساتھ چمدانوں نے ساتھ کوئی  
 آہنگی سے برد رہی تھی۔ ”یہیں بڑا دل بتاتی ہے۔“

بابہ: میں نے بڑا دل کہا۔

سید: ہمارا دل؟

”مگر بھی رہی ہے رفیقہ اور سدا ڈر رہی تھی تو مجھ نہیں۔“

سید: یہ کون میں تمہارے ساتھ بابہ؟

بابہ: رفیقہ اور سدا ڈر رہی تھی تو مجھ نہیں۔

یہ رفیقہ ہی تھی جس نے بابہ کے چٹکی لائی تھی۔ اس نے پردہ کے نیچے سے کہا،

”یہ میں ڈر چوک کچھ رہی ہے بھائی جان۔“

سید: یہ کب۔ کب سے بابہ نے تم کو سدا ڈر چوک بڑا دل ہو۔ اس نے قوی کہا تھا کہ مجھ نہیں کہ یہ

دونوں ڈر رہی تھیں۔

سدا بھی کھڑکی میں کھینچے رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی سیدیں نکلیں نظر آتی تھیں۔

اس نے رفیقہ سے مخاطب ہو کر کہا،

”تمہارے۔ وہ بابہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔“

بابہ نے سید سے کہا،

”بھائی جان۔ تم نے سدا سدا تم سے من پرگتی ہیں۔“

سدا: میرا کسی سے کیوں منہ ہوئی۔

سید: لیکن میں نے تمہاری غمزداری تو نہیں کی بابہ۔

بابہ: انہیں سمجھائیے۔

یہ کہتے ہی بابہ نے سدا کی طرف دو چٹکیوں سے دو اچھٹاڑے بے خبری کے عالم میں کھڑکی تھی۔

کبھی سے لکھی کر سدا کے گور پڑی۔ انہوں نے اسے منہ سے ہونے کہا،

”یہی ہیں۔ مجھ غریب کے گور پڑی کچھ ہیں۔“

سدا سدا سدا بہت زور سے کھڑکی تھی۔ سدا نے اسے چٹکی پٹکی بنا دیا تھا۔ بار بار اسے اس کی کھینچ

چٹکی مالتھیں۔ اس نے غور ڈال کر اسے دیکھ کر کہا،

”معاذ کیجیے یہ گستاخی مجھ سے نہیں ہوئی مگر بابہ نے مجھے دھکیل دیا۔“

سید: بابہ بڑی شر ہے۔

سدا: مگر وہ امیر کی سیدیاں آتا۔



رفیقہ نے جینگی سے کہا  
خیر، جس کا گھر ہے وہ  
نہیں، جو کہ تو سب بتا رہا ہے۔

دینا۔ یہ قسم کھا کر کہا:

گھر سے باہر نکلتے ہیں۔

مسودہ نہیں۔ تم دونوں مار غینا کرو۔

بہار : اللہ اللہ۔ مجھے تھارا جسم نکلے۔

سلسلہ : احسن میں کچھ شک ہے۔

رفیضہ : بالکل نہیں۔ کسی کے جسم کو اعزاء اس کے دل سے ہوتا ہے اور میں اس کی شادی دیتی چہیکہ خدا  
 والی میرے لئے ہے۔

سعدۃ اخذ اندک سے ۔ میرا دل میٹھ کر کاکھوں موتا۔

۱۔ سچ کہہ کر ہی جیتا۔ اگر ان کا دل بچھڑکا تو توبہ بھائی جانی کو دیکھنے کے لیے سراپہ مدد سے باہر نکالا جس نے نگاہیں۔

رفیقو! یہ بھی سمجھو۔

سہ ماہی اور خرید و بیع ۵۱ رو کی ہے۔

نہایت: کیسے کمزور تصور ہے جو حق تعالیٰ جان کے سامنے جسے انکی مسکینا بڑی بھولی اصدیوں

انفیدہ، مگر یہ تجھی گئے کہ جو پٹا خانہ باقی کر رہا ہے وہ مسکین اور بھول نہیں ہو سکتی۔

لباب نے ان میں ہاں داتے ہوئے کہا:

خبردار! تم کئے ہو گئے۔ بیتر امتحان سے امتحان کے لیے کہ جی اؤنگریہ کیوں آئے  
شیر، جبر مانجھے، جی مانا اور گھنٹ کر، پڑا

بریلو: اچھا سی کاٹم نے۔ یہ تو بڑا دل سے ایک ٹیک کٹری رشتہ اور انس کٹڑا کٹھن۔

سنا کہ کبھی جلیب جالی، کبھی شرا جالی اور کبھی حبیبی پیشانی پر منگنی دکھانے کے لیے بی بی ڈالائی تھی حتیٰ کہ  
گرمیوں اور رفتوں کے لیے جلیب جالی تھیں۔

الطاف سے اداں ہو گئی اور یہ غنیمت ناز کے لیے چل گئیں۔

خدا پرست

②

چونکہ امیر بادشاہ نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کی ناکام کوششوں اور دشمن کے سبب مختار نے کالی بندش  
نہی اس لیے رات کو مسلمانوں نے لشکر کو، جنگل کے وسط میں اور دشمن کے ہتھیار پہنچے اس کے اور ہوشیار رہے  
نہایت ہر پہلو سے اس کے کراچیوں کے لیے کے دن رات بھر نہایت ہوشیار رہے اس لشکر کے گارڈ  
کے رہے۔

اس مشا کی سیکڑوں مہمان تیار کر رہے تھے۔ وہ مشا کی ناز پر شہر کو سوجھاتے تھے۔ پھر آدمی لڑتے کے بعد لاکھ کروڑوں کرتے اور تیرک کی ناز پر شہر تھے۔ نواز پر وہاں شریف کی قیادت کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ غریبوں کے غری کی ناز پر مہمان کے ساتھ شہر کو سوجھتے اور عیادت کے وقت آتے تھے۔

کثرت ہے ایسے مسلمان تھے جو بھی رات کو اٹھ کر دوڑ کر تے اور غر کی نازک و ترن شریف پٹے رہتے  
ایسے ہی مسلمان تھے جو ناک کی تان کے بعد تلاوت کی کم اللہ کی کرتے یا احادیث مقدسہ پڑھتے اور یاد کرتے۔  
پچھلے دور میں صبح کی ناز پر کھڑا کھجور کی غلات کرتے اور جانتے کی ناز کے مسلسل تلاوت میں مشغول  
رہتے تھے۔

فرخندہ ایسے مسلمان تھے جو ہر وقت مذاکرات کر رہے تھے۔ اسی کے ذکر سے انہیں فرصت ہوئی تھا۔ قرآن کو پڑھتے اور اسی پر عمل کرتے تھے۔

حقیقت میرا جبہ اذیتا۔ مسلمان کسی قوم میں خدا کی یاد سے غافل نہیں رہتے تھے۔ عورتیں نہ نکاح اور نہ دیگر امور  
میں اللہ سے واسطہ رکھتی تھیں۔ دفعہ اول اس کتاب کا تیسرا باب مذکور ہے۔ جو کہ مجھے مشورہ کی تعمید کا گرجہ میں اسی لیے





انہیں امیر عبد اللہ کے پاس لے جایا گیا۔

امیر عبد اللہ نے کہا:

”کیا خبر ہے تمہارے یہ بچے والے عجمی نہیں ہیں؟“

ان میں سے ایک نے کہا:

”میری خبر یہ جو ہم کہتے ہیں امیر“

عبد اللہ: سناؤ۔ کیا خبر ہے جو تم

جاسوسی: ایسا لشکر کو قنداری خبر ہو گئی ہے اور وہ رنگ زار کے گھوڑوں کی طرح قناری طرف بڑھ چکا ہے۔

عبد اللہ: یہ امر تو یقینی تھا۔

جاسوسی: ایسا لشکر سب کی طرح بھاڑا ہے۔ اندیشہ ہے کہیں یہ قندار قندار لشکروں کے سامنے نہ

خانا کی طرح بہہ نہ پائے۔

عبد اللہ: اس کا اندیشہ نہ کرو۔ یہ بناؤ وہ ہم سے کتنی دور ہے۔

جاسوسی: بہت قریب آگیا ہے۔ اتنا قریب کہ ان کے گھوڑوں کے ہنسنے کی آواز یہاں بھی

عبد اللہ: اچھا ہوا۔ خدائے عشق کو یس بھیج رہا ہے۔ میں خود اس طرف بڑھنے کی فکر میں تھا۔

جاسوسی: نہ جرت ہے امیر عبد اللہ کی طرف دیکھا۔ ایک جاسوسی سے منہ ڈال گیا۔ اس نے کہا:

”اب اس بے عمد لشکر کی طرف بڑھنا چاہتے تھے؟“

امیر عبد اللہ نے منہ لگا کر کہا:

”اے۔۔۔ ہم شہر کوں کو بھڑک رہے ہیں۔ یہ زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ ان میں دلیری اور استقلال نہیں ہے۔ انہیں تعجب

ہو رہا ہے میرا آتما سہا کر۔ مگر جب جنگ کی آواز روش ہوگی اور سہاں اس آگ میں کودیں گے اس وقت انہیں

اور بھی تعجب ہوگا۔ تم دیکھو گے کہ سہاں کسی بادی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جس طرح شیر بکریوں میں گھس کر

انہیں چیر پھاڑا کرتے ہیں۔ انشاء اللہ اس طرح سہاں انہیں چیر پھاڑ دیں گے۔

ان جاسوسوں نے سہاں کی جگہ نہیں دیکھی تھی۔ وہ ڈر رہے تھے۔ جرمیو کا بے عمد لشکر دیکھ کر انہیں

تعجب تھا۔ امیر کے استقل پر اور جرات حق سہاں کے ایمان پر۔

ابھی امیر عبد اللہ جاسوسی سے باتیں کر رہے تھے کہ خود ہوا۔ امیر عبد اللہ فوراً کھڑے ہو گئے اور

پڑ پڑاں بچے میں رہے۔

”سورج اوتا ہے دشمن کا لشکر قریب آگیا ہے۔“

اسی وقت کئی قندار ان کے قریب آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

”امیر۔۔۔ ہمارے لشکر کے سامنے اس قندار کو دیکھو۔ وہ بڑا ہے جیسے بڑے زور کی آندھی آ رہی ہو۔“

عبد اللہ: یہ عجیب لشکر کی آندھ ہے۔ اعلان کرو کہ سہاں کا ہوا جیٹ۔

فوراً اس بات کا اعلان کر دیا گیا۔ امیر عبد اللہ بھی سنا بولتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر چند لوگوں کے

ساتھ اپنے لشکر کی طرف بڑھے۔



افسر: بہت متعجب ہے۔ چلیے۔ لیکن اگر متعجب ہو تو سبیل کو مبرا اٹھا کر لاؤ بھیجے کہ جو مردوں کی حفاظت  
 کا منزل اختلاف کر کے فرود گاہ کے آؤں گا، اسے پرا بھیں لو، مردانہ کے وقت ہمیں مدد کریں۔  
 عبداللہ: میں خود ہی سرچ رہا تھا۔

خون نے ایک اڑان سے متعجب ہو کر کہا:

تیا اخی (اے جاننا)، تم سبیل کے پاس چلے جاؤ، جی سے کوئی دشمن آتا ہے، وہ اپنے ہمراہیوں میں سے  
 دو سوار سوار کر کے لائڈ لکھ کر اپنی مدد کے لیے مجھ کو مدد فرمادے، اسے سامنے کو فرود گاہ کے  
 کنارے پر کھڑے ہو جائیں اور جب تک ان کے پاس میرا دھیرے کسی نہ تمنا کا حکم نہ پہنچے برابر اپنی  
 جگہ چھ کھڑے رہیں۔ ہرگز جنگ میں شرکت نہ کریں۔  
 جب امرای چلے گئے تو انہیں دو کمرہ عبداللہ نے پھر کہا:

ان سے یہ بھی کہو کہ وہ مردوں کو اس بات سے آگاہ کر دیا کہ دشمن آ رہا ہے۔ اگر جنگ فرماتا ہو  
 بیٹھے تو وہ بھی مستعد رہیں۔ ممکن ہے انہیں بھی لڑائی میں سر بہا شہادت۔  
 امرای چلے گئے۔ عبداللہ میرا وطن دیکھنے کے بعد مرزا لڑا، آزاد باب بند لکھو، قریب آگیا، تاہم موسم  
 ایسا ہی ہوا کہ آج بھی بہت سردی آ رہی ہو۔

عبداللہ نے کہا:

لیکا مل ہو گا، لیکن وہ گون کا جن پر یہ بیمار لڑ کر بڑھا ہو گا۔

افسر: جی ہاں، اگر وہ بیمار میں اٹ گئے ہوں گے۔

عبداللہ: خیال یہ کہ ہے کہ آٹھ والا کی آنکھوں میں جھری ہو گا، اسے آتے ہی جھٹک کر سبک دے گا۔

افسر: اگلے ٹیک کیا آپ نے۔

عبداللہ: لیکن میں جانتا ہوں کہ آتے ہی جنگ فرمادے گا، وہ اس سے نہیں کر سکے ہونے آتے ہیں، وہ  
 ہم تازہ دم رہیں کہ اس لیے کہ مجھ کو کاڑا غصہ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ جنگ ایک اور طبقہ کے لیے  
 لڑنا ہے۔

افسر: اگر وہ جھڑپ کر لیا تو آپ کا کیا ہو گا۔

عبداللہ: یہ اس کا اہل نہیں ہے۔ ابتدا دشمن کا خون سے ہونی چاہیے تاکہ وہ غلام ٹھہرے اور ہم داؤد نہ کریں جس  
 سے ہم غلام قرار دے جائیں۔

اب اس کا ہندوستان دیکھ کر آئے اور عبداللہ کے پیچھے صاف رہے۔ افسر اسی علم

## بخوشی شکر کی آہ

(۳)

ابو عبداللہ شکر کی خدمت پر جا کر کھڑے ہو گئے، گناہ افسر بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہیں  
 ہوا جیسے آتی ہے آہنی بولہ بڑے زور کے ساتھ ٹھونک کر اپنے دامن میں لیے، رخصتی پٹی آ رہی ہو۔  
 خود سے دیکھتے ہیں، آہنی بولہ اور رخصتی پٹی کی جگہ

ابو عبداللہ نے کہا:

تو انہیں بہت شکر آ رہا ہے۔

ایک افسر نے کہا:

آپ اپنی ساری صفت بستہ ہونے کا حکم دے رہے ہیں۔

عبداللہ: قاعدہ کے متعجب ہے۔ کیوں یہ نہ ہو کہ خوشی شکر کا سید بہادر سے نکلا، جو آگے سے  
 ہاتھ باندھ کر ٹھونکتا ہے، پہلے چھٹا فرمادی ہے۔

افسر نے ایک اڑان سے کہا:

مشاہدہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فرود گاہ سے ٹھونک کر میرا میں صاف ہوتا ہوں، علم جو میرا دوستی نے  
 ہمارے لیے کیا ہے وہ سب سے آگے۔

امراؤں نے ہونے پر میرے اپنے ساتھیوں سے کہا:

اب ہمیں آگے بڑھ کر کھڑا ہونا چاہیے تاکہ ہم سے پیچھے جو میرا ہے اس میں ہر دین اسلام صحت  
 رہے کہ میں۔







ایوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ مجھ دن جو رہے تھے۔ جدا شدہ کے کہا:

اب انتظار کرنا ضرور ہے لشکرِ دایں ہوا جابجہ۔

چنانچہ اسکی لشکرِ دایں، گاہ میں دایں چلا گیا۔ یا عیسویس دایوں کا دستہ، لشکر کی مخالفت کے لیے گھسٹا۔

منتظر کر رہا تھا۔



## عندم

۳۱

ایرانی لشکر کے کسی بڑے اہلِ لشکر کے نزدیک گاہ میں چلی گئی تھی۔ مسلمان سارے بارِ عام ہی تھے۔ ان کی خبر کوئی سوچی۔ کچھ عداوت پسند آماروں کے مارے آئے تھے۔ گواہی آجکڑوں سے اجازت لے کر مجاہدوں کی خدمت کر کے آئے تھے۔

ان عداوتوں کا آہ تھا کہ وہ کمر باندھ کر تھے چلے، اپنے اور رات کو دوسری کسے کام میں آئی ہیں تھیں۔ جو عداوت پسند آماروں کے ساتھ آئے تھے وہ ان کے لیے کھانا بھی بکھنے تھے اور ان کے کپڑے بھی دھوئے تھے اور جو عداوت پسند آماروں کے لیے آئے تھے وہ اکثر عداوتوں کا کھانا بکھنے تھے، بارِ غرض مسلمانوں کی تیار داری کرنے تھے اور جب کبھی جنگ کا موقع ملتا تھا تو ان میں حصہ لیتے تھے۔

جنگ کے اپنے آماروں کے ساتھ آئے تھے وہ ان کی ہی نیچوں پر رہتے تھے اور جو عداوت پسند آماروں کے لیے آئے تھے وہ لشکر کے مختلف حصوں میں رہتے تھے۔ بعض دن ان کے لیے چھوڑا ہوا سامان کا نظام کر دیتے تھے۔ بعض کیمپ میں تیار رہتے تھے اور میں کے لیے کوئی نظام نہ تھا۔ عداوت پسند آماروں میں رہتے۔

یہ نظام کبھی کسی سے یہ غلطی نہ کرتے کہ دھوپ اور سایہ باریات کی خشکی انہیں تکلیف پہنچاتا ہے۔ بڑا کہ وہ عداوتوں کی خدمت کے لیے آئے تھے۔ اگر عداوت پسند آماروں کے لیے آئے تھے تو انہیں تکلیف نہ پہنچتا۔

ان عداوتوں کو بھی یہ خبر ہو گئی تھی کہ ایرانی لشکر آگیا ہے۔ وہ دن میں کثرت سے کھڑے ہونے لگے اور انہوں نے تمام لشکر میں پہنچا دی کہ جس نامہ دارانِ عراق سے جہاد ہو جائے۔

خداوند نے مغرب کی نماز کے بعد ایک جگہ جمع ہو کر اس بات پر بحث شروع کیا کہ انہیں کونسی عادت اپنے ذمہ لینی چاہیے۔

تکھی باتیں سنیں جو میں بٹلا دیکر:

جنگل نواز سے چمٹے کھانا تیار کر دیا جائے تاکہ نہ بڑھنے ہی مسئلہ کھانا کھانے کے میدان جنگ میں چلے جائیں۔

۱۔ رات بھر ان کے ہتھاروں اور تیز کے چاٹیں۔

۱۔ میدانِ جنگ میں انہیں پانی کی بجائے

مرض بہت سی دواؤں سے جو غلام کا ماحول دیر اس کا لشکر میں سرگام جا کرتے تھے۔

۱۔ ایک نوجوان نے کہا:

تجھے یہ خیال ہے کہ میرا خزانہ آج ہی ہے جو میں کہتا ہوں کہ منکر کے آگے تو اسے ہٹا دیتے ہیں۔ یہ بات یقیناً منکر کو دے گی۔ رات کو مسلمان کا ایک دستہ شہر کے طور پر گشت کرتے ہیں منکر کیلئے لگے۔ یہ دستہ رات بھر گشت بھی کرتے گا اور صبح اگر جنگ شروع ہوئی تو ان افواج میں بھی شریک ہوگا۔ جو اس رات بھر لگائے رہیں گے وہ صبح لڑائی میں لڑے گا جو اس وقت سے لڑا نہیں گئے اس لیے آج کی رات ہم گشت پر ہیں۔

میرے خیال میں یہ نیکو کام ہے، ہے گی۔

صِبِّ نَحْنُ اِسْمُ نُوْحٍ اَنْ كُنَّا نَجِدُكَ -

جہاں تک خلیفہ امیر عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے ان سے اپنے تجویز پیش کر کے جواب دیا  
عبداللہ نے کہا:

[illegible]

غلاموں پر امیر کی کشتی کا بڑا اثر ہوا۔ انھوں نے کہا

نہا۔ جہنم کے لشکر میں ہیں۔ فارے اعلان کی ہیں۔ ہم یہ فرم رہے ہیں کہ تم میں کوئی حکمدار نہ ہو۔ فرم رہے ہیں کہ تم کوئی آدمی نہ ہو۔

ایک صحفہ آئے گا: "پھر ب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم غلام ہیں۔ ہمارا کام ہی اطاعت کرتا ہے۔"

مبدأً: یہ تم نے درست کیا کہ تم تمام چرگوں پر غصہ کیا کہ تم لوگوں کی اس اہمیت کو نہیں دیکھتے۔ (اسم نے خدا کو اللہ کا نام لیا)  
ایک آزاد کو دو بیٹوں میں لکھ کر برابر کر دیا ہے۔ جتنا کام آتا کرے اتنی ہی غصہ کرے۔ جو خود  
کھائے وہی غصہ کر سکتے ہیں۔ جیسا خود چاہتے وہی غصہ کر سکتے۔ اگر غصہ کرنا چاہو۔ تاہم چاہو اس کا  
فہم سے زبردستی کرنا نہ۔ اس حالت میں خود زادہ کام کرے۔ اگر کوئی کام خدا کا فہم سے بہر  
ہے خود اس کے کرنے سے انکار کر دے۔

خدا: میری باتوں کو کھانا ہیں۔ چارے کے آٹا جو اپنی لودھ گھنٹے پر لیکن جیسا کہ میں فرما رہا ہوں کہ جیسا کہ میں فرما رہا ہوں۔  
فرما رہا ہوں چارہ کا ہے۔

عبداللہ: یہ تمہاری سعادۂ مستند ہے لیکن میں ایک بات کا اعلان کروں۔ وہ یہ کہ امیر المومنین حضرت غفرلہ کا حکم ہے کہ کوئی آقا اپنے شکم سے اس کا لطف سے نواہہ گا نہ لے۔ اسے حق پروردگار دیکھ جائے۔ اسے ناک نہ سکے۔ جو وہ ابھار کر دے جس پر مزاحیہ لڑے گی۔ میں تم کو گروں سے حق کو نہ لاکر تم سے اگر کوئی آقا اسے تنگ رکھنے سے باز رہا کہ اپنے آپ سے یا کہ اپنے پیچھے میں کام و راحت میں رہنے والوں سے اس سعادۂ عظیم پر تم کو بھی اطلاع دوں میں اس سے باز پرس کروں گا اور اگر اس کا جواب معقول نہ ہو تو اسے صابرا و خیرین کا خدمت میں رکھ دوں گا۔

نہ کہہ سکتے تھے!

مجھ کو ہمارے آقا جبریل علیہ السلام نے۔ ہمارے ساتھ ہمارا کاتب لکھنے کے لیے بھیجا۔ میں اپنے ساتھ لکھنے کے لیے اپنے ساتھ لکھنے کے لیے۔ میں ذلیل و حقیر نہیں سمجھتا۔ اللہ نے ہم پر اور ہمارے عقیدے پر ایسا کیا کہ ہمیں بحال رکھا اور اسے حق تسلیم کر لیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ فرشتوں کے کھانوں کی کھانہ کھاتے ہیں۔ خود کی قسم نہیں مانو گرجا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ حواؤں میں اسٹوک ہوتا ہے۔ بے چاروں کو اس قدر رنگ کیا جاتا ہے کہ زندگی سے موت کو اچھا سمجھتے ہیں۔

ہم نے جیسا کہ ان کے خلاف کو دیکھ دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ان سے پیغمبرؐ کو جھجھاتے ہیں۔ اگر ان کا کہنا ہے کہ ان کے لئے قرآن کو کوڑے سے لٹا دینا ہے۔ ان کے جہنم کو ان کا جہنم تھا۔ اگر چاہو جو کہتے تھے تو میں نے جہنم کو جہنم بنا دیا۔ برابر ان سے کہا گیا تھا کہ یہاں تک کہ بعض بے چارے سے سسک سسک کر رہ جاتے تھے۔ وہ ہیں جو کفار کے ہم رنگ کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ کافر جیسا ہیں ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنے۔ وہ عقائد نہیں جانتے تھے جیسے

ہم خود کریں مگر انسان کی صفات ہیں۔ انسان ہیں۔ ہم سے آقا ہیں اپنی اور دیکھتے ہو محمد یہ اللہ کا لکھا نام ہے

اللہ کے رسولؐ اور میرا کہو مسلم کا یہی ہے اور اللہ کا یہی ہے۔

عبداللہ تم نے کہا کہ میں یہاں جاؤں گا کہی افلاک کرنا ہے اس سے میں بھی کہ شاید تمیں ہر اس میں بچاؤ ہے۔

عبداللہ یہ بات نہیں ہے۔ میں بھی اس میں بے جا ہوں نہیں ہر اس کے پاس سے ہمارے ساتھ بڑا سونہ کرنا ہے۔ میں نے یہ بات اس لیے کی تھی کہ ہم اپنے آقاؤں کے حسبِ سلوک سے غور نہ ہو جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم غلام نہیں ہے مگر یہ ہم اپنے ہم آقاؤں سے کہتے ہیں کہ ہم غلام ہیں اور اللہ کرنا چاہتا ہے۔

عبداللہ نے کہا:

اللہ کا شک ہے کہ اللہ کی تعظیم کا یہ اثر ہے کہ آقاؐ انھیں کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور اللہ اپنے آپ کو اللہ کا ہی اچھا بنے ہیں۔ یاد رکھو خدا آقاؤں اور غلاموں کو اس کا وجود ہے۔

خاکے جواب میں کہا:

اور ہم خدا سے اس کے مشق میں۔ اس وقت میں ہم حوصلہ نواب کی کثرت سے آپ سے ذات کو گشت کرنے کی جاہل تھے کہتے ہیں:

عبداللہ نے کہا:

اور میں بڑی خوشی سے اس بات کی اجازت دیتا ہوں جو دستہ میں نے گشت کے لیے مقرر کیا ہے اس میں دوں گا۔

عبداللہ: میری اجازت چاہتے ہیں کہ اگر دشمن کو کیس اور قلعہ مناسب ہو تو اس پر حملہ کر دیں۔

عبداللہ: میں اس کی اجازت دیتا ہوں مگر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دینا۔

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

خاکے نے میرا شک ہے اور کیا اور میرے خاکیوں کا۔ میرے اسی وقت اس وقت کو جسے انھوں نے گشت پر اسور کیا تھا، رک دیا تھا کہ وہاں سے چلے آئے۔ اول انھوں نے مشائی نادر پر بھی اور پھر سب پر گشت کے لیے روانہ ہوئے۔



## مخبر

(۳)

خاکے کی تعداد پانچ سو سے کچھ زیادہ تھی۔ اگرچہ وہ دن میں کھڑا نہ کر پائے تھے۔ کہا تھا کہ اس دن دوسرے کی آقاؐ آ رہے تھے لیکن رات بھر لشکر کی حفاظت کے لیے گشت لگانے میں لگے۔ ان میں سے کئی نے بھی یہ قیاد کیا کہ وہ پھر وہاں آ کر تے رہے ہیں۔ رات بھر جگمگاتے اور اگلے دن حلا جانے کا کام پیش کرتے اور کس قدر مشقت کئی پڑے۔

رات چاند تھی۔ چودھویں رات کا چاند بڑی آب و تاب سے افق مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ دو دو چاندنی چٹک گئی تھی۔ آسمان سے ٹھنڈی ٹھنڈی کھاڑی کا رخ ہو رہی تھی۔ ایک اور تھا جو ٹک سے برس رہا تھا جس طرف نظر جاتی تھی وہی نظر آتا تھا۔

خاکوں نے ایک شخص کو اپنا افسر مقرر کر لیا تھا۔ ان کا نام احمد تھا۔ وہ میری لہر بہا رہی میں وہ واقعی احمد تھا۔ پھر انہوں نے پانچ سو کے پانچ سو سے بلے۔ ایک دستہ کو آرام کرنے کو کہا۔ دوسرے کو سینہ اور پیٹھ کی طرف بچھا دیا اور دو تھے اپنے ساتھ رکے۔

یہ سب دسے لشکر سے بت کچھ آگے بڑھ کر گشت لگانے لگے۔ وہ عجیب کی سپاہ کی طرف دیکھ رہے تھے انہیں اندیشہ تھا کہ غلی شب غنم نہ رہیں۔ اسی لیے یہ لوگ بھی نرو گاہ کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ رات جھجکتی جا رہی تھی۔ چاند تھوڑا چمک رہا تھا۔ چاند پر ہمارے انسان سب ہی بندے کے تھے اور ان کے لیے خاکیوں کو گشت کے لیے لے رہے تھے۔

احمد اپنے لشکر سے کچھ آگے بڑھ کر غنم کے قریب چھوڑ کے چلے آئے۔ یہاں دھند تھا اور تھار



کچھ دھڑکنے لگے۔ اگلے کچھ اسی قدر مدتی نہیں تھی مگر میدان میں قحی بکھر چکی درختوں، ڈالوں، شاخوں اور پتوں میں سے پانچواں اس طرح بھی رہی تھی جیسے چھلنی سے نور محمد اُپر۔ دور سے دیکھنے پر شاخوں اور پتوں وغیرہ کے سایہ کی سیاہی اور پانچواں کی سفیدی اسی مصلیٰ ہو رہی تھی جیسے سفید و سیاہ چھت کے تھام۔ چھا دیتے ہیں۔

اسلیفہ دستہ گھنے کرور غوس کے جھڈ میں گھس گئے۔ انھوں نے کہا:

”تھوڑی دیر سناؤ۔“

سب لوگ بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک شخص نے حدیثی زبان کرنا شروع کیا۔ سب نیت قرعہ سے سننے لگے۔

”بہ! وہاں لڑائی تو امدنے لگا:

”جو دستہ اکرام کہہ رہا ہے اسے بائینا چاہیے اور اس کے تباہ میں ایک دستہ اکرام کسے کہیے۔“

چنانچہ انھوں نے ایک دوسرا کو اس دستہ کو لٹنے کے لیے بھیج دیا۔ یہ لوگ پھر حدیثی سننے لگے۔ کچھ دیر بعد اسد نے غیر لکھنوی لہجہ کی طرف دیکھا۔ دیکھا نہ جانے انہیں کیا نظر آیا کہ وہ دیکھنے لگے۔ کچھ دفعہ کے بعد انھوں نے مایوسانہ سے غلاب ہو کر کہا:

”دشمن کے زور و گاہ کی طرف نہ کھجوا اور چاؤ کیا نظر آتا ہے۔“

سب بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ ایک شخص نے کہا:

”کچھ ملنے حرکت کرتے نظر آ رہے ہیں۔“

لکھا کر میونس ایک ساتھ کہا:

”ملنے کیا۔ تو آدمی نظر آ رہے ہیں۔“

اسد! ہم نے مجھ سے کہا ہی کبھی تھے لیکن یہ خیال کر کے کہ کہیں نظر کا فتور نہ ہو، تم سے روایات کیا۔ کتا اور آدمیوں نے کہا:

”اب تو مان نظر کرنے لگے ہیں۔ کافی تعداد میں ہیں۔ شاید وہ جی اسکر کا محافظ دستہ ہے۔“

اسد! میرا یہ خیال نہیں ہے۔ اگر یہ محافظہ دستہ ہے تو اس طرف کیوں بٹھا ہوا آتا۔

ایک لڑکے نے کہا:

”میں نے اس کے بٹھانے میں شاید اس طرف وہ بھی بٹھ کر رہے ہیں۔“

(اسد! تھوڑی دیر میں مسلم جو ماننے لگا کہ وہ کون ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔

اب ان سب کی نگاہیں اسی طرف مگ گئیں۔ نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ خصوصاً اسد ٹھٹھکے کئے کچھ رہے تھے۔ کچھ لوگ باتوں میں لگ گئے۔ اسد نے کہا:

”نچر، چولت کو آہستہ سے ہونے کا وار مسموم رک۔ پس باقی ہے۔ میرا غلاب یہ لوگ شب قدر کا رازہ کر رہے ہیں۔“

ایک شخص نے آہستہ سے کہا:

”اگر یہ بات سچو کافی قیمت پر گئی ہوگی۔“

اسد! میں سمجھتا ہوں باپا سو یا اس سے کچھ زیادہ ہیں۔

اسی شخص نے کہا:

”نچر تو آپ بھی اپنے سب دوستوں کو فیکر میں۔“

اسد! مناسب یہ ہے۔ اعتقاد لکھنوی کو حق ہے لیکن میری غیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ اس سے بدولی یا ہر ہنگام میرا حق تو یہ ہیں سوا۔ انہیں کہہ دو کہ اسد سے آ رہے ہیں۔

یہ لوگ پھر خاموش ہو گئے۔ ان سب کی نگاہیں آنے والوں کی طرف مٹی ہوئی تھیں۔ اب وہ بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ چونکہ یہی منت تھی اور اس پر سبزہ آگہ ہوا تھا اس لیے ہمارے نہیں ڈرا تھا۔ اسد نے کہا:

”یاد رہے میں یہ۔“ یقیناً کاغذ بھی ملنے کا رازہ ہے۔ گھوڑوں پر اس لیے نہیں آئے کہ کہیں انکی ہاتھوں کی آواز سے مسلمان ہوشیار نہ ہو جائیں۔“

ایک شخص نے کہا:

”جس آپ کو یقین ہو گیا ہے کہ ان کا رازہ مخفی کرنے کا مقصد قلاب دہکے لیے کیا خیال ہے۔“

اسد! وہی جو پتے کہ چکا ہوں۔ میں کسی قدر دھب کر دوں گا کہ دشمنوں سے ڈر گیا ہوں اور یہ بے گراں نہ ہوگا۔ اب تو لوگ دایم بنا جائیں وہ چلے جائیں۔ میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔

اسی شخص نے سمنے دوہنے کے لیے کاغذ جوڑ دیا کہ کہا:

”اقتدار! آپ نے پیش پیر کر کے ہوش نہ دیکھیں گے۔“

اسد! میں تمہاری دوا دیکھ رہا ہوں۔ واقف ہو جاؤ میں نے تمہارے سختی یہ بات نہیں کہتی بلکہ سب کے لیے کوئی حل تلاش کیا ہے کہ جو لوگ دایم بنا جائیں وہ خود سے چلے جائیں۔

کتنے لوگ نے آہستہ سے کہا: ”ہم میں سے کتنے دایم بنا نہیں جاسکتے۔“



اسد! تو خدا کے حضور پر، خدا کی خوشنودی کے لیے اور عبادت کی عیب و معصیوں کی خاطر مجھ کو اپنے تہہ پر بلاؤ۔

سب نے کہا: "ہم تیار ہیں۔"

جلی رابر بڑھ چکے آ رہے تھے۔ وہ ان درختوں کے جھنڈ کی طرف، جس کے سایہ میں مسلمان بیٹھے تھے، بڑھ چکے آ رہے تھے۔

اسد نے آہستہ سے کہا:

"ابا! لکھنا نہ دینا۔ دشمن بہت قرب آ چکا ہے۔ میرے خیال میں یہ لوگ پانچ سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ اگر خدا کعبہ و چارے کا ٹھکانہ بن جائے تو ان تارکوں کے لیے کافی ہے۔"

اب جلی بہت قرب آ گئے تھے اسی لیے وہ غور آ رہے تھے۔ ان کی میٹھی میٹھی اور کافی دور تک پہنچتی ہوئی تھیں۔

اسد نے کہا:

"تو سٹوٹلٹ جلتی۔ یہ شب خفا مارنے کے ارادے سے چلے ہیں کسی لیے جیسا ان پر حکم کرنا، رونا اور غرور ہی ہو گیا ہے۔"

سب لوگ ایش گئے۔ اسد ایک درخت کے تنہ سے لگ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

جلی جھنڈ کے سامنے آ گئے۔ وہ ان درختوں سے ہٹ کر آگے بڑھے۔ انہوں نے درختوں کی طرف دیکھی ہی نہیں ان کی نظریں سناؤں کے خورد گاہ کی طرف تھیں۔

اسد نے ان کی صفوں سے انداز کر لیا کہ وہ جھنڈ پانچ سو تھے۔ پانچ منہں تھیں اور ایک ایک صف میں سو آدمی تھے۔

وہ دروازے پہنچے ہوئے تھے۔ ہر پانچوں ہتھیاروں سے سسکتے۔ ان کے ہتھیار جھلک رہے تھے۔ ننگی ٹانگیں انہیں لیے ہوئے تھیں جو پانچ مذاہن میں چل رہی تھیں۔

اسد انہیں گولہ بھرتے دیکھتے رہے۔ جب وہ درختوں سے کچھ آگے بڑھ گئے تو اس نے نہایت آہستہ کے ساتھ کہا:

یا ابا! ابا! یا ابا!

اسے یاد آ رہا: خدا کی قسم ان عیروں کو خدا ہی تمنا سے سامنے ہی لے لایا ہے کہ تم انہیں قتل کر کے مسلمانوں کو مارتا ہو کہ خدا کے جھنڈ کے دونوں رخساروں

انہوں نے پتھر، سنبھالا اور طلب خیر کے لیے دوڑنا

سب لوگ ایک دم اٹھے۔

ان کے اٹھنے سے کھنک چلا۔ علی گھبرا کر ادھر ادھر کیسے لگے۔ مسلمانوں نے "اللہ اکبر" کہہ کر اٹھنا شروع کیا اور تیز سے اٹھ کر نکل پڑے۔



اور اسے بزدلی کہتے تھے۔

عجی باؤ گھبرا رہے تھے باپنے فطری باتیں سن کر ان کے دل زوی ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کی عزت پر تھے۔  
مگر دیکھ کر ان کا کھانہ و شفاغہ کاروں چاندنی میں چلتی ہوئی مسلمانوں کی طرف لپکیں۔

مسلمانوں نے پیسے ہی سے اپنے اندر میں تواریں پور بائیں ڈھانپنے لگی تھیں۔ وہ عجیب کی  
طرف جھپٹے آپس تھے۔ جب عجی ان کی طرف سے اُور ان پر حملہ آور ہوئے تو مسلمانوں نے بڑے ایمان و استقلال  
سے ڈھانچے پر ان کی تلواریں روکیں۔ گٹھا گٹھا کا آواز سے رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا۔

ناگوار پر مسلمانوں میں ہنست نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ دشمنی کا ریت قلاب وہ حکم کرتے تھے۔ چونکہ  
عجیوں نے ان پر پہلے وار کیا اس لیے اس نے "فدا کبر" کے تین نعروں سے جوی جوی لگائے۔ مسلمانوں نے تیسرے  
نعرہ پر اللہ اکبر کا جواں پر جوشی نعروں کا باور جواں لگا کر دیا۔

عجیوں نے بھی مسلمانوں کی تلواروں کو اپنی ڈھانچے پر روکا اور پھر طریقے سے دھرا کر کہا۔ ان کے اس حملے  
کی مسلمان زخمی ہو گئے۔ زخمی مسلمان جو سنس و شب میں ہو گئے۔ انھوں نے نہایت سختی سے حملہ شروع کر دیا۔ ان کی  
سے پتہ تلواریں ٹوٹ کر چھریاں اور موت کی تلواروں کی طرف لپکیں۔ عجیوں نے ڈھانچے سے گرنے کی تلواریں  
ڈھانچے کو کٹ کر ان کا گردن کاٹ دیا۔ یہ پہلی اور دوسری کاڑھے گئیں۔  
جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمان عجیوں میں لڑائی مسلمانوں میں لپکیں گئے۔ کونوں پر تلواریں پڑنے لگیں۔ فرار یعنی کے سپاہی جو تھیں  
لگے۔ اور بڑی سختی سے لڑنے لگے۔ ہر جہد میں دوچار کے سواڑ جاتے تھے۔ دو چار زخمی ہو جاتے تھے تو وہ زخمی شیر  
کا حربہ غضب تک ہو کر حکم کرتے تھے اور جب تک ایک دو عجیوں کا گردن نہڑا تے تھے ان کا خیر غنڈہ نہ ہوتا تھا۔  
لیکن۔۔۔ زخم خوردہ عجی جیسے لڑ جاتے گئے تھے۔ خدا انہیں بھی آقا جیسے جہد میں کرنا جاتے تھے مگر ان  
کو جرات نہ جوتی تھی۔ انہیں بہتوں ماضی ہو جا تا اور وہ جیسے پری لپکتے گئے تھے۔

ان کے پیچھے کا اثر دوسرے عجیوں پر بے حد بُرا پڑتا تھا۔ وہ بھی خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ عجی انھوں نے یہ  
اندازہ کر لیا تھا کہ مسلمان تعداد میں آریا جوتے بہت کم ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چاروںوں سے لڑ کر کہا  
"خیر اللہ علی مسلمان بہت خور سے دیا اور ان کا بائیں یہ بتانا ہے کہ وہ خاتم ہیں۔ تم ان سے بہت زیادہ  
اور پھر ایرانی شہزادہ ہو۔ ان فدا ہوں گے کہ کٹے کر ڈالو۔"

عجی یہ سمجھ کر کہ ان کا مقابلہ غلاموں سے ہے اولیٰ ہو گئے۔ انھوں نے بہت کر کے پھر پڑنے لگے کہ خوفزدہ  
کسی سے۔ رائے کے محمد سے مسلمان اور اُدھر رہنے لگے۔

## شب خون

(۲۸)

عجی اللہ اکبر کے نعروں کا آواز سن کر سو سو ہو گئے۔ دو گھبرا کر درختوں کے جھڈ کی طرف لپکے گئے۔ جب  
انھوں نے درختوں کے سایہ میں سے مسلمانوں کو لپکے۔ دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں یہ خیال نہیں تھا کہ مسلمان سدا  
آگے بڑھ کر آگے بڑھ گئے۔

شب خون مارنے کے ارادے سے آئے تھے۔ شب خون مارنے والے چرووں کی طرف گئے ہیں۔ ڈرتے  
ہوئے جاتے ہیں کہ کہیں دشمنی پر مشابہ نہ ہو اور چاک الہ پر کیا نہ آکر پڑے۔ جس طرح چور ڈبے سے لپکتے ہیں  
پڑتے تو گھبرا جاتے ہیں اسی طرح شب خون مارنے والے عجی کو چاندی کو کھوکھلا سمجھتے ہیں۔  
عجی بھی مسلمانوں کو دیکھا کہ سمجھ گئے۔

اگرچہ اس کے ہزار دوسری مسلمان تھے لیکن گھبراہٹ کی وجہ سے وہ انہیں بہت زیادہ گئے۔ قریب تھا  
کہ وہ گھبرا کر ہانک کھڑے ہوں کہ ان کے انھوں نے انہیں سبھا۔  
ایک افسر نے کہا:

"ایرانی باور۔۔۔ عجی کا قاتل میں تم جا رہے تھے۔ یہیں موجود ہیں۔ اب میں انہیں ہمارے سامنے لاؤں۔  
یہ وہی ہے۔۔۔ ان پر لڑکر کے نہیں بھگتے۔ لگاؤ۔  
عجیوں کو درختوں کا کہتے تھے۔ ایک کو خلعے شہر گئے تھے اور تمام برائیاں اسی کی طرف منسوب کرتے تھے۔  
اس کے قہر و غضب سے ڈرتے تھے۔ اے اب میں کہتے۔

وہ میرے کو خلعے پھر لپکتے تھے۔ تمام اچھائیاں اسی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسے بڑی مشورت رکھتے





عجمی دو ہاتھوں کے چم میں اٹھائے تھے۔

ایک طرف امداد ان کے ہمراہی تھے اور دوسری طرف ہٹا کئے والا راستہ تھا۔ دونوں طرف کے مسلمان یہ کوشش کر رہے تھے کہ غیور کا خاندان کو ڈالیں۔ چنانچہ وہ بڑی دھیرے سے لڑ رہے تھے اور نہایت پھرتی سے جھک کر رہے تھے لیکن ان کی تواریخ غیور کو کاٹ رہی تھیں۔ انہوں پر ہاتھیں گر رہی تھیں۔ خون کے فوارے اب رہے تھے۔ خون کو وہ تواریخوں پر مار رہی تھیں۔

ابھی بھی بڑی جھڑپ دھمت سے لڑ رہے تھے لیکن اب کچھ رہے تھے کہ ان کا تعداد کم ہو کر کم ہو رہی ہے مسلمان ان کا منہ باکستہ جلتے ہیں۔ اسی سے ان پر جیت طاری ہونے لگی۔ وہ جھٹکا رہے تھے کہ کیوں مسلمانوں پر خون مارنے کے ارادے سے آئے۔ اگرچہ وہ سب عقوبت مار رہے تھے۔ ہزاروں عجمی سپاہیوں میں سے انہیں ایک کے لیے لگے تھے۔ انہیں اپنی پیروی اور جھٹکوں پر نازیبا کیل مسلمانوں کے مدد سے ان کو دینا اور جھٹکوں کو آستانہ آئی۔ شہر ان مسلمانوں نے انہیں اس طرح بے نظمی سے قتل کرنا شروع کر دیسے وہ قتل ہونے کے بعد ہی ان کے ساتھ آتے ہیں اور وہ ایسے ان میں جو قتل ہو کر رہے ہیں۔

اب جبکہ زور و شور سے لڑاؤ ہو رہی تھی تواریخوں کی ٹخسوں پر بھی سردیوں کے فیصلے ہو رہے تھے۔ ہر مسلمان جس میں اس طرح صوبہ تھا جیسے کسی بڑے ہی عربیہ میں ان کا کیم مشغول ہو۔ بڑی چال سے دیکھ کر دیکھ رہے تھے اور ہر جملے میں ایک ایک لگتی اور ڈالتے تھے۔

اب وقت امداد کے غم کے شے شے فریاد کا اور اسی کی طرف بڑھے۔ درمیان میں کئی جگہ تھے۔ ان سے دو گواہوں نے مار ڈالا۔ کئی ڈر کر ادھر ادھر ہو گئے۔ امداد کی افسر کے ساتھ پہنچ گئے۔

افسر نے تیس بجھا۔ اسی نے جلدی سے ان پر مار کیا۔ امداد نے ڈھل پر اس کا وارہ رکھا اور پھر اس کو مارے تھوکیا۔ افسر نے ڈھل پر ان کی تواریخوں کی اور اس زور سے ضرب لگائی کہ امداد کی ڈھل کاٹ گئی۔ انہوں نے اسی ڈھل پر اس کی تواریخوں کی اور اسی زور سے وار کیا کہ ان کی تواریخوں کاٹ کر افسر کے ساتھ ہر گز اور گزین ہوا کہ سزا لگئی۔

افسر کے ارے سے جلد ہی غیور کے دل چھوٹ گئے۔ وہ بے لاشان سپا ہوئے۔ امداد نے بدلتا ہوا سے لٹکا دیا ہوئے کہ۔

مسلمانوں ایک ہی عجمی چم کر رہا تھے نہ رہتے۔

ہر سنی ہی مسلمان جو مسجد پر فوٹ پڑے اور افسر نے جھڑپ سے تواریخوں کو انہیں گھر میں لے کر جھڑپ کرنا شروع کر دیا۔ جو کسی اب مدافعت کرتے تھے۔ یہاں کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ مسلمان ہر شے کو ان پر لے کر

## فاتحانہ واپسی

(۳۹)

یہ دروازہ ان مسلمانوں نے لگا دیا تھا جنہیں امداد نے طلب کیا تھا یعنی وہ تواریخ جو شروع وقت میں مارا کر کے لے کے بچے بچے رہے گئے تھے اور اب اس لیے لٹے گئے تھے کہ ان کی حالت وہ دروازے کو لگام کرنے کے لیے بچ کر رہا تھا۔ لیکن اس دہشت کے آنے سے پہلے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ ان کا زور دم آئے انہوں نے جب یہ دروازہ سے برتے۔ امداد کے ہمارے ہمارے غیوروں سے یہ لگ رہا تھا کہ جنگ ہو رہی ہے۔ وہ تیزی سے جھٹ کر گئے اور جنگ لڑنے کے قریب گئے ہی انہوں نے امداد کی کارڈ زور نمودار کیا۔ عجمی ان کے گھوکے ہاتھ لگا گئے اور ادھر دیکھتے ہی جھڑپ سے یہ لوگ بچ رہے۔

انہوں نے گتے ہی اس شدت سے حملہ کیا کہ عجمی جو دور تک پہنچے ہوئے تھے سنبھلے گئے اور ان کی خون کشاں تمام تواریخوں سے پہنچنے کے لیے دھماکا بنا دیا۔

ان گتے والے مسلمانوں نے اپنا شعار یا اللہ معزود کیا یعنی ان میں سے ہر ایک یا اللہ کا نعروں لگا اور اپنے ساتھ والے عجمی پر تواریخیں۔ ان کی تواریخوں میں کھڑے کھڑے نہیں۔ جس عجمی پر پڑتیں اسے زخمی یا قتل کیے بغیر نہیں۔

عجمی جوڑ میں آ کر ان کا تہہ کر رہے۔ ان پر تواریخوں سے ضربیں لگاتے۔ انہیں سپا کرنے کی کوشش کرتے لیکن جیسے ان پر تواریخوں کا اثر ہی نہ ہوتا وہ دھماکا ہوا کہ تواریخوں کے ہتھوڑے پھرتے سے خود کو روکتے ہوئی ان کے تواریخوں سے پہلے کہ ہزار کوشش کرتے لیکن نہ پھرتے۔ وہ مسلمانوں کو دیکھتے پھرتے۔ انہوں ہی پہنچتے جھٹ جاتے۔ ان کے پیچھے ہی مسلمان اور ان کے پیچھے کہ لگاتے۔



کر رہے تھے۔ آخر جوئی چل گئے۔

ابھرتے سو آجیوں کو ان ہار سنہرے کپڑے پہنے ہوئے، اور یہ بات کہ وہی وہ جو سیریل کے اور ان کے لشکر کے درمیان حلقہ بولچاہہ جوئی دور کران کے پاس تھا وہاں سے اڑاؤ لے

خداوند ہندو سنہرے جہان کے غریبوں کے ہاتھ جوئی دور کران کے پیچھے پڑ گیا اور جاتے ہوئے غریب کو شکر کرتے لگا۔ اور اس تیزی سے چلے گا کہ خود لگا لگا نہیں بچا رہا۔

جیوی مالہ سے ہے۔ مسلمانوں کے پیچھے ہوئے ہے۔ جو ملے وہ جاتے تھے مسلمان ان کا تعاقب کرتے رہتے۔ اگر مسلمانوں کو ان کے اہلکار کے لشکر۔ کہہ رہی تھی کہ یہ تو قابض کو گولہ جلانے جاتے تھے۔ لیکن اس سے پہلے ایک جیوی کو بھی زندہ واسیمہ جاتے رہا اور یہ اللہ کا نعمت تھا کہ وہ انہوں نے ان سے جو سیریل کا غارت کر دیا جو جاتے کی کشتی کر رہے تھے۔ اس طرح غاروں نے پانچ سو غریبوں کو روکا کہ اس سو کو میں مسلمان شہید ہوئے۔

جب مسلمانوں نے لگے زامدے گا:

مسلمانوں کی تہمیں آخری قریب ہے کہ جھوک کے علی شکر کو شکر میں لے آؤ۔  
کئی لوگوں نے کہا:

نہارے نہ تو کئی مسلمان ہوئے ہیں اور ان کا اہم سنا ہو رہا ہے۔ اگر قریب مادی کے کہیں سے ہوو  
چلو۔ اللہ اللہ ہم جوئی کے لشکر کو جیتنے میں لے آؤ گے۔

اسد! میں یہ باتوں۔ علی حشر اہل کے اپنے ساتھیوں کی دایمی کے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے گے تو وہ بھی اپنے ساتھی تھیں۔ مگر لیکن جب ہماری توڑوں میں کہ توڑیا کر گزرتے ان کی ہاتھیں کھینچ لیں گی۔ تو اس میں ضرور جلا اور کچل کر میں مسلمان۔

یہ سب توڑ توڑ میں ہو رہا۔ مسکے تیزی سے چلی تھوڑا تھوڑا چلے۔ وہ بڑے جرات کا کام کرتے رہتے اور جاتے تھے۔ ان کی تھوڑی تھوڑی سے تھوڑی دل لشکر کو کھینچ رہے تھے۔



جب وہ لشکر کے قریب پہنچے تو امدد لے گا:

لشکر میں پہنچے ہیں جھوک رہا اور ان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر دایمی ہونا۔

ان کے ساتھیوں نے کہا: اللہ اللہ ایسا ہی ہوگا۔

یہ وہی لشکر کے کام سے رہ گئے ہوئے۔ گشت کرنے والا دستہ اس طرف نہیں تھا۔

انہوں نے لشکر میں داخل ہو کر سوتے ہوئے غریبوں پر جھوک دیا۔ جھوٹے خبروں اور جھوٹے خبروں میں گھس

لشکر بڑھ چڑھنے سے مسلمانوں کو خوف کرنا نہ ہو کر رہا۔

جس جیوی لکھا کہ اس کا شکر لیکن خود کہ نہ رہا جیوی ہونے کا وجہ سے وہ نہ کچلے کہ ان کا اور جب

وہ کچلے تو انہوں نے اس سے جلا۔ جوئے کے لیے بڑھیں۔ انہوں نے جیوی ہادی اور مادی جوئی کو اس میں نہ کچل دیا۔ پڑا اور وہ بڑھ چکے۔

سوار جیوی کی آواز میں کہ جوئی بڑھ کر رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور لگا جاتے دیکھ جاتے۔

مسلمانوں نے مسلمانوں کو لگے:

جیوی یہ کھڑا رہی۔ ہاتھ جوئی لشکر حرکت میں آیا۔ مسلمانوں نے بڑھ چڑھنے سے کہہ کر کہے جس شخص

کہ نہ شکر دیا کر دیا۔ ان کے خد سے جوئی جیتنے ہوئے جاتے تھے۔ آخر وہ مسلمانوں کے کچلے جاتے رہے تھے۔

خود انہوں میں سے کہ لکھتے ہوئے خبروں سے بہرہ ور تھے۔ وہ انہوں نے اٹھا کے۔ کچلے انہوں کو مسلمانوں نے پھر میں خلی کر ڈالا۔

جیوی خود کر رہے تھے۔ وہ سے وہ بہرہ ور تھے۔ وہ سے وہ بہرہ ور تھے۔ وہ سے وہ نام مسلمانوں میں ایک جیوی ہی پانچ لکھی امداد لے گا:

’ہم نے خدیں نہ لائے تھے۔ یہ ہے شہد و لشکر کو مار ڈال رہی یہ غارت خلی کر تو جی شہر پر حملہ

کر رہا۔ خدائے میری یہ غارت خلی کر پوری کر دی۔ اب گھوڑے سے لے۔ ان پر سو رہو اور اچھا چلو۔

کئی لوگوں نے کہا:

اسے سرکار۔ ہم کھیتی کاٹ رہے ہیں اور تھوڑی سی کٹا ہٹے ہوئے

امد سے متا کرتے ہوئے گا:

’ہیں۔ اب موقع نہیں رہا۔ دعو سب کو روک رہے ہیں کہ یہ گھوڑے نہ مار کر۔

وہاں گھوڑوں کی کیا کمی تھی۔ مسلمان گھوڑوں کی شکر لکے۔ ان میں نہ رہا جوئے کا مادی رہا تو نہ رہا۔ ان کے

دے کاٹ کاٹ کر لکھ میں جھانک رہا اور ان پر سوار ہو گئے۔

جو سیریل نے یہ دیکھا اور جلا کر لگا:

خود وہ نہ تو گھوڑے سے بہرہ ور رہے۔

گھوڑوں کے ایک نو ذندے بھیجے۔ مسلمانوں نے گوارہوں سے ان کی فاضلی۔ جو لوگ ان کے قرب آتا  
گئے انہوں نے ان کو دلایا۔ چھپے ہوئے کسی ان کے قرب آتا اسے بھی ذبح کر دیا۔ بھیڑیوں کے پیچھے چلے گئے  
پھر جب ان سے کچھ نہ ہو سکا تو مسلمانوں کو گایں دیے گئے۔

اب مسلمان، جو کسی لشکر میں سے نکلے اور گھوڑے اڑاتے ہوئے اپنی لشکر گاہ کی طرف چلے۔ جب وہ دور  
نکل گئے تب بھی انہوں نے اپنی لشکر میں ملکہ آؤر سی۔ امدنے کہا۔

”بڑا دلدادہ ملک جہاں ہے۔“

یہ لوگ واپس آ گئے۔



## عبداللہ کی شجاعت

(۴۰)

جب صبح ہوئی اور مسلمانوں نے جہات سے نماز پڑھ لی تب امیر عبداللہ نے امد سے پوچھا:  
”کون کون آیا اللہ تو بیش نہیں آیا؟“

امد نے عرض کیا:

”میری خاص واقعہ تو بیش نہیں آیا البتہ میں دو مہم جوں کے ہمراہ نکلا۔ کچھ مہم جوں کے  
جہاد میں چلا گیا۔ وہاں پانچ سو عسکری آئے۔ ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔ سو آدمیوں کا ایک دستہ ہلاک ہو گیا۔  
ہم نے ان سب کو مار ڈالا اور ہمارے۔“

عبداللہ اور ان کے بائیس جو جہاد فرماتے تھے۔ بڑے بڑے امد کا بائیس سن رہے تھے۔  
عبداللہ نے پوچھا:

”خانوں۔ پھر کیا ہوا؟“

امد: اللہ تعالیٰ جان فرمائے اور امیر بھی جان فرمائیں۔ مجھے عیسویوں کی اس جہات پر کہ وہ شہنشاہی کے  
ارادے سے آئے تھے میں قدر مضحکہ کو محسوس کیا۔ ہم نے ان کو مار ڈالا۔ البتہ انہوں نے کچھ عسکری سپاہ پر  
جاڑا۔ ہم نے ان کو غور مارا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم نے کتنے عیسویوں کو مارا۔ البتہ انہیں جانتے ہیں کہ  
ہم ان کو بیش میں آگیا۔ یہ وہ سب سے بڑے تو ہم ان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے آئے۔

عبداللہ: تمہارے ہمراہیوں میں سے کتنے شہید ہوئے؟

امد: صرف تیرہ آدمی۔ وہ بھی اسی وقت شہید ہوئے جب پانچ سو آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تھا اور ہم نے ان

میں بکھار ڈالا تھا۔ لشکر پر حملہ کرنے میں ہمارا کوئی اثر نہیں ہوا۔

مہم شروع ہوئی۔ اگرچہ یہ تعداد کارہمدانی خاندان سے تھی لیکن تم نے غلطی ضرور کی۔ جو شخص اور غصہ میں اپنے آپ کا دراپنے کو سونپ دھڑولیں ڈال دیا۔ جب امیر غرضی حضرت فریادین کو یہ حالات معلوم ہو گئے تو وہ یقیناً غمزدہ و غمزدہ ہو کر رنڈ کر دیں گے۔ جب میں نے غصہ میں مدد کر دی اور قہیں بھی جاری کر کے یہ سب کچھ دیکھا۔ میرے اپنے مدد میں ہونے کا تو کوئی انصاف نہ ہو گا۔ البتہ یہ رکھنا ضرور ہو گا کہ انصاف دل کرنے کا نہ ہو دی نہ ہو گی۔

اسد! غلطی جس نے کی ہے۔ سزا بھی میں ٹھیکرنگار میں اپنے جرم کا خود اقرار کروں گا۔

عبداللہ! انہیں جواب دی تو مجھے بھی کوئی پشیمان نہ ہو گا۔ خبر جو ہوا سو ہوا۔ وعدہ کیا کہ انہیں غرضی سے اجازت دے لی گئی ہو گی۔

اسد! افتاد اللہ! اعتبار رکھوں گا۔ اصل یا امیر۔ میرے دل میں یہ ذہدیت خاں غمزدہ ہوئی کہ میں تم انشور سے غمزدہ نہ ہوں۔ اس خاں غمزدہ کو دانہ سکا اور دھک دیا۔

عبداللہ! امیر غرضی بہت مست ہو گئے۔ وہ احتیاط کو ضرور کی گئے تھے۔ ان کی باتیں بہت سخت ہیں۔ ان کے منہ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھا کہ مندرجہ بالا میں نے انہوں نے کہا:

”یا امیر! دشمن کے لشکر میں نقل و حرکت شروع ہو گئی ہے۔ غازیہ وہ حملہ کرنے والی ہے۔“

عبداللہ! رات کے وقت کہیں کہ تو مجھ کو جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ حملہ کرنے کا قصد کریں۔

اسد! میرا خیال ہے کہ وہ انتقام کے جوش میں غمزدہ ہو کر دیں گے۔

عبداللہ! وہ حملہ کریں یا کوئی پیغام بھیجیں لیکن میں ابھی سنبھل کر میدان میں پہنچ جاتا ہوں۔

انہوں نے اس وقت اتفاق کر دیا کہ تمام لشکر سنبھل کر میدان میں پہنچ جائے۔ مسلمان تو جیسے اس اتفاق سے متفرق ہو گئے۔ وہ جلد سنبھل کر میدان میں آئے۔ سوار اسواروں میں اور پیادوں میں مل گئے۔

ہزاروں، سینہ امیر اور کھب قائم ہو گئے۔ امیر عبداللہ بھی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ ہزاروں جی بگڑا ہوا۔

جیسے غرضی میں اس کی شکوہ بہت ہو۔ اعلیٰ درجہ میں غمزدہ ہو کر میدان میں آئے اور اس کی شکوہ سے کچھ نہ ملے۔ صرف کراہاؤ ہو گیا۔ ایرانی فرج بے غمزدہ تھا اس لیے بڑی حد تک پھیل گئی تھی۔ یہ قیام کو درجہ ہوا میں ہلائے۔

امیر عبداللہ غرضی میں اس کی غمزدہ ہو کر پھرتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک غمزدہ لڑائی خانہ دشمن سے

تقریباً میدان میں آیا۔ وہ بھی نہ تار باس پسے ہوئے تھا۔ لباس کے پیچھے نہ کبتر چھڑی تھی۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ غمزدہ کاماز چاندی کا تھا۔ اس کی خوار کا سر نہ جو ہلائے سے مڑتی تھا۔ بیٹھی میں منتظر میں لگا ہوا تھا جس میں خبر نہ ملتا تھا۔ خبر کا دستہ بڑھ کر آیا۔

اس نے میدان میں آکر غمزدہ گناہ سے کہا:

عبداللہ! کے پاس ایک ایرانی جاسوس کو افتاد اللہ نے اس سے پوچھا:

”یہ کون شخص ہے تم نے اسے پہچان؟“

جاسوس! بڑا بڑا کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا:

”یہ ان۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ یہ شہر سازانہ جاوید ہے۔“

آؤ! ہے۔ اس کی دلیری کی بڑی شہرت ہے۔

عبداللہ! یہ کس کی سیدان میں آیا ہے؟

جاسوس! بڑا بڑا ہی جانتے۔

ساتھ سے سنا کہ ہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں بھی علم تھا۔ انہوں نے امیر عبداللہ کے پاس آکر کہا:

”غرضی لشکر کا سپہ سالار آیا ہے اور اس کی لشکر کے سپہ سالار کو لڑنے کے لیے طلب کر رہا ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں اس کے مقابلہ میں آؤں۔“

عبداللہ! ٹھیکہ تعین نہیں ہے کہ وہ اپنے لشکر کا سپہ سالار ہے اور اس کی لشکر کے سپہ سالار کو طلب کر رہا ہے۔ سپہ سالار میں ہوں مجھے ہی اس کے مقابلہ میں جانا چاہیے۔

سین! لیکن آپ مسلمانوں کے امیر ہیں۔ اگر خدا خواستہ آپ کو کوئی گزند پہنچے تو مسلمان کا کیا حال ہو گا۔

عبداللہ! تم نائب سپہ سالار ہو میری قائم مقامی کرنے والے ہیں۔ نیکو کھیت کہ اس کے بعد اس کے سونے کی لکیر ہو گا۔ خدا جو بہتر سمجھے کہشے۔ تم یہ علم اور میری جگہ کھڑے رہو۔

انہوں نے علم سین کو دیا اور ہمیشہ کہہ کر گھڑاڑا ہوا۔ مسلمانوں نے اپنے امیر کو میدان جنگ میں دیکھ کر حق کے لیے نچ ڈال دیا۔

عبداللہ! لشکر کے حکم کو گھڑاڑا دیا اور شہر سازانہ جاوید کے ساتھ جاسوس سے۔ جی سپہ سالار نے انہیں دیکھا۔ وہ بے شک عبداللہ غرضی تھے۔

شہر سازانہ جاوید

”کیا تم یہ سب لشکر کے سپہ سالار ہو؟“

عبداللہ! مہمان تھے ایسا ہی تھے جس۔

شہر ملاز: دایم جاؤ اور کھا تو نہ داری کو میرے منہ میں بیجو۔

عبداللہ: دہری اور بھاری تو تو سس پر نہیں دل لکھتے پر مضر ہے تم خوف سے بھاگے۔

شہر ملاز: اگر تم میری ہی باتے ہو تو مرد۔

پس کہہ کر اس نے گئے اٹھ میں دیا۔

پسے گا کہ تھا جس کا دستہ سسے کا تھا۔ بہت دڑ لگ رہا تھا۔ شہر ملاز کو اپنے گز کی ضرب پر بڑا ڈر  
تھا وہ لگا کر تھا کہ:

اگر میں مٹاؤں تو بڑا درد ہو جاتا ہے:

اس نے پوری قوت سے گز کی ضرب لگائی۔ عبداللہ نے ڈھل پر روکا۔ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی  
وزیر یا جعفر تھا جو اس کے ہاتھ لٹکائیں گے۔ سادہ بیٹائی پر پیسنے کے غور سے نمودار ہو گئے۔ بہر حال انھوں  
نے اس کا علم روک لیا۔

شہر ملاز کو قطعی یقین تھا کہ اس کی ضرب عبداللہ کا نشانہ کر ڈالے گی یا ان کے گھوڑے کی کمر بند پر پڑے  
گی لیکن جب اس نے دیکھا کہ عبداللہ ان کا گھوڑا دوڑیں گا تو یہ تم ہی تھا تو وہ شامیتیر ہوا۔  
عبداللہ نے کہا:

تم اپنا وار کبچے۔ اب میرا وار کرو۔

پس کہہ کر انھوں نے تھاب سے جھپکا۔ شہر ملاز نے گز پر ان کا علم روکا۔ تلوار اس کی انگلیوں پر پڑی اور نئی  
انگلیاں کھٹ گئیں۔ گز اس کے ہاتھ سے جھٹ کر گرا۔

انگلیوں کے کٹنے سے جو اذیت اسے پہلے اس سے اس کی آنکھوں میں کمر چمکے اسے عبداللہ نے  
دو سر ادا کر دیا۔

شہر ملاز نے یہ وار ڈھل پر روکا۔ جو کھاسا کھاسا ایک ڈھل گیا۔ ہو گیا تھا اس لیے وہ خوفزدہ ہو گیا۔  
اس نے گھوڑے کو نئی دالہ بھاگ چاہا۔

عبداللہ نے کہا:

بھانگا کلاسے او حرکت۔ من تر سے نہ چھے:

شہر ملاز نے گھوڑا دوڑا۔ عبداللہ نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ ان کا گھوڑا سب رفتار سے۔ وہ  
شہر ملاز تک پہنچ گیا۔ مہر شہر تلوار کا دیکھا۔ تلوار شہر ملاز کے منہ پر پڑی اور اس نے کی زنجیروں کو کاٹ کر

گراں اڑا لے گئی۔

شہر ملاز کی ش گھوڑے سے گلا۔ گھوڑے نے بھاگنا چاہا لیکن عبداللہ نے اس کی ٹانگہ پکڑ لی اور اسے

خواب میں کر کے اپنے گھوڑے سے تر گئے۔ پھر وہ ڈھلے انھیں سے شہر ملاز کے کپڑے اکٹرا کر تاج و فیروزہ

اٹا لے لے۔





## شاندار فتح

(۴۱)

ایرانوں کو اپنے سب سالہ کے مارے جانے کا بڑا رنج ہوا۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ ان کا مارا ہر مسلمان مسلمانوں کو قتل کر کے واپس آجائے گا۔ مگر ایک کو بھی نہ مارا گیا اور خود ہی مارا گیا۔ اسی سے انہیں حدسہ بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ خصوصاً تمام آفریغوش و فیش میں بھر گئے۔ انہوں نے فوجوں کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ جی شکر فوجوں کا طرح بڑھا۔ اسی شانہ اور ہد سے کہ زمین ہچکے کھٹے لگی۔ سبز پانی جو تے لگاؤ دیتا ہر کاب جو گئی۔

عبداللہ نے دیکھا کہ بمبوی سپہ رانا نہ ہو چکا ہے۔ اس کا ہر سپاہی جو فیش غلبہ میں بھرا ہوا ہے۔ میسر انہوں نے اس وقت تک کا کچھ خیال نہ کیا اور برابر اپنے کام میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے شہر رانہ کے کپڑے، ہتھیار، زلوٹ، کچتر اور تھاق وغیرہ سب لے لیے۔ ان کی گھڑیاں باندھ کر اپنے گھوڑے پر بٹکی اور شہر رانہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

اب انہوں نے غلی شکر کا لڑت دیکھا۔ انہیں ایسا حیران ہوا کہ جیسے فنا فون کا سمندر میں یہاں یہاں ہوا گئے۔ وہ دانا سے لوٹے اور اپنی جگہ اس کو خود نے کہا۔  
شہر رانہ اسلام دشمن تھی اس طرح شہر رانہ لڑے۔ اس کی کثرت کو تم کچھ نہ ہے جو۔ انہوں نے تمام میدان کاڑھا ہے۔ وہ دیکھ کر اس طرح بے شمار ہیں۔  
لیکن

جو طرح شہر رانہ اپنی کثرت سے انہوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا اسی طرح یہ بھی جی میں تھیں ان کا مافی کئی

قصہ نہ پہنچا سکیں گے۔

وہ شکر کہ جی۔ آتش پرست ہیں۔ خدا سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ جو خدا کو نہیں مانتے وہ ہمارے جی نہیں ہوتے۔ ہادی کا انھما را ہلک کثرت پر ہے۔ اور ان کا لہ ہے خدا کو واحد سمجھنا اور خدا کے رسولوں اور اس کا کہوں کو برحق ماننا۔ زمان میں انھما ہے اور نہ ان کا کثرت۔ اس لیے ہادی جی میں ہے۔

پھر جی وہ انسان ہیں۔ گوشت پرست کے ہوتے ہوئے انسان۔ ان کی رگوں میں بھی خون ہے۔ وہ لڑیں گے اپنی کثرت کے مجبور پر۔ اور تم لڑو گے اللہ کی عانت کے مجبور پر۔ اسی کا خاطر۔ اللہ کی خوشنودی کہے۔ اگر تم نے استقلال، جرأت اور جو انفرادی سے کا کیا تو اننا مائدہ فتح تمہاری ہوگی۔

شہادت کے عجب گارو!

جنت آراستہ کر دی گئی ہے۔ جو وہاں اور پلہ نون نے اپنی نوبت کھلے۔ جو سوا نام نے خدا سے کھلے جنت اسی کے مین دین کا وقت آگیا ہے۔ تم خدا کی راہ میں جانیں دو گے اور خدا تمہیں بہشت دے گا۔ جنت کا راستہ کھواروں کے ساتھ ہے۔

آج کل کوئی کر بھار کر۔ دین کے جو ملے گا وہ شکر کو اس وقت تک قتل کر دے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں یا خدا کی امانت کا انفرادی کے امان میں داخل نہ ہو جائیں۔ ہاں دلبر۔ تیار ہو جاؤ۔  
جس وقت عبداللہ نے تقریر شرم کی اسی وقت بمبوی لشکر ایک تیر کے ساتھ پرا کر گیا۔ اور اسی نے کئی جی تیر بازی شروع کر دی۔ مسلمانوں کے ہزاروں نے شمالی پر تیروں کو کھلا۔

ہزاروں جی میں اسل فرستے۔ اب عبداللہ کے عقب میں واپس آجائے۔ وہ انہیں مبارک باد دے کر اپنی جگہ پر ہزاروں میں واپس آ گئے تھے۔

سین نے اللہ اکبر کا خود لگایا۔ مسلمان اس پہلے نوہ کو سن کر ہر شہر ہو گئے۔

انہوں نے دھڑ دھڑو لگایا۔ اس نوہ پر مسلمانوں نے کمانیں اٹھیں۔ لیکن ان میں تیر جوڑے۔  
اور جب سین نے تیسرا نوہ لگایا تو تمام مسلمانوں نے اس مبارک نوہ کے کی ٹکڑا کر اور ساتھ ہی شہر رانہ کی بارشوا دی۔

غیر سے جی تیروں کو خدا پر رکھا لیکن کچھ تیر سپاہیوں کی ہتھائیں انھیں پڑیوں اور مردوں میں۔ بیہوش ہو گئے۔ دھماکا سپاہی بچا جے۔ ان میں سے کئی گز تر پھٹے گئے اور تر پھٹے تر پھٹے مسک آؤ۔  
جی پہنچ گئے۔

جیوں کو خدا آگیدہ نہیں ہے جی تیروں کی بارشوا شروع کر دی۔ ان کے تیروں سے جی کا مسلمان لڑا ہو گیا۔

کسی کی آنکھوں میں تیر جا گئے۔

مگر مسلمان کچھ ایسے مذہب اور بے باکی تھے کہ جن کو لوگ اسٹیکوڈ جیئر لگے انھوں نے خود اپنے آئینوں سے  
 پکڑ لیا۔ اور انھوں نے وہی جہاز تیار کر خود عروج آسمان کو پہنچا دیا اور بدستور کھڑے رہے۔ اگرچہ  
 انہیں سخت تکلیف تو گروہ مذہب ہمارا دوں میں لے کر کھڑے تھے۔

ذرا سوچیں۔۔۔ چکی کے منہ پر کوقرین اول کے منہ کی قدر سخت مل اور سخت جلد تھے۔ کون کس کو  
منہ ان میں جس سے کھانسی اذیت اور تکلیف کو خیرین نہ تھے۔ جلد میں جیسی خوش جلد دیتے تھے۔ میں اہل  
قوت تھی، جس سے وہ حال قوت پر مجھ ملتی تھی۔

اگر آج ہم بھی اپنی پہلی قوت کو بڑھائیں تو یقیناً روحانی حالت بڑھ جائیگی اور پھر ہم بھی نصیبدار اور خوش کام ہوں گے۔

اب مشرک، مسلمانوں پر اور مسلمان مشرکوں پر تیرے ملنے کے اور ان تیروں سفر بقیہ کو مسئلہ نقصان پہنچے گا۔

ابھی تک ہر اولیٰ کی ہر اول سے جنگ چوری چھپ کر توڑی ہی درپردہ سینما اور میسرہ عجمتہ راگنی جوئے مگر اور پھر  
ابھی کثرت سے بھارت ہے کہ کبھی کبھی صورتہ ان کے پیچھے چپ جاتا اور دوپہا چپ لہر ہر ملک طرح سے ایک  
تعاقد کر کے لڑا آتی۔

جب ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے تیراکیوں پر ہر عقائد پہنچا رہے ہیں تو وہ ایک دم آگے بڑھ آئے اور عوامی مونیٹ کر فہمات نظردار بن گئے۔

مساجد کی تعمیر و ترمیم کے لیے حکومتوں کی طرف سے جو فنڈز دیئے جاتے ہیں، ان کے استعمال کو نگرانہ طور پر دیکھنا ضروری ہے۔

دونوں لشکر ٹکرائے۔

ہنگامہ ایسی ہولناکیوں سے ہر اول اور ایک کے سحر سے دوسرے کا سہرا اور مہر سے سبز مگر گئے  
تو اریں بد بد بے نیسے سرور پر مرکب کے کر چھپنے لگے اور دھڑوں پر چھوٹنے لگے۔ خون کیا، ریش ہونے  
لگی۔ مہین ٹوٹ نہیں رہا اور مہین ٹوٹنا چھو گئے۔

چونکہ دہلی خلیفہ جو شہر ہے مجھے تھے امید ہے بڑی دلیری اور اتنا مستعد ہے کہ اسے  
تھے۔ اگرچہ مسلمانوں میں بت کہتے ہیں کہ وہ اس باہمی سے جگہ کر رہے تھے کہ اگر ان کے تفریق کے بغیر  
نہ ہو سکے۔

وہ عیسائیوں و آفریقائیوں کے سختی تھے۔ ان کی نگاہوں میں مذہب کی کاٹ کر ہی عیسائیوں و وہ وطنوں کو لوگ سوجھیں  
 کی طرح چمک رہے تھے۔ انہوں نے بڑے سیریلک لکھنوں سے میدان بھر دیا تھا، اور ان کے گھون سے بڑھ کر  
 میرا کر دیا تھا۔

سبیل اور اس کے خسر بڑی جہانزی اور سرمدوشی سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواروں میں لوگوں پر بڑی قہقہے اُن کو ڈکڑ ڈکڑاتی تھیں۔ دو جیس جیس چمک چمک کر اُسے تھے اس کا خاندان کڑا اُن سے تھے۔

ابن عربہ اللہ نے اہل کلمہ میں شریک نہیں کیا۔ اب وہ اپنے ہمراہوں کے ساتھ رشتے مسلمانوں نے دائرہ خارجہ میں دیکر برائی سمجھ کر اور انھوں نے دشمنوں کو گیسے اور لڑائی میں لڑا۔  
چونکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اس لیے مسلمان ابی شعیبہ پر چڑھے لیکن جو جی جس کثرت سے تھے اس کثرت سے اسے ہار گئے۔

عہد اقدس میل اور دوسرے افسروں نے جو میرا دونوں پہنچ کر کے شہر قسطنطنیہ کو روانہ کیا اور انھوں نے تھوڑی دیر میں سیکرٹریہ افسران کو روانہ کیا اور اس سے قبل میں نے میرے ایک حامی کو بھیج دیا۔

مجاہد مسلمانوں نے اللہ اکبر کا ناکہ نشان غزوہ کربلا کر کے سدا سے ہمہ کار و ہزاروں غمیں کو تباہ کر ڈالا۔ جو کسی گمراہ جاحل کفر سے ہوئے۔ مسلمان ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔

بگلی خوفزدہ ہو کر اسی راہِ شریعت کے لئے کہ مسلمانوں کی زندگی باہر نکل گئی۔

مسلمانوں کو شاذ و نادر فیج حاصل ہوئی یا نہیں اسے خدا کا شکر ادا کیا۔



## بُکس

(۴)

میں سہانہ غریبوں کے خائب سے واپس آئے تو کچھ وقت آگیا۔ انھوں نے سب سے پہلے ٹھیکہ ساز  
جہت کے ساتھ آگے۔ اس کے بعد کچھ لوگ جو فوجی جہاز سے واقعہ نے غریبوں کی مرہم میں آگے گئے۔ کچھ میدان  
میں کھڑے اور شہیدوں کو لٹا کر رکھنے لگے۔ ایک بڑی تعداد غریبوں کو غرقہ گاڑی غرقہ ڈال نیت کھنکھانے  
کے لیے آگے گئی۔

اس سحر کے میں پانچ ہزار ایک سو تیس فوجی مارے گئے اور ایک سو تیس سہانہ شہید ہوئے۔ سہانوں نے  
شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھا کر انہیں ان کے اسی پاس میں جس میں وہ شہید ہوئے تھے بڑے بڑے گڑھے  
کو دھرا کر ایک گڑھے میں کئی کئی شہید دفن کر دیے۔

گھر بڑی شمار اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے۔ وہ سب مادی سماعتوں کو الیہیت میں جا  
رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں کی اسنادی سنکھ کے لیے کئی سینکڑوں کے لیے کافی تھا۔ نیچے اور چھوٹے دریاں انہی قبیلہ کہ  
سب سہانوں کے ہاتھ میں آگے گئے۔

غریبوں کے ارے جلانے والے کے گھڑے آواز گھمک رہے تھے۔ سہانوں نے وہ سب کچھ بے کٹی ہزار  
گھنٹے تھے۔

میں نے ہندی کے گھڑاوات، برتن اور دیوانہ، مسندیں اور دوسری قیمتی چیزیں جاری تھا۔ میں میں  
ہزاروں دھندلے رکھوں دم لے۔ غرض بہت زیادہ الیہیت ہوا تھا۔

ان سب چیزوں کو بیک کر لے اور غرضت بنانے میں دن چھ گیا۔ رات کو سہانوں نے آرام کیا اور

دوسرے روز چمکنا کے بعد الیہیت کا جائزہ دیا گیا۔ اس کے پانچ حصے کیے گئے۔ ایک حصہ دربار خلافت میں دیا  
کیا گیا اور چار حصے جاہلین میں تقسیم کر دیے گئے۔

ہر شاہ کے حصہ میں کافی دولت آئی اور کافی سامان گھوڑے بھی تقسیم کر دیے گئے۔ گھوڑے اتنے  
تھے کہ جو سہانہ بیل تھے ہمارے گئے۔

چونکہ کئی لوگ اتنے شدید غروج ہو گئے تھے کہ وہ سفر نہیں کر سکتے تھے اس لیے امیر جدو شدنے کو پچھلے  
دیا گھمیدانہ جنگ میں غمزدگی کی ششیں پڑی تھیں اور انہیں آسانی سے وفاتیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر انہوں نے گڑھے  
سے ہوا متعین ہو جانے کا احتمال تھا اور اس سے جاری پھیلنے کا اندیشہ تھا اس لیے ہوا شدنے نے وہاں غرضت نامہ سب  
کچا اور اس گڑھے کو پچ کر دیا۔ راہبر انہیں ساتھ لے کر چلا اور ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں درجک، ہوا کا  
معلقہ عید ہوا تھا۔

افسوس کے بعد یہ ایک پڑا فرما میدان بنی جو انہی دنوں وسیع تھا اس میں کئی شکر شکر کئے تھے۔ میدان  
کے تیرا لکن جوار تھا اور کس اوچے نیچے تھے۔ اس کے ایک طرف صان و شکان پانی کا چشمہ بہ رہا تھا۔ کیں  
تو اس میدان میں دو ب قسم کی گھاس کھڑی تھی کیں دیتے فطرت تھے اور کیں ایسی سخت ٹھیکڑ تھی جس پر ہر  
نیمہ گنا تھا۔ ہوا کے دوسری طرف ایک بستی تھی۔ اس کا نام موئی تھا۔ برسوں کا وہاں کھڑا تھا۔

جس وی ایرانی تھا جو سہانہ شہید اور جاہلین کو اس وقت گھور رہا تھا جب وہ چشمہ کے کنارے پہنچے موئی  
پانی سے کھیل رہی تھیں۔ اور نہایت اسے ڈانٹا تھا۔ جبکہ سہانہ کا قصد و کومور کر رہا تھا اور اس وقت  
جہان نے غلی کا پردہ اٹھ دکھا کر سہانہ نے اس ایرانی کو نہیں دیکھا تھا۔

○

سہانوں نے اس میدان میں تپا کیا۔ مرا پر وہ دریا کے کنارے پر قائم کیا گیا۔ چونکہ حلقہ جاہل اور شہید  
پانی سے کھیلنے کی شوقین تھیں اس لیے ان کے نیچے بہ دریا کھڑے کیے گئے۔  
میدان کافی بڑا تھا۔ سہانہ دو رنگ پہن گئے۔ جدو شدنے سہل کو حکم دیا کہ وہ اگلے روز موئی پر نجات  
کر دیں۔

رات کو سہانوں نے آرام کیا۔ جس سہل نے دو ٹی مارا وہ ایک دہ اور اس کے ہڑای مسل ہوئے ہی  
تھے کہ امیر جدو شدنے انہیں طلب کرنا۔







جہاں تھے ہیں کو اس کام پر مامور کیا اور کہا۔

”جو مجاہدیں اپنے ساتھ لے جا کر ایسی جگہوں میں مہم سنبھالیں کہ انہیں اس کے منہ  
نی زیادہ ہی دھوکہ ہوگا۔“

سبیل نے سوچا کہ وہ کیسے کیا یہ سب کوں مسیحا جو کہ گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ریسک وراسک  
ماتحت کے مجاہد تھے۔

برس اور اس کے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار کرنے سے وہ بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ برس نے سب  
سے پتہ چلتے ہوئے۔

”قیس باری کسی پر تو کرنے کے لیے نظر کیا گیا تھا؟“

سبیل نے جواب دیا: ”جی ہاں۔“

برس نے کہا۔

”گھوڑا بالکل جوان ہو۔“

سبیل نے مسکرا کر کہا۔

”نہا جسے چاہتے ہو وہی دے دے میں اب میری ہمت۔“

برس نے جواب دیا کہ:

”تو میری بات سے اس امر میں تو ہاری تو کہ میری دشنام میں مشغول رہتے ہیں۔“

سبیل نے اٹھ کھڑے ہو کر کہا۔

”شکار جاری تو ہے کچھ ہو سکتے ہیں لیکن میں مجھ ہی سے جنگی قیام ہی ہوتا ہے۔ برس نے

کہا: ”آج نہیں ہوتا تو دشنام لیتے ہیں اور جب کام ہوتا ہے تو کام کرتے ہیں۔ جب کسی ملک پر لشکر کوئی

ہے تو خداوند کی مدد میں جادو کے سے بنا ہو کر شکر خدا ہو خالق ہو جاتے ہیں۔“

برس: ”خیریت کہ جس میں جو سکر ساق ہوتے ہوئے گئے۔“

سبیل: ”اب اس کے دل میں نہ ہی تو سنسوں کے معاملہ خیریت کا یا کسی چیز کا خیال بھی آتا ہے تو وہ تو

کہ اس میں کوئی دل سے نکال دیتا ہے۔“

”لوگ باتیں کرتے ہوئے سونے کے قرب نہ آتے۔“

○

## مرزبانہ

(۴۳)

سوئی اور اسی قسمی تھی اس کی حالتیں شام تھیں۔ انور کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے وہ مسکون کو  
نظر نہیں آتی تھی۔ باغوں سے نکلتے ہی اس کی بلند اور خوشہ خیز تھیں نظر آئے تھیں۔

سوئی کے گرد بھی شہزادہ کی دیوار تھی کافی بلند اور وسیع تھی اس کا صدر دروازہ تو ایک ہی تھا جو  
مشرق روئے تھا۔ نہایت عالی شان تھا۔ اس کے دونوں طرف دو دروازے تھے لیکن باقی تین طرف بھی ایک ایک دروازہ تھا  
یہ تینوں دروازے صدر دروازے کے برابر عالی شان نہیں تھے۔ صدر دروازہ پر سپاہیوں کا جہر تھا۔

برس کے ساتھ سبیل اور ان کے ہمراہی مسلمان سوئی میں داخل ہوئے۔ انور نے دیکھا شہر کے اندر سڑکیں  
کچھ زیادہ تنگ تھیں۔ ایرانی مرد، عورتیں اور بچے رشتہ جیسا پتے آجاتے تھے۔ عورتوں میں کسی شہر کا لباس نہ  
تھا بلکہ وہ ان کے سروں کے دوش جڑواں چادر تھیں۔

جب سبیل اس راستہ سے گزرتے گئے تو ایرانی مرد، عورتیں اور بچے انہیں حیرت سے دیکھنے لگے عورتوں  
کا لباس ایرانیوں کے لباس سے بالکل الگ تھا ایرانیوں کی ڈاڑھیاں سٹی جوتی اور جو تھیں مرنے کی پروں کی طرح  
لمبی تھیں۔ جب ہیئت تھی ان کی۔ مسلمانوں کی ڈاڑھیاں تھیں۔ ڈاڑھوں سے ان کی نیکیں پائین سے جوڑی تھیں  
ایک ٹوٹا ہوا کھمبہ توں پر بندھا تھا۔

یہ لوگ سڑکوں اور بازاروں میں سے ہوتے ہوئے برس کے ہاتھ نمان میں کے ساتھ چلتے تھے۔ مسلمانوں  
کو وہاں خانہ میں بٹھا دیا گیا۔ ٹوکے لے جہد معزز شہر میں اونہے گشتیوں کو خواہاں مسلمانوں کو ان کے ساتھ  
کر دیا کہ وہ ہستی کے اسلاف کی مہم شہر کر کے ان سے جزیرہ دونوں کر لیں۔

میل کے مسافروں کو ہدایت کی کہ باہر میں "فیروز" گاڑیوں میں اس کے وارنٹ نہ ہوں اور حکومت سے  
جزیبہ میں مارنے ہی خوف سے چلے ہیں۔

مخاض میں رہنوں کو کہتے تھے۔ یہ لوگ آتش خانوں میں رہتے تھے جو دھواں آگ کو بجھنے کے لیے اور دھواں  
سے بھی آگ کی پوجا کرتے تھے۔

ایرانی طور کی بڑی عزت کرتے تھے جو محلوں میں زیادہ ذی عزت ہوجاتے تھے وہ برتا کھاتے تھے۔

برس کے میل کے کہا

تم لوگ اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی رکھتے ہو؟

میل نے جواب دیا

"ہیں۔ جب تو نہیں اپنے بعض آدمیوں کے ساتھ ان کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔"

برس نے جواب دیا۔ "تمیں خود تیرے علمائے کرام کو گھر لے کر آؤ گے۔ ایک ایک خانہ میں اپنی عورتوں اور بچوں  
کو ساتھ لے جاتے ہو۔"

میل نے جواب دیا۔ "ہاں۔ ہمارے گھر میں اپنی عزت، صحت اور جانوں کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔"

برس نے کہا۔ "ایک بار تو میری عمر تھی۔ جس وقت میں ملکا کرنا" (یعنی گھر سے اور بچے کو زنا نہ پہنچائی جائے)۔  
شعبانوں کی طرح رہتی ہیں۔ ناز و نکات دیاں ہیں۔"

میل نے اس کے دیکھ کر ہنسی مچائی۔ "میرے بڑے بہنوئی نے کہا تھا کہ تم نے اس طرح کی لڑائی میں  
برس اور بچا؟"

میل نے جواب دیا۔ "میں نے کہا کہ میں نے اپنے گھر کی حفاظت کی ہے۔ اور وہ جو ملک کر رہا ہے۔  
کہہ رہا ہے کہ میں نے اس کے آگے نہیں ہوتے۔ انہیں شروابی سے منہ نہ کھنی کہ وہ بے وفائی کی تعلیم دی  
جاتا ہے۔ ان کے زلوں میں سے خون لکھ جاتا ہے۔"

اسی وقت ایک عورت بھی سہیڑا آئی۔ وہ بھی اس کے پاس سے گزرتی تھی اور وہ بڑی عزت سے پہنچے ہوئے  
تھی۔ خوب سسلو کر کے چلے جاتی تھی۔ ایک دن بھی وہ اپنے دوستوں سے خوش ہوا۔ اس میں ہا زبورت اور  
زینت و منگنا کے لیے شروابی کو دیا دیا تھا۔ اس نے میل کو دیکھا۔ میل کی تلوار میں اس پر پڑی تھی۔ انھوں نے  
مدد کے لیے اپنی لگائی چلی۔

برس نے کہا

"آؤ چلی مرزا۔"

اسی طرح اس کا مرزا بہانہ تھا کہ ایک دست پر میل کے ہاتھ میں مڑ گئی اور انہیں دیکھنے لگی۔ برس  
نے مرزا سے کہا۔

"تم جہت سے ان عورتوں کو بچو رہی ہو۔ یہ اس کی تلوار کے تابہ ہیں۔"

مرزا نے اس پر ہنسی بھری۔ "میں نے اس کے حسین چہرے پر نوک لہری دوڑ گئی اور وہ وہ سے زیادہ سید  
وانت بھلا کر گئے۔" حسین کھوں میں خوشی چھلک آئی۔

برس نے کہا۔

"تم نہیں کہ مرزا؟"

مرزا نے کہا۔ "آپ نے بہت ہی مائی کی کہ ایک تلوار کے ایسے صدمہ دار بزرگ کو روک دیتے ہیں۔ ہاں بزرگ کے اصرار  
بھی اور عورت کے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ آپ انہیں ہلا کر نہیں دیتے۔"

تو کہنے لگا کہ کوئی اصرار نہ کر رہی ہو ہے۔

برس نے کہا۔ "اور یہ میں نے تم کی ہی مائی کا تھا۔ خشت طہرہ جو کہ تم آفرادہ سب مار سکتے۔"

مرزا نے اس کی طرف دیکھ کر خوشی سے کہا۔

نشاہ یہ بھی سمجھو۔

میل نے بھی اس کی جگہ صبر کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے خوشی اور آنکھوں سے شہرہ کا ہر لمحہ بڑا  
ہوں پر حسین تبسم کھل رہا تھا۔

برس نے کہا۔

"نہجے میں بھی خوب ہے کہ انھوں نے اس کو توڑی کسی قدر ترقی کی ہے۔"

مرزا نے جواب دیا۔ "اس کا کہ میں نے سمجھا تھا کہ اس نے یہی ہے جو انوں کو اصرار بنا کر بھیجا  
جانے لگا ہے۔"

برس نے اس کا جواب تو بھی دے سکتے ہیں۔

میل نے کچھ عذر لڑنے سے ان کو کچھ دوسرے لوگوں سے نادمی سے کہہ کر ان کو مرزا کے پاس لے گیا۔  
وہ چلے۔ مرزا نے برس سے کہا۔

"ان کا کام کیا ہے؟"

برس نے جواب دیا۔

"ان کا کام کیا ہے۔ کیوں تو جو ان میں ہے نا تھا؟"

سبل: اچھاں۔

برکس نے کہا:

"قمار سے مراد، غریبی ٹانگنا تھا۔ مجھے یاد رہ گیا۔"

مرزا نے سبل سے خطاب ہو کر کہا:

"قمار سے ملک میں شاید عمر وگ بقی نہیں رہے اسی لیے تم جیسے جوانوں کو غریب بالیا ہے۔"

سبل: یہ بات جیسے میرے ملک میں بے شمار عمر وگ میں بڑے جنگجو لوگوں کو کھڑی ہے۔ ان میں سے اکثر

بڑا بڑا مصلیٰ بن چکے ہوتے ہیں۔ ماکڑا ایٹوں پر جانوں ہی کو بھیبا ملتا ہے۔

مرزا نے غصے سے کہا:

"شاید اس لیے کہ وہ جنگجو بہ حاصل کر رہے ہیں؟"

سبل: اچھاں۔

مرزا نے گھر و عورتوں سے بات کرتے ہوئے اپنی نظروں پر بھی دیکھیں وہ میدان جنگ میں غواروں پر کیسے لگا ہیں

جاسکتے ہیں اور کس طرح عورتوں سے مل کر سکتے ہیں۔

برکس: بڑا خوش ہے قمر زمانہ۔

مرزا نے میدان یافت کر رہی ہیں۔

سبل: جیسے خدا اور خدا کے نبی مل اللہ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہم تمام عورتوں کو لڑکیوں کو دیکھ کر

اپنی نگاہیں جھکا لیا کریں۔

مرزا نے ایسا حکم کیوں دیا لگتا ہے؟

سبل نے جواب دیا:

"اس سے ہفتے اٹھنے کا احتمال ہے۔ انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے۔ شیطان دھانے میں جلدی

کامیاب ہو جاتا ہے۔"

مرزا نے یہ کہیں نہیں کہنے کی تم عورتوں سے ڈرتے ہو۔

سبل نے مسکاکر کہا:

"عورتوں سے ڈرنا ہی چاہیے۔ باوا آدم کو ان کو انے جنت سے نکلوا کر دیا تھا۔ ممکن ہے ان کی

شیطان ایسا آگے دینا سے بھی نکلوا دیں۔"

برکس: اب تو وہ ان مرزا نے۔

مرزا نے: لکھن اور ان لوگ۔ باوا آدم جنت سے نکلے تو دنیا میں آگئے تھے۔ جو اس کو روکنا سے نکال گیا

تو لکھن جانیں گے۔

سبل: امید ہے بہشت میں پہلے جئیں گے۔ وہیں سے واپس آؤں۔

مرزا نے: عروا کو ہمارا حکمران چاہیے۔ وہ ہماری دولت جنت سے نکل کر اس دنیا میں آئے جس کی دھڑ دھول اور

دیکھنا بڑی کیفہ لگتا ہے۔ میں اور اگر عادل سے نکلے تو بہشت میں چھپ جاؤں گے۔

برکس: اس بحث کو چھوڑو اور مکان کی تلاش کرو۔

مرزا نے: مکان کا مجھے اس کا خیال ہی نہیں۔

وہ جلدی سے اٹھ اٹھ بھلی طرح چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں کالے کانا، سفید اور سبل کی خاطر اس کی

سبل نے کہا:

"جب تک میرے آگے نہ آجائیں گے اس وقت تک میں کچھ نہ کھاؤں گا۔"

"انکی آجائیں گے؟" مرزا نے حیرت سے کہا۔ پھر بول:

"کیسے؟ وہ؟ کہاں سے آئیں گے وہ؟"

برکس نے اس کی بات کا جواب دیا:

"میرے مسلمانوں سے لائے تو یہ پر سچ کرنا ہے۔ ان کے ساتھ مرام شادی اور لوگوں سے جزیہ لینے

کے لیے آئے ہیں۔"

مرزا نے کہہ:

"جب وہ آئیں گے تو وہ بھی کہاں سے تباہ لکھا ہے تو کھاؤں گے۔"

سبل نے حنفیت کرتے ہوئے کہا:

"نہیں کیجیے۔ میں بغیر ان کے نہیں کھاؤں گے۔"

برکس نے دھم دیتے ہوئے کہا:

"آجائے دو انہیں بھی۔"

دوہر کے وقت وہ لوگ آئے تو سبل نے ان کے ساتھ کھانا کھا دیا۔

یہ لوگ رات کو وہیں ٹھہرے۔ دو روز میں مردم شادی مکمل ہو گئی اور جزیہ وصول ہو گیا۔ سبل نے

اجانت چاہی کہ برکس نے اجازت دی تھی۔

سبل اور اس کے ساتھی جانے کو تیار ہو گئے۔

مرزا بانہ: چلتا: رات گیسے ملے کاشتہ ہے۔

سیل: اگسٹ: رات گیسے۔

مرزا بانہ: میں گئی: رات گیسے۔

سیل: عرصہ آگاہ۔

سیل: مع اپنے ہجر ہونے کے والد سے ہے۔



## کشتی

(۴۴)

مسافروں کو اصفانہ کے علاقہ میں داخل ہو کر جو کچھ ہوئی تھی اس کی خوشی مردوں، عورتوں اور بچوں سب ہی کو ہوئی تھی اور سوئی پر معاہدہ سے قبلہ ہونے کا اور بھی مسرت ہوئی۔ چونکہ پہلے صبح کے میں بہت سے مسلمان رہتی ہوئے تھے اس لیے بعض عورتیں ان کی تیار داری کر رہی تھیں۔ جو زیادہ عرصہ رہ گئے ان کو کچھ بھال رات کو بھی کرتی تھیں۔

عورتیں تیار داری کے فن سے خوب واقف ہوتی ہیں۔ رات دی ایک کر رہی ہیں۔ نہ ٹھکنی میں نہ رخصت انہیں معنی کرتی ہے۔ نہ وہ کسی کام سے اکتافی ہیں نہ کراہت کرتی ہیں۔

بعض عورتوں کی دیکھو بھال سلاست، لہجہ اور رفیقہ کے ڈسے بھی تھے۔ یہ تینوں جانیں کئی کئی گھنٹے چڑھا کرے پاس رہتیں۔ انہیں کھانا پینے، دھو کر اتاریں اور ان کی پیشینہ بدلتی ہیں۔ وہ کتنا بھی پکھتیں اور کام بھی کرتیں۔ ہر وقت مشغول رہتیں۔

ایک روز سلاست بار پڑ گئی۔

وہ دن بہت گرم تھا۔ سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ سلاست کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا جیسے آگ سے جھلنے والا ہو یا پیریز سے دھوا کر نکلی ہو۔

لہجہ لے لے گا:

ایک لاکھ لگی ہو ہے۔

سلاست: اے خدا گئی۔ ایک نو گری بہت ہے دوسرے کام بہت رہا ہے۔



لباب: بس اسے پر ہمدردی کا دعویٰ تھا۔ اگر لوگ کی نوبت آجاتی تو دھواں سمیٹنا پڑتی تو کیا ہوتا۔  
 رفیعہ: ہوا کیا۔ تھا یا میرا سارا ڈھونڈ لیتیں۔ ہمارے پیچھے کھڑی ہو کر بٹنا پاؤ گئی رہیں۔  
 سلسلہ کو لڑنے لگیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:

”جیسے ایک نئی ہی دھڑکی ہمارے ہو۔ اگر وہ میں شرکت کرنے کی نوبت آتی تو تم دونوں سے کچھ بڑھ کر لڑتی۔“

لباب نے ہنسنے لگا۔

”میں نہیں، تو تمہارے باندی کہہ دیجئے۔“

رفیعہ: آخر تانہ دنا نکالتی ہیں نا۔ فانی میں قسم کا دیکھیں ہی کچھ بڑھ کر لڑنا کر دیں۔

سلسلہ: تمہارے زیادہ تانہ نہیں ہیں۔

لباب: بالکل میں نہیں۔ اسی لیے تو تم شک گئی ہو۔ مگر کچھ ہم نے ہی اتنا ہی لاکھ ہے جتنا تم نے۔

سلسلہ: لاکھ کیا بات ہے اس میں۔

رفیعہ: ٹھیک تو کہہ دی ہیں بھاری۔ لاکھ اور بات ہے۔ لاکھ لاکھ بات ہے۔ لاکھ لاکھ میں مشتق کرنا پڑتا ہے۔ لاکھ لاکھ میں؛ لاکھ میں نہیں۔

سلسلہ: اب تم دونوں سے کوئی جیتے۔ میں لاکھ سے نہیں ٹھیک۔ گری نے پریشان کر دیا ہے۔

”اچھا۔“ لباب نے غصے سے کہا۔

”بھاری۔“

سلسلہ: ضرورت کرو گی۔

رفیعہ: چاکرہ ہی میں یہ۔ واقعی گری بہت زیادہ ہے۔ اس کا جوش بڑی کر نکالیں۔

لباب: واقعہ خوب کئی۔ نہانے سے نہانے کی دھڑلہ ہو جائی گی۔ کوسہ سب سے بہت؟

سلسلہ: بہت تو ہے لیکن تمہارے بھائی جی اگر بار سے پیچھے آئے تو۔

لباب نے خوشی سے کہا:

”بالکل ٹھیک۔ کچھ نہ کہیں گے وہ نہیں۔ یہاں کہہ دوں گی کہ میں تمہاری۔ انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔“

سلسلہ: میں کبھی نہ کھائی تھی۔

لباب: ہر تو نہیں مگر بسنے والی ہوتی۔

سلسلہ: مزہ دھو رہے تھے۔

لباب: پانچ وقت دھو گئے ہوتے دھوئی ہوں۔ دیکھ لو کچھ چاند سا نہ ہے۔

سلسلہ نے ہنس کر کہا:

”واقعہ چاند سا ہے۔ اس کی تو میں بھی شہادت دیتی ہوں۔“

رفیعہ: غلط۔ اگر چاند سا چاند سا ہے تو سلسلہ کا کیسا سا؟

لباب: سلسلہ کے ہرے کو چاند سے کیا نسبت؟ چاند میں داغ ہے اور سلسلہ کا ہر وہ بے داغ ہے۔

رفیعہ: اچھی بات۔ چکرنا۔ چلو جوش کے کنارے پہ۔

لباب: میں تو تیار ہوں۔ سلسلہ سے پوچھو۔

سلسلہ: میں تم سے پیچھے تیار ہوں۔

رفیعہ: تو چلو۔

تینوں جلیں۔ تینوں نے کئی کئی بار دیں لے لیں۔ جوش کے کنارے سے بری ان کے غم سے وہ

خیموں سے نکال کر چلے پر آگئیں۔ اتفاق سے اس طرف اس وقت کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے کپڑے سے لاکھ لاکھ

ایک چادر کے۔ نہ باندھے۔ ایک ایک چادر سے لپکا لپکا اور شراب سے بھٹی میں کود پڑیں۔

تینوں تیرا تیس۔ اچھل مچھل کر جاتی تھیں۔ خوب تیرنے لگیں۔ کبھی ایک جگہ سے غصہ ظاہر کر دیتیں۔

کبھی ایک ہی جگہ میں بیٹھ جاتیں اور کئی کئی منٹ میں ابھرتیں۔

کافی دیر تک نہاں رہیں۔ پھر پانی کے اندر بیٹھ کر بہنے لگیں۔ جب ٹھنڈا حلوم ہونے لگا تب جوش

سے مستی ہو کر باہر نکلیں۔ خشک چادروں سے بدلی ہوئے بال پھوٹے اور پڑے۔ پس کر بال ٹھکانے

بیٹھ گئیں۔

تینوں کے ڈال لیے۔ سیاہ اور ریشم جیسے حاتم تھے۔ ان بالوں نے ان کے چہروں کو اور رخسار کو دیا

نکلتے سے وہ نکلتی تھیں اور ان کی صورتیں اور بھی دھڑلے ہو گئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں ان کے بال خشک ہو گئے۔ وہ اٹھنے ہی والا تھیں کہ بابہ کا نظر مٹنے لگا۔

اس نے کچھ کم کہا

”اے۔ یہ سب سے خوشی آرہی ہے۔“

تینوں میں طرف دیکھنے لگیں۔ ایک خوبصورت کشتی بڑھی تھی کہ یہ تھی۔ رفیعہ نے کہا:

”میں میں تو وہ تھی ہی تھی۔“

کشتی برابر رچی ہوئی تھی جب وہ بالکل پاس پہنچی تو غصے سے دیکھا اس میں ایک صید تالین کے  
 اور ٹیکے کے سارے بٹھے تھے۔ بڑی بڑی حرکت ہے۔ نہایت فخر و جاس اور خوشنودی دولت ہے۔ یہ کبیر  
 جمل ہو رہی ہے۔

کشتی کا رشتہ کی طرف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ کشتی ان کے قریب آکر معاملہ سے لگ گئی۔ کشتی بھی نہایت  
 خوبصورت تھی۔ اس میں جو فرسٹ اور مابین تھے انہیں دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کشتی نہیں کسی بڑے امیر کبیر  
 لگی کی ہو گی یا بیٹی ہے۔

کشتی کے کنارے سے گئے ہی تہی تہی بعد از اچانک جمل کہہ کر اسے پران لگی۔ اس کے ساتھ دو عوامیں  
 بھی آئیں۔ وہ بھی نو عمر و شکیل تھیں۔ اچھے لباس اور اچھے زینت پہنے تھے۔

نازنین رفاہی ناز سے جمل کا کان تھیں مگر وہ اس کے ہاتھ نہ لگا۔ یہ اس کے استقبال کو آئی کر کمری ہو گئیں  
 نازنین نے کہا:

”نہیں خیرت ہوگی۔ میں کون ہوں اور کس لیے آئی ہوں؟“

اس نے نادری زبان میں گفتگو شروع کر دی۔ تین کچھ نادری میں لگی تھیں۔

بابہ نے کہا:

”بیم حیرت نہیں ہے یہ ہم کہہ گئیں کہ تم کسی مرزا کی بیوی یا بیٹی ہو اور ہم سے ملنے آئی ہو۔“

نازنین کا چہرہ بڑی کے ہاتھ پر کچھ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا:

”میں سوئی کے مرزا کی بیوی کی بیٹی ہوں۔ تم سے ملنے آئی ہوں۔“

بابہ آگے نہ بڑھا۔

نازنین، اس کا خاندان نہان ہوں۔ بارہ خاطر تو نہ ہو جاؤ گی۔

بابہ: مرزا کی ماں کی فزائی مشہور ہے۔ ہمارے محل پر جو آتا ہے وہ بارہ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سے فخر ہے  
 اس کی مدارات کرتے ہیں۔ لیکن آپ سے کیا؟

نازنین: میرا نام مرزا ہے۔

بابہ: آؤ۔ لیکن ایک بات سنو۔ ہم عربی دو شیراز میں۔ ماد کی کو پسند کرتی ہیں۔ آپ کے شہزادہ کی

نہایت پس فرشتہ ہے نہ ساجد۔ نہ جیسے میں نہ اور کوئی ساجد ہے۔

مرزا نے اس کی شکایت نہ ہو گی۔

بابہ: تو کیسے۔

یہ تینوں مرزا نے اور اس کی دونوں خواہشیں۔ بابہ کے جیسے پرانیں۔ مرزا نے جھگڑائی۔ اس کے ساتھ ہی  
 یہ تینوں اور دونوں خواہشیں بھی پیش کر گئیں۔

مرزا نے کہا:

”ایک تو جوان فرسوی میں جز بہ وصول کرنے لگے تھے۔“

بابہ کو کچھ خیال ہوا کہ کہیں انہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا۔ وہ کچھ مضطرب ہو گئی۔ اس نے علی

سے کہا:

”اے میرے بھائی صبر میں۔ کیا ہوا انہیں؟“

مرزا نے، گھر پر نہیں۔ وہ خیریت سے واپس آ گئے ہیں۔ تم ان کی بات نہ کرو۔

بابہ: کیا۔

اس نے سسٹن کی طرف دیکھ کر کہا:

”اور یہ شادی کی شریک حیات ہیں؟“

سسٹن شرارتی، بابہ نے سوچ نکالوں سے سسٹن کو دیکھ کر کہا:

”ہیں تو ہیں۔ بھنے والی ہیں۔“

سسٹن اور بھی نرم کر گئی۔ مرزا نے اور فائدہ منگوانے لگیں۔



## طریقہ تبلیغ

(۴۵)

دو ہفتے پہلے وہی جیپ مرزا نے مرزا پر دو میں کافی تھا۔ کچھ دیر بائیں کرنے کے بعد لاپہ نے مرزا سے مخاطب ہو کر کہا:

”اب توڑی دیر آپ کو تیار ہونا ہوگا۔  
مرزا نے گہرا کٹی۔

”اسے جلدی سے پوچھا: کیوں؟“

”لاپہ مسکرائی اور اس نے جواب دیا:

”گجرات کے کوئی بات نہیں۔ جلدی تیار کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم تیار ہونا ہیں۔“

مرزا نے تیار کے نام سے گہرا داخلہ لیا۔ اس نے پوچھا:

”تیار کیا؟“

”لاپہ: تیار خدا کی عادت ہے۔“

مرزا نے: ”کہہ ڈھنگ تو تیار؟“

”لاپہ: اس سربراہ کے درمیان میں ایک مابین کھڑا ہے اس کے سایہ میں پڑھوں گی۔“

مرزا نے: ”تھوڑے سے وہاں سے؟“

”لاپہ: اسی نیم کے سامنے ہی ہے نیچے دکھاؤں۔“

لاپہ نے نیچے کو پروردہ (مطہ) سامنے ایک مابین تیار مرزا نے دیکھ لیا اور کہا: ”یہ تو قریب ہی ہے۔“

”ہم بیس دو گز سے میں بیٹھ کر اگر دیکھوں تو کوئی ہرج تو نہیں۔“  
”لاپہ: بیس کیوں؟ آپ ہمارے ساتھ چلیے وہیں دیکھ لیجیے گا۔“  
مرزا نے: ”نہیں۔ میں بیس بیٹھ کر دیکھوں گی۔“

لاپہ: اچھا۔

لاپہ: رفیقہ اور سہیل تیز ہیں اور غیر سے باہر نکلتی ہیں۔ سہیل نے لاپہ سے کہا:

”نکسندہ سر پر جو کٹی ہوئی ہے؟“

”لاپہ نے مسکین صورت مار کر کہا:

”کیا خطا ہو گئی ہے؟“

”سہیل: بھاری جیسے کچھ ہاتھی نہیں۔“

لاپہ نے رفیقہ سے مخاطب ہو کر کہا:

”نیکندہ: جسے کوئی غلط ہو گئی ہے؟“

”رفیقہ: غلط تو نہیں ہوئی، لیکن تین ایک اجنبی لڑکے کے سامنے یہ نہیں کر دینا چاہیے۔ فکر یہ سہیل کی ہونے والی شرکیہ عبادت ہیں۔“

لاپہ: ”اوہ۔ یہ بات ہے۔ اچھا اتفاق ہو سکتا ہے۔ زندہ اعتقاد کرنا لگا۔“

”یہ کہہ کر وہ پیش ہوئی۔ سہیل نے کہا:

”بڑی شروع ہو گئی ہو۔“

”یہ تینوں مابین کے قریب پہنچیں اور دو کس کے اول بار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر چار رکعت پڑھیں۔“

اس کے بعد وہ دو رکعت سنت اور نعل داکر کے چلی آئیں۔“

”جب وہ مرزا نے کہہ ہی پہنچی تو وہ درمیان میں بیٹھ گئی۔ لاپہ نے کہا:

”پڑھو؟ میں تم تیار؟“

”رفیقہ: جی ہاں۔“

مرزا نے: ”تم نے کس چیز کو پڑھا۔ تیار سے ملنے تو کچھ تھا ہی نہیں۔“

”رفیقہ: ہم اس عبادت کرتے ہیں جو پڑھنا ہے لیکن ہر جگہ موجود ہے۔ قرآن مجید کی عبادت اور قرآن مجید۔“

مرزا نے: ”آگ لگایا؟“

”رفیقہ: لیکن کال میں جاننے کی عادت ہے۔ میں پروردہ پڑھنے لگی؟ پھر میری ہی ہمارے گدہ میں بھی۔“

## طریقہ تبلیغ

(۴۵)

دو ہفتے پہلے وہی جیپ مرزا نے مرزا پر دو میں کافی تھا۔ کچھ دیر بائیں کرنے کے بعد لاپہ نے مرزا سے مخاطب ہو کر کہا:

”اب توڑی دیر آپ کو تیار ہونا ہوگا۔  
مرزا نے گہرا کٹی۔

”اسے جلدی سے پوچھا: کیوں؟“

”لاپہ مسکرائی اور اس نے جواب دیا:

”گجرات کے کوئی بات نہیں۔ جلدی تیار کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم تیار ہونا ہیں۔

مرزا نے تیار کے نام سے جیپ کا تعلق ہی سامنے سے پوچھا:

”تیار کیا؟“

”لاپہ: تیار خدا کی عادت ہے۔

مرزا نے: ”کہا: تیار تیار؟“

”لاپہ: اس سربراہ کے درمیان میں ایک مابین کھڑا ہے اس کے سایہ میں پڑھوں گی۔

مرزا نے: ”تیار ہے وہ وہی ہے؟“

”لاپہ: اسی نام کے سامنے ہی ہے نیچے دکھاؤں۔

لاپہ نے جیپ کو پروردہ (مطہ) سامنے ایک مابین تیار مرزا نے دیکھ لیا اور کہا: ”یہ تو قریب ہی ہے

ہم ہیں۔ دو گانے میں بیٹھ کر اگر دیکھیں تو کوئی ہرج تو نہیں:

لاپہ: ”بہن کیوں؟ آپ ہمارے ساتھ چلیے وہیں دیکھ لیجیے گا۔

مرزا نے: ”نہیں۔ جی نہیں بیٹھ کر دیکھوں گی۔

لاپہ: ”اجا۔

لاپہ: رفیقہ اور سہیل تیز تیز اتریں اور غریب سے باہر نکلیں۔ سہیل نے لاپہ سے کہا:

”نکسندہ سر پر جو کٹی ہوئی ہو؟“

لاپہ نے مسکین صورت مار کر کہا:

”کیا کٹا ہوئی ہو؟“

سہیل: ”پتلی جیسے کچھ ہاتھی نہیں۔

لاپہ نے رفیقہ سے مخاطب ہو کر کہا:

”نیکندہ۔ غریب کوئی غلط ہو گئے؟“

رفیقہ: ”غلط تو نہیں ہوئے۔ لیکن تین ایک اجنبی لڑکے کے سامنے یہ نہیں کر دینا چاہیے۔ فکر یہ سہیل کی ہونے والی

شریکہ حیات ہیں۔

لاپہ: ”اوہ۔ یہ بات ہے۔ اچھا اتفاق ہو سکتا ہے۔ زندہ اعتقاد کروں گی۔

یہ کہ کر وہ پیش ہئی۔ سہیل نے کہا:

”بڑی شروع ہو گئی ہو۔

یہ تینوں مابین کے قریب پہنچیں اور دو کس کے اول بار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر چار رکعت پڑھیں۔

اس کے بعد وہ دو رکعت سنت اور نعل واکر کے چلی آئیں۔

جب وہ مرزا کے پاس پہنچی تو وہ درمیان میں بیٹھ گئی تھی۔ لاپہ نے کہا:

”پڑھو؟ میں تم تیار؟“

رفیقہ: ”جی ہاں۔

مرزا نے: ”تم نے کس چیز کو پڑھا۔ تیار سے ملنے تو کچھ تھا ہی نہیں۔

رفیقہ: ”ہم اس حد الیحد کرتے ہیں جو پڑھنا ہے لیکن ہر جگہ موجود ہے۔ قرآن مجید کی عبادت اور قہر۔

مرزا نے: ”آگ لایا اللہ ہے۔

رفیقہ: ”لیکن کمال میں جاننے کی تابست ہے۔ میں پروردہ پڑھنے لگی؟ جو چیز اسی میں پڑھنے لگی وہ میں بھی



## طریقہ تبلیغ

(۴۵)

دو ہفتے پہلے وہی تھی جب مرزا نے مرزا دہ میں کافی قحط کچھ دیر بائیں کرنے کے بعد لاپہ نے مرزا سے مخاطب ہو کر کہا:

”اب توڑی دیر آپ کو تیار ہونا ہوگا۔  
مرزا نے گہرا لٹی۔

”اسے جلدی سے پوچھا: کیوں؟

”لاپہ مسکرائی اور اس نے جواب دیا:

”گجرات کے کوئی بات نہیں۔ جلدی تیار کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم تیار ہونا چاہتے ہیں۔

مرزا نے تیار کے نام سے گجرات کا قحط بھی سامنے سے پوچھا:

”تیار کیا؟

”لاپہ: تیار خدا کی عبادت ہے۔

مرزا نے: کیا بڑھک کر تیار؟

”لاپہ: اس سربراہ کے درمیان میں ایک مابین کھڑا ہے اس کے سایہ میں بڑھوں گی۔

مرزا نے: کچھ دیر سے وہاں ہے؟

”لاپہ: اسی نیم کے سامنے ہی ہے نیچے دکھاؤں۔

لاپہ نے چلے گا پردہ اٹھا کر سامنے ایک مابین تیار مرزا نے دیکھ لیا اور کہا: ”یہ تو قریب ہی ہے

ہم ہیں اور اس سے میں بیٹھ کر اگر دیکھیں تو کوئی ہرج تو نہیں۔  
لاپہ: ”بہن کیوں؟ آپ ہمارے ساتھ چلیے وہیں دیکھ لیجیے گا۔  
مرزا نے: نہیں۔ میں نہیں بیٹھ کر دیکھوں گی۔

لاپہ: اچھا۔

لاپہ: رفیقہ اور سہیل تیز تھیں اور غیر سے باہر نکلیں۔ سہیل نے لاپہ سے کہا:

”کچھ دیر بیٹھ کر دیکھ لیں؟

لاپہ نے: ”میں صحت مندرگاہ

”کیا کھانا ہوئی ہے؟

سہیل: ”بھاری پیسے کچھ ہاتھی نہیں۔

لاپہ نے: ”رفیقہ سے مخاطب ہو کر کہا:

”نیکوئی۔ جسے کوئی غلط ہو گئی ہے؟

رفیقہ: ”میں تو نہیں ہوں۔ لیکن تین ایک اجنبی لڑکے کے سامنے یہ نہیں کر دینا چاہیے تاکہ یہ سب کچھ ہونے والی  
شریکہ جات ہیں۔

لاپہ: ”اوہ۔ یہ بات ہے۔ اچھا اتفاق ہو سکتا ہے زندہ اعتقاد کر لیں گی۔

یہ کہ کر وہ پیش ہئی۔ سہیل نے کہا:

”بڑی شروع ہو گئی ہوں۔

یہ تینوں مابین کے قریب پہنچیں اور دو کس کے اول بار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر چار رکعت پڑھیں  
اس کے بعد وہ دو رکعت سنت اور غلہ دار کے چلی آئیں۔

جب وہ مرزا کے پاس پہنچی تو وہ درمیان میں بیٹھ گئی تھی اس نے کہا:

”بڑھ کر آئیں تم تیار؟

رفیقہ: ”جی ہاں۔

مرزا نے: تم نے کس چیز کو بڑھایا تھا؟ سامنے تو کچھ تھا ہی نہیں۔

رفیقہ: ”ہم اس عداوت کرتے ہیں جو پوشیدہ ہے لیکن ہر جگہ موجود ہے۔ قریب ہی کی عداوت۔ رقیبہ

مرزا نے: ”آگ لگ گیا۔ آگ لگ گیا ہے۔

رفیقہ: ”لیکن کال میں جانے کی غیبت ہے۔ میں پردہ بڑھائے گی؟ پھر میں اس میں ہارے گی وہ میں بھی

میاں کہنے تھے جس سے دوسرے بھی سب بیوں پر برا اثر پڑتا تھا اور وہ خود فرود ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کو انسان نہیں بلکہ خود کی قسم سے سمجھتے تھے۔

دفعہ دہریہ بات استدلال کو بھی معلوم ہو چکی کہ ہزیمت یافتہ سپاہی، مسلمانوں کے جنگی اخلاقیات میں ایک کر کے سپاہیوں کو بولڈ اور کم ہمت بنا رہے ہیں۔ اس نے انہیں دہلی سے دھک دیا اور ایک روز اس نے اپنی فوج کے سامنے اس طرح تقریر کی:

ایڑائی ہارو دا

تم ان شیروں کی اولاد ہو جنہوں نے دوئی سلطنت پر چڑھائی کر کے میاں بیوں پر فتوحات حاصل کی تھیں۔ اور تبصرہ رکھنے ان سے ڈر کر نہایت ذلت آمیز شراکت پر آمادگی تھی۔ انہوں نے اپنی باندی کا سنگ عاری دیا پر جھکنا یا ٹھکنا کہہ کر دوئی سلطنت نہایت عظیم الشان اور بڑی باہمت تھی۔

بعد سے پڑوس میں عرب بھی ایک ملک ہے۔ اس ملک کے باشندے جنگی اور غیر مذہب تھے۔ ہمارے ملک میں غار نہیں کہنے جاتے تھے۔ ہم انہیں اپنے گھوڑوں پر سائیں رکھ دیتے تھے۔

عربوں کی ہمت کبھی وقت نہیں کہ نہ وقت کرنے کے قابل تھے نہ ذلیل اور پہنڈہ قوم تھے۔ ان کا لہجہ سے یہ خوب و خیال بھی نہیں تھا کہ وہ کسی ملک پر غور کشی کر سکیں گے کیونکہ ان کے ملک میں ایک نئی قوم تھی۔ انہوں نے عربوں میں ایک عجیب قسم کا جوش بھڑایا۔ ملک عرب میں انقلاب ہو گیا۔ داخلی عرب مذہب بھگے اور انہوں نے ایران میں باہمت اور عظیم الشان سلطنت پر حملہ کر دیا۔ ہمارے سبیل افروں کی وجہ سے انہیں فتوحات حاصل ہو گئیں۔ ہمارے شمشیر بزدلوں کو ان کے مقابلہ سے جھگٹنا پڑا۔

خیال تھا کہ عربوں کا سپہ سالار ماضی تک مکرر کر جاتے گا اور اتنا تو وہ دنگ خود ہی واپس چلے جائیگا۔ پام انہیں نکال دینگے کیونکہ انہیں ہوا۔ تاکہ انہیں پر قبضہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنا کونج کر دیا اور اب انہیں انکڑے چلنے پھرنے ہیں۔

عرب اپنے آپ کو مسلمانوں اور جھوٹے مسلمانوں میں نہیں سمجھتے بلکہ انہیں اپنی نہیں بلکہ ان کا فریضہ ہے۔

## جوش و نفرت

(۳۱)

اسدی لشکر استدار کی طرف تھا۔ استدار اجمارا اور امضان کے درمیان حدان کا حکمران تھا۔ اس کے لشکر کا کچھ حصہ ہر لال کے طور پر مشہور راز چا دو کی سرکردگی میں مسلمانوں سے آکر ٹھوکیا تھا۔ شہر بڑا بڑا لگا اور ہر اول ہزیمت اٹھا کر جاگ گیا تھا۔

اسی ہر اول لشکر کے سپاہی بھاگ کر اس کے پاس پہنچے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ شہر بڑا بڑا لگا ہے اور اس کی سپاہ کو ہزیمت ہو چکی ہے تو اسے برا غصہ آیا۔ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے چند خاصوں اسدی لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجے۔ ساتھ ہی اس کے امضان کے حکمران دارمضان کو ان تمام واقعات کی اطلاعات دی اور اس سے مدد طلب کی۔

دارمضان کو یہ معلوم تھا کہ استدار کے پاس اب بھی کس ہزار سے زیادہ لشکر موجود ہے۔ اس لیے اس نے اس کی مدد کرنا کچھ ضروری نہ سمجھا۔ البتہ اپنی قوت بڑھانے کے لیے جو جس بھرتی کر لی تھی وہاں گریں دارمضان کو کہہ دیا کہ تمہارے پاس کافی لشکر موجود ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کر ہے۔ تم دیکھو اور کڑتے سے ان کا مقابلہ کرو۔ ساتھ ہی رسالہ جتنی سالانہ بھیجہ بدلتی ہر نامہ دینا شروع بھی بھیجے۔

استدار کے پاس داخلی کافی لشکر موجود تھا۔ مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ۔ اسی حالت اور حالت کے آگے سے بڑی نفرت ہوئی۔

لیکن۔

آج بھی مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ آئے تھے۔ وہ مسلمانوں کی فوج کو جنگ کے واقعات و مہرج

مجھے ان کے مذہب کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ خدا کو ایک ذلتے ہیں اور جس خدا کو انھوں نے یا کسی نے کبھی نہیں دیکھا اس کی عبادت کرتے ہیں۔

وہ زندہ اور اس میں جہاد سے خدا ہیں انھیں خدا نہیں دیتے مگر ان کو منظر الہی یا اللہ کا نور جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں نہیں سمجھتے۔ ہادی مذہبی کتاب قرآن اور سنا کر بھی کافی کتاب نہیں سمجھتے۔ حضرت زکریاؑ کے قصہ میں وہ بھی اتنی بات اور جو سمجھتے ہیں۔ ہمارے ان مقدس عبادت خانوں کو جس میں مقدس آگ برسا رہی ہے روخت ہے۔ قابل احترام نہیں سمجھتے۔

غرض وہ ہیں مشرک اور جو کہ کبھی ہم ان سے مذہب و برا سمجھتے ہیں کیا تم اپنے مذہب کی توہین کرنا چاہتے ہو؟

ہر طرف سے کلامی ہو:

"میں نہیں۔ ہم اپنے مذہب کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔  
استاد نے پھر کہا شروع کیا:

"ہمارا مذہب تاکہ ادا ہے۔ اس سے انھیں ہے۔ ہمارے بزرگ مقدس آگ کی پرستش کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر شہنشاہ اعظم بادشاہ نے اس مذہب کی تبلیغ کی ہے ہم اپنے مذہب کو بڑا مقدس دیتے ہیں ہرگز اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم مرعہ منظور کر لیں گے اپنے مذہب کو اپنے سامنے تیار ہوتا ہوا دیکھنا منظور نہ کریں گے۔

جیسے شہنشاہ نے ملک کے لیے شہر کو لاوی ہو۔

استاد نے کہا:

"ایک بات اور بھی یاد دلے۔ میں شہر کو کبھی نہیں نے فتح کیا ہے۔ والد کے مردوں کو اپنے نام اور مردوں کو اپنی پرستش کی چیزیں بنالیا ہے۔ میرا بیوی کی قوم تمام دنیا کی قوموں سے افضل، سزاوارد اور حق ہے۔ ہم یہ سمجھے گا کہ اگر میں گھر ام کو دشمنی کر دے گا کہ میں اور چاروں حسینوں کو دشمنی کر دے گا اور وہ کیا ہیں دشمنی کی چیزیں ہیں جانتی ہیں۔

کیا کوئی ایسا ہے فرات ایران ہے جو ان قانون کو گوارا کر سکے؟

سب نے جواب دیا کہ:

"بزرگ نہیں۔ ہر دو میں اس ذلت کو برداشت کرنے سے مرعہ ناہمتر ہے۔

یہی بات ہے۔ ہم مرعہ ناہمتر کے مگر اس ذلت کو برداشت نہ کریں گے۔ مسلکی ہماری طرف بڑھ چلے آ رہے ہیں۔ میں اپنا خدا بنانے کے لیے۔ ہادی پر یہ ملامتوں کو اپنی پرستش بنانے کے لیے۔ اور۔ ہمارے مقدس مذہب کو مٹانے کے لیے۔

اقرار کرو کہ تم انہیں مٹا دو گے۔ ان کا عقیدہ کڑا ہو گا اور آگے بڑھ کر انہیں اپنے ملک سے باہر نکال دو گے۔

"ہم اقرار کرتے ہیں۔ سب نے بلند آواز سے کہا۔

اس سے ایسا شور پیدا ہوا جس سے تمام میدان کو گھٹایا۔

استاد نے پھر کہا:

"مجھے اور تھری قوم کو تم سے یہ امید ہے۔ میں نہیں یہ خوش خبری بھی سناؤں کہ جو مسلمان تھری طرف بڑھ چلے آ رہے ہیں ان کی تعداد تو تم سے بہت کم ہے۔ اگر تم نے ذرا بھی جرات و ہمت سے کام لیا تو کسی ایک مسلمان کو بھی زندہ بچا کر نہ چلے دو گے۔

لوگوں میں کافی خوش پیدا ہو چکا تھا۔ انھوں نے چیخا چیخا کر کہا:

"ہم تمام مسلمانوں کو مار ڈالیں گے۔ کسی ایک کو بھی زندہ بچا کر نہ چھوڑیں گے۔

استاد نے اس تقریر سے اپنے سپاہیوں کے دلوں میں جوش بھر دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کو اس قدر مستقر کر دیا کہ وہ ان سے لڑنے سے پرہیز کر رہے تھے۔ ہر بیت خود ہر والد کے سپاہیوں کی طرف سے حمایت بھی ان میں پیدا ہو گئی تھی۔ حلقہ جاتی رہا۔ وہ مسلمانوں کا اعتماد کرنے لگے۔



ایک دن استاد کے پاس میں یہ خبر دے کر مسلمان قریب آ گئے ہیں۔ اس خبر سے ان لوگوں کو کچھ پریشانی

نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کا جوش آیا اور وہ یہ چاہنے لگا کہ کسی طرح مسلمان جلد آجائیں اور وہ ان سے لڑ کر اپنے مقتولوں کا انتقام لیں اور ان کا خاکہ کر ڈالیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے دین اور قسمت انہیں کسی پھر میں ملے والے ہیں تو وہ چلا کرتے ہیں کہ جو کچھ جو ملے ہو جائے۔ انقطاع، اضطراب کو بڑھاتا ہے۔ اور اضطراب سے پریشانیوں اور نگرانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جو یکسویت، عجیبوں کی تھی۔

وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ چاہتے تھے اسی سے وہ مسلمانوں کے آئینہ انقطاع کر رہے تھے۔ خود اس قدر بھی یہی چاہتا تھا کہ مسلمان جلد سے آجائیں اور لڑائی کا بند ہو کچھ بھرنے والے ہو جائے۔ آخر ایک روز شہر ہوا کہ مسلمان آگئے۔ استدعا کرنے سے نا تو کچھ پریشان سا ہو گیا۔ احمد نے اپنی زوجوں کو میدان میں نکل کر صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ فوراً ہی وہیں مسیحی ہو کر روانہ ہو گئیں اور میدان میں آکر صف بستہ ہو گئیں۔

تھوڑی جلد پر بعد اسدای لشکر نمودار ہوا۔

شیران اسلام بڑی شان سے رٹے چلے کر رہے تھے۔ املائی علم و دھبہ دو اب کے ساتھ ہوا اور ہر جگہ تھے استدعا کرنے دیکھا تو اس کے دل پر بیست طاری ہو گئی تھیں احمد نے قسمت آزمائی کرنا مناسب سمجھا اور جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔



## خونریز جنگ

(۴)

اسدای لشکر کا ترتیب سے آرا تھا۔

دور سے دیکھنے پر بڑی ہیبت ہوتی تھی۔ کامیوں میں سے آگے دھڑا دھڑا سے چلے آ رہے تھے۔ سب سے آگے سولہ تھے۔ رات کے جلوس میں ان کا رمال تھا۔ ان کے ہاتھ میں دو ہتھیار تھے۔ علم تھا جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مبارک لاشوں سے بنا کر دیا تھا۔ اس کا پیرا ہوا سے غریباں کر رہا تھا۔ ان کا رمال قدم بڑھا تھا تا نماز اٹھانے سے چلا آ رہا تھا۔ اگرچہ ان کے سامنے بے شمار فوجیں ان کا راستہ روک کے کھڑی تھیں لیکن ان فوجوں کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔ جیسے وہ گوشت پوست کے انسان نہ ہیں بلکہ حرم کے کہنے ہوئے ہوں۔

سبیل نے غیبیوں کے لشکر کو صف بستہ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ وہ جنگ پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے رمال کو میدان میں بلا دیا۔ دور تک مسلمان پھیل گئے اور گونڈا جیٹھ سے چل کر کھینچنے لگے۔ سبیل کے بعد اور ملے آئے اور میدان میں پھیل کر صف بستہ کرتے رہے۔ جب امیر عبد اللہ آئے تو مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پُر زور نوحہ لگا دیا۔ امیر عبد اللہ کا رمال بھی میدان میں نکل صف بستہ ہو گیا۔

مسلمانوں نے اپنے لشکر کو اسی طرح ترتیب دیا کہ ہر اول، امین، مسیور اور صف بستہ قائم ہو گئے۔ سب کے بعد دھڑا دھڑا آئے۔ ان کے پیچھے ہر جگہ قائم کر دیا گیا۔ نیچے اور مابقی کثرت سے کر دیے گئے اور وہ نیچوں میں اتر گئے۔ انہیں حرم میں جو لڑاکا جنگ آج ہی ہو گئی تھیں ان فوجیں آگے سامنے کھڑی تھیں۔ اس سے



انھوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ عجیروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

جو جوان عزیز تھے اور نوخیز رانیاں تھیں، ہتھیار حقیقت کرتی جاتی تھیں اور کتنی جاتی تھیں کہ شاید جنگ کرنے کا موقع مل جائے۔

انہیں عجیروں کا حق بھی کوئی خوف نہیں تھا بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ جنگ سر ابد و ملک آجائے اور وہ میدانوں میں مصروف رہیں۔

جب اسلامی لشکر صرف بہتر ہو گیا تو ایک گناہ لڑائی جی جو دشمنی باس اور سونے کے دیورات پہنے تھا، میدان میں نکلا۔ جانفک زہر اس کے کپڑوں کے نیچے چکر رہی تھی۔ اس کے گھوڑے کا زہر بھی چاڑی کا تھا اس نے میدان میں آکر لڑنے والے کو ہلایا۔

اس کی شکن بدیہی تھی کہ اسے اپنی ہتھوڑی پر تازہ ہے۔ سیل دوڑ کر عبداللہ کے پاس گئے اور ان سے میدان میں نکلنے کی اجازت طلب کی انھوں نے اجازت دے دی۔

سیل میدان میں نکلے۔ غی نے انہیں دیکھ کر کہا:

”تم آتے ہو میرے مقابلے کے لیے۔“ واپس جاؤ۔ ابھی تم جوان ہو۔ نا تجربہ کار ہو۔ کسی تجربہ کار اور بہتر کار کو بیجو۔

سیل: اگر تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے تو میں واپس کھل جاؤں۔ تم واپس چلے جاؤ اور کسی مرد میدان کو برسے مقابلے کے لیے بیجو۔

غی کو فخر آگیا۔ اس نے غار زبان سے کھینچ کر کہا:

”تمہاری تمنا نہیں یہاں لائی ہے۔“ اور منہ بولا۔

اس نے بڑے تندہ سے حمل کیا۔ سیل کھنگاہیں اس کی تلوار کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ڈھال پر اس کا دروازہ لگی کر یقین تھا کہ اس کی تلوار ان کی ڈھال چاڑھ کر ان کا سر اڑا دے گی لیکن جب ڈھال پر کوئی اثر نہ ہوا اور سیل بھی سلامت رہے تو اس کا خفا اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے دوسرا حملہ اور بھی سختی سے کیا۔ سیل نے اس کا وہ حملہ جلد روک لیا۔

دوسرا حملہ بھی تیرسرا حملہ کرنا چاہتا تھا۔ انھوں نے چوٹی سے تلوار اس پر چھوٹ کر دی۔ غی چونکہ خود حملہ کر رہا تھا اس لیے وہ ڈھال کو فوراً ہی سامنے نہ کر سکا اور جب اس نے ڈھال سامنے کی تو تلوار ڈھال سے جا کر اس کے شانے کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی آدھی گردن اٹا لے گئی۔

غلہ نے ایک حفاک بیچہ دی اور گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے گھوڑے نے بھی غلہ پاپا۔ سیل نے

اپنا گھوڑا بٹھک کر اس کی باگ پکڑ لی اور اپنے گھوڑے سے اتر کر غلہ کا باس، زیورات، زہر اور دوسرا سامان ڈالنے لگے۔ ابھی تک وہ تزیین رہا تھا۔ موت اس کی آنکھوں پر چھائی تھی۔

عجیروں نے اپنے ماموں کو گھوڑے سے اترنے پر دیکھ دیا تھا۔ انہیں فخر آگیا۔ انھوں نے استدعا کی کہ حکم لینا مناسب نہ تھا اور خود ہی غلہ کی طرف بڑھے۔

مسلمانوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ دیا۔ انھوں نے توبہ یہ کہ سیل کی لگاؤ کا۔ وہ انھیں اس سے غی کا اسباب تدارک ہے۔ انھوں نے عجیروں کی طرف دیکھا۔ ان کا سبب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ انھوں نے جلدی

جی سب اسباب تدارک کیا اور غلہ کے گھوڑے پر دو دو۔

اسی وقت ان کا غلہ آگیا۔ انھوں نے اسباب وہ گھوڑا اس کے حوالے کیا۔ وہ لے نکلتا ہوا اسلامی لشکر کی طرف بڑھا۔

غی اب بالکل مر رہا تھا۔ سیل اگر چاہتے تو گھوڑا اڑا کر واپس آ سکتے تھے لیکن انہیں میدان جنگ میں پشت دکھانے ہوئے شرم آئی۔ اس لیے گھوڑے پر سوار ہو کر عجیروں کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

یہ بڑی جرأت اور جرات کی بات تھی۔

مسلمانوں نے یہ دیکھا اور بے چارے ہو گئے۔ وہ اپنے امیر کی طرف دیکھنے لگے۔ امیر اپنے امیر کی اجازت کے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ امیر نے حسبِ قاعدہ جلدی جلدی تلی غور سے لگائے اور غلہ کی طرف بڑھے۔ لیکن۔

اس سرے میں غی سیل کے پاس پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے ہڈی چھڑک کر سیل نے غرشن میں آکر ان کی طرف گھوڑا بڑھایا اور اس سختی سے حمل کیا کہ عجیروں کی صف کا وہ حصہ جس پر وہ حملہ آور ہوئے تھے اور میں کھیل گیا۔

انھوں نے کئی عجیروں کو مار ڈالا۔ عجیروں کو فخر آگیا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں پر تلوار مارنے لگے۔

سیل بڑی چوٹی سے ڈھال پران کے دروازہ پر بڑھے تھے اور غایت تیزی سے جلدی چھڑک رہے تھے ان کی تلوار جس کی پر بڑھتی تھی اسے زخمی کر دیتی تھی یا قتل کر ڈالتی تھی۔

عجیروں کو ان پر حملے سے بھی فخر آ رہا تھا کہ وہ تنہا ان کی صفوں پر حملہ کر رہے تھے۔ انہیں شوق کر رہے تھے اور اب کھانا انھوں نے کسی کی تلوار کاچہرہ بھی نہ کیا تھا۔

ایک غی امیر ان کی پشت کی طرف پہنچا۔ انہیں خبر نہ ہوئی اس نے تلوار چلائی۔ کسی نے ڈٹا: ”خبردار۔“

ماتہ ہی اس امیر کے سر پر تلوار پڑی جو وہ اپنے خد کو کاٹ کر اس کے سر کو دیا پس کر گئی۔ وہ۔

نحوہ سے گر پڑا۔

سینے نے اس وقت دھکا اس اسکر کو ان کے خاکے لے لیا تھا۔ سہل نے ہٹا کا شکر یہ ادا کیا اور یہ دونوں لڑکے شرمندہ سے ٹوٹنے لگے۔

اب سلمان بھی عجیل کے پاس آگئے تھے۔ انہوں نے آگے - اس سختی سے ان پر دھکیلا کہ ان کی آگے صاف کھٹک کر پڑ گیا۔

پھر وہ لڑکے دھڑکھٹ پر لگا کر جوئے اور اس میں ہمارے ڈی دیے۔ سینہ اس کے خاکے لے لیا اور بھی سختی سے ملے شرمندہ کر دیے۔ وہ دونوں جس طرح دھکے کرتے تھے عجیل کو کافی طرح پھاڑ دیتے تھے۔ ان کی تلواریں موت کا فرشتہ بن گئی تھیں۔ جس کے اوپر پڑتی تھیں اسے سینہ کا فوٹو میں پناہ دیتی تھیں۔

عجیل نے بھی سلمانوں پر نہایت سختی سے طعنے لگائے اور یہ بد جہاد ٹھنڈے اور گہنے گیس بروقت کے فیصلے تیزی سے ہونے لگے۔ مردوں پر سراپا چلنے اور دھڑکن پر دھڑکنا گہنے خون کی بارش ہونے لگی۔ سلمان عجیلوں میں اور عجیل سلمانوں میں گھس گئے۔

فریقوں جوش و خروش سے لڑنے لگے اور دونوں ہی طعنوں کے جہاز قتل ہونے لگے۔ لاخول سے میدان بھرے لگا۔ حلقہ زمین پر بال کی طرح پھینکے گئے۔

چوکی لڑکے کی صفیں بہت لمبی تھیں اس لیے سلمانوں کو بھی اپنی صفیں ان کے محاذ پر بھجوانا پڑی اور اس سے دور تک چلک کر بھی بھڑک اٹھی۔ جس طرح نگاہ جاتی تھی تو اس میں ہی تلواریں اٹھتی نظر آتی تھیں۔

سلمان خاموشی سے بڑے پشور سے لڑ رہے تھے۔ وہ عجیلوں کو زبردستی بڑھتے چلے جا رہے تھے ان کی تلواریں بڑی تیزی سے عجیلوں کو قتل کر رہی تھیں۔ وہ آہ آہ پران کی لاشیں بھلنے پھلنے جا رہے تھے۔ عجیل بھی بڑا مرفوض تھا لڑ رہے تھے۔ جوش میں آکر جھک کر رہے تھے۔ لیکن مصلحتی کے مصلوں کو روک لینے اور جو الٹی ہو کر کے نہیں اڑتے تھے۔

نہایت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ عجیل شرمندہ کر رہے تھے۔ ابھی کھسا میچہ ڈانڈ نے طعنہ نہیں کیا تھا مگر اب انہوں نے بھی دھکے دیے۔ وہ ان کے ماضی اور دوسرے صفات اس تیزی سے جھپٹے اور انہوں نے اس سختی سے دھکے لیا کہ گھٹیا پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے انہیں تلواروں کی ہڈ پر دھکے دیے اور گھاس پھوس کی طرح کاٹ ڈالا۔ پیچھے ہی چھوٹے ہزاروں گھٹیا کر دیا۔ عجیل گھبرا گئے۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹے۔

سلمانوں نے اور بھی بھرتی سے جھ شرمندہ کر دیے۔ انہوں نے عجیلوں کی صفوں کی صفیں کاٹ ڈالیں۔ اب عجیل کے عہدے بالکل پست ہو گئے اور وہ جہاں نکلے سلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اسی وقت استدار نے

ان - امان - جتنا شروع کر دیا۔

سلمانوں نے جھ بند کر دیے۔ عجیل نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلمان نہیں اڑتے کرتے لگے۔  
اصول کے حد میں داخل ہو کر یہ دوسری فتح معانی کو حاصل ہوئی۔







امیر عبداللہ مع باقی مسلمانوں کے واپس ہوئے۔ ان کے لیے خیر کھڑا کر دیا گیا۔ وہ اپنے خبر پر  
سہیل اور استدار کے ساتھ پہنچے۔

استدار کا خیال تھا کہ سب سال کے خیر میں تائینوں کا فرض ہو گا۔ اس پر محل کی مسجد میں ہوں گی۔  
جوتے بڑے نرم کیے ہوں گے لیکن جب اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک چیز بھی وہیں نہیں ہے مکہ  
مکینوں کا فرض ہے۔ مکینوں کا نام بھی نہیں ہے تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ اور بعد  
کے چھٹے پر سہیل کے ساتھ استدار بھی چھوٹا۔

امیر عبداللہ نے برس کے صلح کی توقع متکا کر استدار کو دکھائی۔ اس نے اس کی شرط منظور  
لی۔ چنانچہ ایک نامہ مافی شراعت پر لکھا گیا۔ فریقین اور گواہوں کے دستخط ہوئے۔

استدار نے کہا:

آج آپ میرے ساتھ اپنے کسی اضر کو بھیج دیجیے تاکہ وہ جزیرہ وصول کر لیں اور سب سہیل کو خیر کر کے  
انہیں چھوڑ دیجیے۔

عبداللہ نے سہیل سے کہا:

”اس خدمت کا انجام دینا مناسب سمجھو گے؟“  
سہیل: ”ہاں بڑی خوشی سے اس خدمت کو اپنا آدوں گا۔“

امیر عبداللہ نے سہیل کے ساتھ سو چاندروں کو کر دیا۔ اسی سبب ہی جو حرارت میں تھے انہیں روا  
کرنے کا حکم دے دیا۔

چنانچہ سہیل اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر استدار کے ہمراہ چلے۔ اول وہ اس جگہ پہنچے جہاں اسی پر  
حرارت میں بیٹھے تھے۔ انہیں شہر کی راہ دکھائی دے کر دیا۔



استدار انہیں لے کر جہاں پہنچا۔ اس نے سہیل اور ان کے ہمراہیوں کی ملاقات کرنی چاہی۔ سہیل نے  
شکر یہ ادا کر کے کہا:

”معاذ کیلئے ہم اپنے مہاراجت نہیں چاہتے۔ ہمارے امیر المومنین کا حکم ہے کہ ہم خبر سہیل کی تراضی تو  
لیتے مگر ہرگز اس کیلئے اندھے اپنی مہاراجت نہ کر لیں۔“

استدار: امیر المومنین کو بتا دیں:

سہیل: ہمارے شہنشاہ ہیں۔

استدار: مگر وہ تو جاں موجود نہیں ہیں۔

سہیل: بے شک وہ موجود ہیں میں ان کی ہمنام کے حکم کی فائز داری کرتے ہیں۔

استدار: چاروی قراہتے ہاں اس قدر وہ خروار میں رہیں گے۔

سہیل: ہمارے جی میں نہ جیو۔ تاہم ایک کتاب اللہ کو طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس کا نام قرآن مجید  
ہے۔ اس میں لکھا ہے:

اقبلوا للہ واطيعوا الرسول واولی الامر منکم

یعنی: تم اللہ کی اور رسول کی اور اہل علم و حکم کی اطاعت کرو اور

اپنے امیر کی اطاعت کرو۔

چونکہ میں اپنے امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس لیے ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

سہیل نے اپنے آدمیوں کو استدار کے آدمیوں کے ساتھ اپنی میں بھیجا تاکہ وہ مرقم شہر کی  
کے جزیرہ وصول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے دو دنوں میں جزیرہ وصول کر لیا۔ جس سبب ان کا استدار کے  
کھنے سے دیا گیا تھا ان کا جزیرہ استدار نے دیا۔

جب سب جزیرہ وصول ہو گیا تو سہیل جزیرہ کی رقم لے کر امیر عبداللہ کے پاس آ گئے اور انہیں رقم  
منسلک کر دی۔

اندو دونوں کے درمیان سہیل نے استدار کے کپ پر قبضہ کر کے اس کے تمام اہل و اسباب  
پر قبضہ کر لیں۔ مال غنیمت کے پانچ حصے لیے۔ ایک حصہ انہوں نے دربار خلافت میں رواد کرنے کے لیے  
عقد کر لیا اور چار حصے چاہرین میں تقسیم کر دیے۔

برصغیر کے صحیح میں اتنی دولت آئی کہ وہ جی ہو گیا۔ امیر عبداللہ نے کہا:

”قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آیت نے ہمارے متعلق ازلہ فرمایا ہے کہ

فخاص ہو گیا ہے خدا اس کا احمد نے اس کی راہ میں جہاد کیا۔ نہ تھا جو وہ اپنے گھر سے گھر

راہ خدایں جہاد کی نیت سے۔“

اور رات اور اس بارشک تعذیب کی لیے خدا اس کا خاص ہو گیا ہے کہ اسے ہشت میں داخل کرے گیا

اسے اس کے وطن میں ثواب یا غنیمت کے ساتھ جہاد دے گا۔ یعنی اگر شہید ہو تو ہشت میں گھر زندہ رہا تو



قوابہ کی قیمت کے کر دہیں گئے گا۔

باسکول دانا سے اپنے خیمے کی طرف چلے۔ وہ تھوڑی سی دور چلے تھے کہ برس اور مرزا نے ملنے  
برس سے کہا:

مرزا، دیکھ! ان مرد سے ملے کیے آئے ہیں۔

مسلک نے مرزا کو دیکھا کہ وہ مسجید یا اور کسی کو اپنے ساتھ لے گئے خیمہ پر آئے۔



## مرزا بانہ اور سیل

(۱۹)

برس، سیل کے خیمہ پر آ گیا۔ وہ مرزا بانہ تھا، ناز و نعم میں رہتا تھا۔ نا بیوی کے فرض لازم مسمیٰ،  
گرم خیمے پر وقت اٹھ کے پے موجود رہتے تھے۔ روٹی بھی نہ کھاتے تھے۔ زور دے رہتا تھا۔ سونے پانچ  
کے برتنوں میں کھا پیتا تھا۔ عاقل، غلام اور گھوڑا خد مت کے پے مرزا رہتے تھے۔ فرضیہ زمانہ  
بہر کر رہا تھا۔

سیل

سیل کے خیمہ پر آ گیا۔ جس نے تھے۔ کچھ نہ تھے۔ کچھ بھی نہ تھا۔ برس کیوں کر رہا۔ اور  
ان کا اپنا خیمہ تھا جس میں کچھ نہ تھے۔ رختوں کی چال بھی تھی۔ بڑا سخت تھا۔  
سیل، برس کی لذت کا رہنے لگا۔ لیکن کئی وجوہ تھیں۔ یعنی ان کا علم کچھ اندکے اور پچھلے  
چار کا تھا وہی برس کو دیتا، اس کی وجہ سے کوئی خاص چیز تیار نہ ہوتی تھی۔ عام طور پر تو ایسا ہوتا تھا کہ کئے  
میں ملک ڈال کر روٹی پکائی جاتی تھی اور زیتون کے تیل سے کھا لیتے تھے۔ کبھی مٹھی مسمیٰ اور کچھ روٹی پر لکھی  
کھیتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ برس کا گوشت پکھا لیتے تھے۔

برس کو زندہ ڈالوں کا عادی تھا۔ اسے یہ خشک اور بے مزہ کھانے کھاتے ہوئے بڑی دقت ہوتی لیکن  
یہ معلوم روٹیوں پر اکتا اور طر عاؤں کو ڈھکی کھانا کھا لیتا تھا۔ جس کو کھاتے تھے۔

ایک روز اس نے کہا:

”تھارے پاس کافی دولت ہے۔ کافی بھر ٹکڑے دے دو۔ میں پھر جس تم منگوں کی طرح رہتا ہوں۔“



سبیل: وہ نہیں تھوڑی ہے۔

مرزا: میں نے سمجھی۔

سبیل: ہمارے سب ایلات میں دینا کہ غرض کو کھلے باتیں کرو۔

مرزا: اسی قوم کی زبانوں سے آپ باتیں کر سکتے ہیں۔

سبیل: سیر۔ جو سے نکاح ہوئے ہیں انہیں دیکھنے اور اس سے باتیں کر کے کافی فائدہ ہے۔

مرزا: ہمارے مذہب میں تو یہ بات نہیں ہے۔

سبیل: مذہب کی چار سے مذہب میں ہے۔

مرزا: نہ بخر۔

اس نے عجب غریب زبان میں گزرا۔ اس سے اس کے کانوں کے گوشواروں نے جھوم کر اس کے

حسین کو لوگوں کو جو کہ وہ ذوق بولتی اور سونے کے مرغیوں پر ہنسے تھی۔ آج کے کھس سے اس کا

لباس اور اس کے زیورات جھلکا رہے تھے جس سے اس کی صورت بھی دیکھ رہی تھی۔

سبیل بھی کبھی اس پر طنز کی طرف دیکھتے تھے مگر انھوں نے کہا:

”ہاں تو کیا کہتے آؤ بھر کر؟“

مرزا: وہ تو میں بھول جی گئی۔

سبیل: خوب۔

مرزا: خوب کیا۔ آپ نے بات ہی ایسی پھری کہ کچھ بھی یاد نہ رہا۔

سبیل: آپ تمہارا فہم کچھ کمزور ہے؟

مرزا: نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ جب کہ باتوں سے خیال نہ کیا۔

سبیل: ابھر کیا ارادہ ہے؟

مرزا: کیا مطلب؟

سبیل: نہیں سزا پردہ میں دالیں جانا چاہیے۔

مرزا: ان خیالات گئے۔

سبیل: کیا حقیقت ہے۔

مرزا: اب جانے کا وقت کیا رہا ہے؟

سبیل: مگر تم کسی خبر میں نہیں رہ سکتی ہو۔

مرزا: اب جب آگئی ہوں تو کہاں جاؤں!

سبیل: میں خود پہچانوں گا سزا پردہ میں۔

مرزا: اگر مجھے وہاں نہ جاتا تو آگئی تو۔

سبیل: خوب آپ نہیں کر لیتا اور پھر مجھے وہیں بنا کر بتا دیتا۔

مرزا: گویا میرے لیے اس خبر میں گمان غلط نہیں ہے۔

سبیل: صحت تہار سے یہی نہیں کہ کسی لڑکی کے لیے بھی نہیں۔

مرزا: ابھی ایک بات بتائیے۔

سبیل: کیا؟

مرزا: اگر سزا دینا کو میں میرا جائز تو میں نہیں لے جاؤں۔

سبیل: اس میں تم سے پوچھنے کی کیا بات ہے؟

مرزا: آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔

سبیل: مجھے کب اعتراض ہوتا۔

مرزا: مسکرائی اندھا۔

شکر ہے۔ قہقہے مجھے مراد وہ کہہ سہی دے رہے۔

سبیل اس کے ساتھ چلے۔ سزا پردہ کے قریب پہنچے۔ مرزا نے ہمدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر دیا اور

ہرے سے پل:

آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت ہی اچھے۔

وہ مسکرائی ہوئی ہوئی گئی۔

سبیل دیکھتے رہ گئے!







خدا: بات یہ ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کرنے میں لطف آئے۔

سید: اور اگر امیر المومنین حضرت عرفان کو یہ امداد ہو گئی کہ میں کچھ نہیں کر سب کچھ کرتے ہو تو کیا ہوگا۔

خدا: میں جو نہ ہی کروں گا۔ امیر المومنین سے کہ دوں گا کہ سب کام میں اپنی خوشی سے کرتا ہوں۔ میرے ہاتھ پر ہر چیز نہیں کرتے۔

سید: میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔

خدا: ایک بات فرمیں آقا۔

سید: ضرور۔

خدا: رات کو وہ لوگ کون آئے تھے؟

سید: برسوں کی بیٹی ہے۔

خدا: برسوں کس لیے نکاح ہے؟

سید: میری کمر زبان اور حضرت ابن امام سے ملنے آئی ہے۔

خدا: مرزا کی بات۔

سید: رات کو سوزن کی آواز تھی اس کا اثر ہوا ہے۔

خدا: خدا مجھے جان دے۔ میرے کچھ مرتبہ اس زانیہ کے چہرے کا رنگ دیکھا تھا۔ میں نے اس کے چہرے سے شہادت چھینے کو چاہا ہے۔

سید: وہ شہادت زیادہ ہے۔

خدا: شرفی اور بات ہے۔

سید نے خدا کی طرف دیکھ کر کہا:

اللہ کیا بات دیکھو تم نے؟

خدا: میں نے شکایت نہ کی۔

سید: تم بہت بد ہے۔ اس کی شہادت کو شکریہ کیجئے۔

خدا: میں قیامت شمس میں میرا قیادہ نہیں ہو سکتا۔

سید: مگر ماری کر کے وہ کیا کرے گی؟

خدا: محروم کے لیے کہا گیا ہے کہ ان کا کمر بڑا ہوتا ہے۔ نہ محرم وہ کس حکم میں ہے۔

سید: ایک بات بتاؤں۔ رات کو جب میں اسے مراد میں پہنچانے گیا تو اس نے دعائیں پڑھ کر دعا پڑھا اور کہا: تم بہت اچھے ہو۔ منہ دیو۔

خدا: کچھ بڑا۔ اس نے کہا۔

تب میری زبان درست ہے۔ وہ نہ درگزی مگر کہنے کے آئی ہے درست۔

سید: اور کیا۔

خدا: مجھے شک ہے کہ اس کا ہاں ہی میں نہیں کر سکتا ہے۔

خدا: راضی ہوئے۔ ایک آواز آئی۔

دونوں نے گھبرا کر دیکھی۔ برسوں سے آ رہا تھا۔

سید نے آہستہ سے کہا:

برا ہوا۔ انھوں نے تہذیبی باتیں میں۔ ان کا دل شکنی ہوئی۔

خدا: مجھے بھی اس کا اندازہ ہے لیکن یہاں میرا وہی ہے جو میں ظاہر کر چکا۔

اب برسوں ان کے پاس آکر آئے۔ وہ نہ تو ان کے ڈھیلے ڈھالے ہاں میں تھا۔ اس کی صورت پر کچھ عجیب سا دکھائی دیا۔ بالکل ایک مسخروں میں ہوا تھا۔ اس نے طاقت سے مخاطب ہو کر کہا:

تم میرا نہیں کر سکتے۔ وہ عارفی اصول اور رفتار کرتے ہیں۔

خدا: میں بہت حد تک بڑا تھا کہ جانا تھا۔ جو ایک مرتبہ میں ان کی مرتبہ قول و قرار کر کے بھر گئے۔

برسوں: تم بچا کہہ رہے ہو۔ ہم جیسے ہی میں کسی پانچوں نقیلاں کیساں نہیں ہوتیں۔

خدا: یہ آپ کا نام ہے۔

سید: آپ نے شاید چھاری ساری باتیں سن لی ہیں۔

برسوں: ہاں۔ میں دیر سے کھڑا ہوں۔

سید: میں نے اپنے اس مذاک کے قیام سے اتفاق نہیں کیا۔

برسوں: تمہارے انتہائی اور موت کا اندازہ میں سے ہی روز کر دیا۔ اب تم میرے شعر میں جزیہ وصول کرنے میرے ساتھ گئے تھے۔ تمہاری ہی محبت اور عزت مجھے اور مرزا کو بچا دیا۔ میں کچھ بھولتا ہے

مگر میں نے جو کچھ سنا اس سے میرے دل کو بڑی اذیت پہنچی ہے۔

سید: مجھے دانت ہے۔

خدا: مجھے بھی شہوت ہے۔ تمہاری کچھ خط بھی نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ بات کوئی دن نہیں گزرتی کہ میں اور سید

کی باتیں کر رہے تھے۔

پرس : میں ادھر مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اصل بات یہی ہے۔

سید : میں یقین کرتا ہوں۔

پرس : آج میری آنکھوں میں سے کھل گئی اور میں اس طرف چلا آیا تو یہ باتیں سنیں۔ گھراپ ان باتوں کا ذکر

نہیں کرتے تھے۔

پرس : چلاپ بھلا کاشنہ نہ کر کے نکلا۔



## حسینان عرب

(۵۱)

مرزا باند بڑی شوخ لڑائی تھی۔ زندہ دل اور خوش مزاج تھا۔ جب اسے وہ بابہ، رفیعہ اور سداقہ کے پاس آئی تھی ان کی خوشیوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ پہلے وہ تیوں ہی چمکتی تھیں۔ اب یہ چاروں حسین قہقہے لگاتی رہتی تھیں۔

جب چاروں ایک جگہ جمع ہو جاتی تھیں تو ان کے چل چل فروز سے وہ جگہ منور ہو جاتی تھی۔ اسی کے لفظی قہقہے نغمہ میں بکھر جاتے اور خوشیوں اور شہزادی کا سبب اب ان کا تھا۔

جب چند ہم عمر و شیرازہ جمال ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں تو رنگ و نور کی بارشیں ہی ہوتے گئے ہیں وہ شہر و شہاب کی گویا رنگیں صفت ہزار جگہ دروہہ میں جاتی ہیں۔ شائع گئی کی طرف کھینچی ہیں۔ تھک چکے ہیں۔

ایک روز یہ چاروں مت شہباز ہو گئے۔ کچھ کھلے میدان میں نہایت بے تکلفی سے چمکیں تھیں۔ مرزا نے بابہ سے کہا:

”آج تو یہ سداقہ تمہارے بھائی کی شہر کی بات کہنے والی ہیں؟“

بابہ نے شوخی سے مسکرا کر سداقہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

”یہ بات تم سے پہچنے کی نہیں۔“

مرزا باند : اور کس سے پہچنے کی ہے؟

بابہ : ان سے جو کچھ کہنے والوں میں۔

مرزا نے ہماری قوم میں تو یہ بات ہے کہ جو کسی کی سنیہ پرمان ہے وہ بڑے فخر سے کہہ دیا کرتی ہے کہ خدا کی بکیت ہوں۔

بعد : ہمارا قوم میں یہ بات نہیں ہے۔ ہر لڑکی بڑی سرتک ہوتی ہے۔ وہ اپنی زبان سے یہ نہیں کہتی کہ کسی سے خوب ہیں۔ اور لڑکیاں تو لڑکیوں کے لیے جی اپنی سنیہ لڑکیوں کا کچھ نہ نہیں کرتے۔

مرزا نے : عجیب بات ہے۔

رفیقہ : تمیں تعجب کیوں ہو رہا ہے !

مرزا نے : اس لیے کہ ہر لڑکی میں تو لڑکی اپنے سنیہوں کا ذکر ہی میں۔ میں نے ان کے ساتھ جو لڑکی کر۔ ہاں خدا کا کہہ دیا میں گنہگار نہ ہوں۔

بابہ : سچو تو ہو گا۔ خدا تو ہم لڑکیوں کا دھتہ ہیں۔

مرزا نے : یہ کیسے گناہ ہے !

بابہ : لڑکیاں تو ان کے ماتہ لگی جاتی ہیں۔ اسی سے ان کی وقعت پائی جاتی ہے۔

مرزا نے : میں تو سمجھتی ہوں اس سے وقعت اور شہ جاتی ہے۔

بابہ : یہ انسانی خاقتہ ہے کہ جب کسی اچھی چیز کے لیے طلب انسان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو اگر وہ چیز انسان سے ملنے لگتی ہے۔ جب یہ سوز ہو جائے کہ جب چاہو وہ حاصل ہو سکتی ہے تو اس کی وقعت نہیں رہتی۔ مگر جو چیز دشواری سے حاصل ہوتی ہے یا اس میں رکاوٹیں ہوتی ہیں کہ مشکل سے مل سکتی ہے تو اس کی وقعت بہت بڑھ جاتی ہے۔

رفیقہ : میرے خیال میں لڑکیوں کو یہ بات کر کے ان کے دل سے پھیرنے لگتی ہیں۔

مرزا نے : ان کے چاند بات ہے۔ چنانچہ ہمیں ان لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں چہرے کے ساتھ میرے لگتی ہیں۔

رفیقہ : میں نے تم کسی کو پسند کر لیا ہو گا۔

مرزا نے : میں مرزا کی بیٹی ہوں۔ م لاگوں کو میری طرف دیکھنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنی رعایا کے فوجواں کو ان میں سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ ایک خاک کو کیا حق ہے کہ وہ آقا زادوں کی طرف دیکھے۔

رفیقہ : کسی مرزا کے لڑکے کو پسند کیا ہو گا تم نے۔

مرزا نے : میں نے جو کما تھا کہ ہماری قوم کی لڑکیاں بڑے فخر سے اپنے بکیت پران کا پتہ لیتی ہیں۔ ان کے ساتھ گھومتی ہیں۔ وہ ہماری لڑکیوں کا ذکر خدا مرزاؤں کو پیشوں کی شادی کی صلوات کے تحت ہوتی ہیں

اگر تو لڑکیاں ایسے خود مرزا خدی اور ادبائش مردوں کے سرخندہ دی جاتی ہیں کہ ان کا زندگیانہ بوجھ جاتی ہیں۔

رفیقہ : شاید خدای مطلق بھی ایسے ہی ادبائش سے ہو گئے۔

مرزا نے : نہیں میں نے اپنے باپ سے گھورت کر لیا ہے۔

"گھورت کر لیا ہے"۔ رفیقہ نے سب ہو کر کہا۔ "کیا گھورت ؟"

مرزا نے : بات یہ ہے کہ میری دل کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جس صورت سے چاہے وہ کھوار رہے یا کسی بھی صورت کو گھر میں ڈال دے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اسی طرح میں جس سے چاہوں میں چوں دکھوں یا جسے چاہوں پسند کروں اور اس سے ملتی کر لوں اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

رفیقہ : عجیب گھومتہ ہے۔

سعدتہ : اس گھومتے کے بعد ہی تم نے کیا کو پسند کیا ؟

مرزا نے : کئی کو گھر وہ میری گھٹ پر سے نہیں آتے۔ البتہ ایک فوجواں سے کچھ ہم دروازہ بڑھی لیکن ایک فوجواں حامل ہو گیا۔

بابہ : پھر کیا ہوا ؟

مرزا نے : ہونا کیا تھا۔ پہلے فوجواں کو میں نے دستا بانی کر دیا تو وہ فوجواں میری طرف غصت نہ ہوا۔

رفیقہ : کیا تم جیسی مرد میں کو بھی اس نے پسند نہیں کیا ؟

مرزا نے : وہ کچھ غیبی تم کا فوجواں ہے۔ میں اس کے دل کا حال معلوم نہیں کر سکی۔

بابہ نے : میں کر گا۔

گوشش کر کہ معلوم کرو گے۔

مرزا نے : گوشش کر رہی ہوں۔

سعدتہ : شاید وہ کسی اور لڑکی کو چاہتا ہو۔

مرزا نے : یا کوئی لڑکی اسے چاہتی ہے۔

رفیقہ : ایسا نہ ہو کہ تم گھر کے بندوں کی کسی بات سے سنا ہو میں ہاں کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔

مرزا نے : ایسا نہ ہو نہ وہ لگے۔

بابہ : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم گھر گئے ہو کہ کوئی اور لڑکی اسے چاہتی ہے۔

مرزا نے : گھر تو گئی ہیں لیکن ابھی دونوں کی کسی بات سے سنا نہیں ہاں کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔

سعدۃ: کیا فضلہ ذکر چھوڑ دیا تم نے۔

مرزا: واقعی یہ فضلہ ذکر ہے۔ اسے چھوڑ دیا ہے۔ تم نے بتایا نہیں کہ کیا وہ حق سداقت دار ہے۔  
 ہائیڈریک شریک حیات بننے والی ہیں۔

باب: کوشش کر رہی ہوں۔

رفیہ: ہنس پڑا۔ اسی نے کہا:

یا لکھنؤ شریک حیات۔

مرزا: پاکوشش وال بات میری کچھ میں نہیں آئی۔

باب: سعدۃ سے پوچھو۔

سعدۃ نے عجیب کر کہا:

بہت شرم ہو گئی تو تم۔

باب: سنا کہ نا واقعی میری شراعت بہت بڑھ گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ قمار کی عمر یا بھلنے کے بجائے گستاخ بنا دیا ہے۔

رفیہ: خوشامدی کی خوشامد کر کے۔

باب: خوشامد نہیں۔ بعض اوقات میں اپنی حد سے بڑھ جاتی ہوں۔ مجھے سعدۃ سے اس قسم کی گفتگو کرنی نہیں ہے۔ عاف کر دو سعدۃ!

سعدۃ: اگر تم پریشان ہو کر مدعی ہو گے، یہی جو تو میں نے سنا تھا کیا۔

باب: میں بہت دھم ہوں۔ اب افشاں شدہ ایسی گستاخی نہ کرو گے۔

مرزا: ابھی کوئی بات نہیں بولیں گے۔ شاید۔

باب: ڈرا ہی جا رہے۔ جو اپنے ساتھ شریفی میں شریک ہو اس سے خوفی کا غلط ہے۔

رفیہ: یہ تم نے ٹھیک کہا۔

مرزا: جیسا کہ تم سب ہی آپس میں کہتے ہو۔ ایک دوسرا پر گھول ہے۔ نہایت ہی پُر نفسا منتظر ہے۔

سعدۃ نے جلدی سے کہا:

میں چکی۔ کیا مطلب ہے قمار؟

مرزا: ایک بڑی چکی ہے جو پانی کے زور سے چلتی ہے۔

سعدۃ: دادا۔ بڑی چکی اور پانی سے چلتی ہے۔

مرزا: چونکہ عرب میں وہاں نہیں ہیں اس لیے وہاں ایسی چکی نہ ہوگی۔ اس نواح میں کئی چکی ہیں جس چکی کا میں ذکر کر رہی ہوں اس کا منظر نہایت دلچسپ ہے۔

باب: اس کے قریب سبز و زار ہے۔

مرزا: نہایت اچھا منظر ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

باب: کیسے دیکھیں؟

مرزا: اس کا روز میرے ساتھ چل کر دیکھو۔

باب: مشکل ہے۔ میں دلہ جاتے کی اجازت کون دے گا۔

رفیہ: اپنے ابو صاحب سے تو میں اجازت لے لوں گی۔

مرزا: صبر! میں نے اجازت لے لے ہے۔

باب: کب؟

مرزا: ایک روز گئی تھی۔

رفیہ: تم کو سعدۃ۔

سعدۃ: میں بھی اپنے ابو صاحب سے اجازت لے لے گی۔

مرزا: اس تو تم دونوں کی اجازت لے لو۔

باب: کب چلوں گی تم؟

مرزا: جب یہ دونوں کی اجازت لے لیں گی۔

رفیہ: دے گا۔

باب: ابھی تو میں ہی اجازت لے لوں گی۔

سعدۃ نے پوچھا:

کتنی دور ہے وہ جگہ جہاں سے؟

مرزا نے بتایا:

بہت ہی قریب ہے۔ ابھی ہی دو گھنٹے کا راستہ ہے۔

سعدۃ نے کہا:

میں بھی کل ابو صاحب سے اجازت لے لوں گی۔

مرزا: نہ کوشش کر رہی۔





نے ایک روز دستہ رکھ کر اسے کہا:

”یہاں تیس سفین کی پکڑیں کا حال معلوم ہے۔“

استندار نے عرض کیا:

”مجھے تو معلوم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے لوگوں کو قتل نہیں کیا ہے۔ رمد فرما کیجئے۔“

جنگی سفین کافی تھیں۔ میں تیار رہے۔ لیکن یہ سنا۔ انیس کہ کسی قسم سے اس کے پاس تین ہو چکے۔“

عبداللہ: کیا یہ ضرور ہے جو اس کی خدمت ہے۔“

استندار: جی ہاں۔ یہ جو دوسرا سفین کہ وہ دوسرے جو سفینوں سے ٹکنا تھا کہ تہہ بہ تہہ۔“

سے کہ ہمیں سے کوئی بھی آپ کا تھا کہ وہ نہ۔ اگر نہ جو دشمن نہ نہ اور نہ نہ نہ۔“

عبداللہ: عجیب بات معلوم ہے۔ فائدہ سن لیتا تو کیا ہے؟

استندار: وہ ثابت ہو کر نہ رہے۔ اس کی رہائی ایرانی دور نہ تھی۔ یہ جو اس کی بڑی عزت نہ

ہے اس کے بھائی فرما تو اس سے ڈرتے۔ سب سے دور اس کا وہ لکھا ان پاس گئے ہیں کہ وہ

وہ اس قدر وقت و اسے کہ جب کسی ہے۔ اس کی ہوتے تو اس کے کھسکے چھوڑ دیتے تو اس کا

کھنچنے لگے تے کہ ان کو کہتے ہیں۔ کہ وہ اس سے کچھ کہتے ہیں کہ عزت نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ

پروردگار ہی دیکھ کر اس میں نہ نہ۔“

عبداللہ: اگر یہ بات ہے تو وہ جنگ ضرور کرے۔“

استندار: یقیناً نہیں کرتے۔“

عبداللہ: غیر۔ اگر وہ جنگ کرے گا تو جانیں لیتے۔ کہ ہم اسے شکست دیتے ہیں۔ دیکھیں وہ کیوں

دیتا ہے۔“

استندار: میرے خیال میں وہ جنگ کو اپنی سسٹم کے لیے جو چاہت دیتی ہے۔“

میر جید نے کہا: ”اس میں کوئی شک ہے کہ یہ جید خدا کی ان کے خیال پر سمجھا۔ اس وقت سب

ہیں سے باتوں میں مشغول تھے۔“

پتا نہ لگا۔“

فائدہ سفین بڑا بڑا اور دلچسپ ہے۔ نہ کہڑے لڑتے ہیں۔ اس کا گند بڑا بڑا اور کچھ عجیب

معلوم ہے۔“

سنا۔ یہ میں کوئی لڑائی نہیں ہے۔“

برکس: ایران میں سام، زلی اور حم یہ تین ایسے ہمارے ہیں جن کی شجاعت اور دلیری کی مثال ہے

ترکستان کے حکم و حکم تھی۔ ان میں نہ شجاعت اور دلیری اور عزت نہ تھا۔ اس نے اس قدر نصرت ملی

کہ کبھی بھی اگر کسی شخص کی جو انفرادی، دلیری اور عزت کی تعریف کرنی ہوتی ہے تو کہہ دیتے ہیں

”یہ وہ تھیں۔“

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شجاعتی، دلیر اور دلیر تھے۔ وہ تھیں یہ ملوان اور جیدوں کے

علاقہ گزرتے تھے۔ ان کے گزرنے سے ہمارا دل اور مضبوط ہوتے تھے اور ان کے زوروں میں

اس قدر قوت ہوتی تھی کہ اگر وہ کسی جہاز پر گزرتے تھے تو اس کے ٹکڑے ہو جاتے تھے اور

جب کسی سوار پر گزرتے تھے تو اس کے کھوٹے کی ٹکڑی ہوتی تھی یا اس کا ٹکڑہ

لغز کی جگہ تھا اور اس کا خدا اس کی کھوپڑی میں چپک کر بیٹھتا تھا۔ ایران میں گزرتے

اس کا جتنا گند ہے جسے مرد شہر ہی اپنے سانس رکھتے ہیں۔“

سین: اس سے حکم ہو کہ فائدہ سفین کو اپنا شہر زور اور دھمکانی پر بڑھائے۔“

برکس: اہل۔ اور سخت میں وہ ہے جو ہر پہلو اور دشمن اور اس کے ہمارے فرائض اس سے

ڈرتے ہیں۔“

سین: تب تو وہ جنگ ضرور کرے گا۔“

برکس: میرا بھی یہ خیال ہے لیکن میں نے یہ سوچا ہے کہ اس کے پاس جا کر اسے مجبوس۔ اگر وہ ان جانے

اور نہ لگے تو چھوٹے۔“

سین: سفین لڑائی پسند نہیں کرتے۔ ہم اس کا جنگ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر وہ اس کے تو اس کے

لیے ہی ہوتے۔“

برکس: میں نے کوئی ٹیپ کیا تھا کہ فائدہ سفین کے پاس ملوں۔ اسے مجبوس چھوڑ کر میرا بازو سے

تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے ساتھ چلے گی لیکن وہ اس کے کمرے میں تھی کہ اس نے اس سے

جانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگی۔ تم کو تو۔ میں میں رہوں گی۔ یہ بھی کہتی تھی کہ دشمنان عرب

ہیں چکے ہیں چاہتی ہیں۔ میں انہیں یہ چھوڑ کر کرنا لگا۔“

سین: اگر وہ یہ نہ چاہتی ہے تو وہ نہ دیتے۔ تب اس سے فائدہ سفین کو چھوڑیں۔ اگر وہ تساری

ویشش سے چلے گئے تو اس کی حکومت تہہ بہ تہہ تھی۔“

برکس: میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ سفینوں کی کوئی خدمت کریں۔ شاید اس کے علم میں مجھے کوئی حراز ملے۔“

سید: حرف از رضی کہہ جا کر بھی مل جائے گا۔  
 برکس: خیر، جو کہ میں نے۔ جس کے ہی روانہ ہو جائیگا۔  
 اس وقت: یہ عداوت کھلا آگیا۔ اس نے کہا:  
 "یانا شب رادر۔ آپ کو امیر بادشاہ فرما ہے ہیں۔"  
 سید: چلو۔ میں تمہارے ساتھ چلا ہوں۔  
 برکس: میرا ارادہ ابھی روانہ ہو جانے کا ہے۔

سید: ضرور چلے جاؤ میں امیر سے کہہ دوں گا کہ تم قندوزستان کو ملکی ترقیب دینے گئے ہو۔  
 سید چلے اور امیر عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے امیر کو سلام کیا۔ امیر نے سلام کا جواب دے کر کہا:  
 "میں تمہیں قندوزستان کے پاس اصفان بھیجا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس خدمت کو انجام دیتا پسند کر دے گے؟"

سید: بڑے شوق سے۔ میرے بہرہ بہ کوئی خدمت کی بات نہ ہے۔ تجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔  
 عبداللہ: میں چاہتا ہوں تم سبزی کر اس کے پاس جاؤ اور اسے سلا کا پتہ دو۔  
 سید: میں اس خدمت کو انجام دینے کے لیے تیار ہوں۔  
 عبداللہ: کب روانہ ہو جاؤ گے تم؟  
 سید: جب امیر حکم دیا۔

عبداللہ: آگاہی کسی وقت چلے جاؤ۔ میں اب اصفان کی قسم کو طے نہیں دیتا چاہتا۔  
 سید: انشاء اللہ میں آج ہی چلا جاؤں گا۔  
 عبداللہ: اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو لے لیتا۔

سید: میں تو سب ہی جانا پسند کرتا مگر امیر کا حکم ہے تو چار آدمی اور ساتھ لے لوں گا۔  
 عبداللہ: تم بات امیر پر قہر لانا مناسب نہیں ہے۔ مگر یہ امید نہیں کہ ایرانی اس کی خبر کے ساتھ کوئی نامناسب حرکت کریں لیکن پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔

سید: روانہ سے چلے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ برکس کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں گے مگر جب وہ اپنے خیمہ پر آئے اور انہوں نے بھی کا حرم کیا تو بہت جلد کہ وہ قندوز نہ بھی ہو گیا ہے۔  
 انہوں نے اپنے چار آدمیوں کو بلا کر کہا:  
 "تم میرے ساتھ اصفان چلو گے۔ جلد تیار ہو کر آ جاؤ۔  
 وہ لوگ چلے گئے۔

سید: اب یہ کہ یہ اطلاع دینے کہ وہ اصفان جا رہے ہیں، سراپردہ کے قریب گئے۔ انہوں نے باہر کو دیکھا۔ وہ اچھی۔ اس کے ساتھ رفیعہ اور سقاہ بھی آئیں۔ دونوں اس کے پیچے کھڑی ہو گئیں۔  
 سید نے کہا:

"باہر۔ میں سعادت پر اصفان جا رہا ہوں۔ تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں۔"

باہر: جاؤ۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔

رفیعہ نے آہستہ سے باہر سے کہا:

"ان سے چچا بھی دیکھنے کی اجازت لے دو۔"

سید نے کہا:

"کیا بات ہے۔ یہ کھڑا کھڑا کر رہا ہے۔"

باہر: رفیعہ اور سقاہ بھی۔ کتنی ہیں رزبانہ ہیں چکی دکھلا چاہتی ہے۔ اجازت ہو تو چلی جائیں۔  
 سید: اور تم؟

باہر: تم اجازت دو گے تو میں بھی چلی جاؤں گی۔

سید: چلی جاؤ۔

باہر: اور سقاہ؟

سید: وہ اپنے باپ سے اجازت میں۔

باہر: وہ تم سے اجازت چاہتی ہیں۔

سقاہ نے اس کے شکل کی۔ وہ اچھل پڑی۔ بولی:

"اچھا ملنے دیتے۔"

سید چلے آئے اور اس وقت چار آدمیوں کے ساتھ اصفان روانہ ہو گئے۔ ○

## اغوا

(۵۲)

مرزا نے پہلے کچھ ایسی تعریف کی کہ باب سلفہ اور رفیعہ کو اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ باب نے سلفہ سے اجازت لے لی تھی۔ سلفہ اور رفیعہ نے بھی اپنے اپنے آپ سے اجازت لے لی تھی۔

پچھلے روز میل اصفہان روانہ ہوئے۔ اس کے بعد دو اصفہانوں نے بھی دیکھنے کا ارادہ کیا۔ طے ہوا کہ کھانا کھا کر چلے اور شام تک واپس آجائیں۔

سین کے خاک کا نام اٹھنا تھا۔ وہ کسی کام سے سزا پر وہ پرکٹے۔ باب اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ان سے باتیں کرنا کہ تھی۔ اصفہان نے باب کو دھاک دیا۔

نایاب سلفہ! میں تو یہ کہ بتی میرا جا رہا ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجیے۔

باب: مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تم گھر لے جاتی ہو؟

رفیعہ: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ برس اصفہان نہیں گیا۔ لیکن بتی میں شہر ہے۔ میں یہ معلوم کروں گا کہ وہ اصفہان کیوں نہیں گیا۔

باب: بتی میں کیوں شہر ہے؟

باب: تمہیں کیا پتا ہے کہ اس کے ساتھیوں میں داخل ہو۔ وہ اصفہان نہیں گیا تو جانتے۔

رفیعہ: میں گھبراہٹ میں دو۔ یہ کہنا میں نہیں جانتی ہے۔

باب: تمہارے اندر ہے۔

باب: اس سے ہوشیار رہنا۔ میرا اس کی طرف سے بھی مشکوک کہ ہیں۔

باب نے پہلے کہا:

مرزا نے اس سے بھی مشکوک ہوئے۔ وہ تو بڑی خوش مزاج لڑکی ہے۔  
 رفیعہ: مجھے شک ہے کہ وہ کوئی مکر کرنے والی ہے۔  
 باب: مکر۔ خوب۔ کیا مکر کرے گی وہ؟  
 رفیعہ: میں نہیں جانتا مگر مراد دل کتب ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آجانا۔  
 باب: اطمینان رکھو۔ ہم اس کے مکر میں نہ آسکیں گے۔  
 رفیعہ: چلے گئے۔

باب نے رفیعہ کو عیدہ بلا کر ان کی تمام گفتگو سنائی۔ رفیعہ نے کہا:  
 "عیدہ قہقہہ ہی کہہ رہے ہیں۔ یہ معلوم کیوں۔ میرا لالہ بھی مرزا بلنے سے کھٹکتا ہے۔"  
 باب: مگر وہ ہمارا کرے گی کیا؟  
 رفیعہ: کہیں کوئی سازش نہ کر رہی ہو اس نے۔  
 باب: ایرانی کیا سازش کریں گے ہمارے ساتھ۔  
 سلفہ بھی وہاں آگئی۔ اس نے کہا:  
 "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

رفیعہ: عیدہ نے سلفہ سے پوچھا کہ وہ ہے حق۔  
 باب نے رفیعہ کی تمام گفتگو دہرا دی۔ سلفہ نے کہا:  
 "وہ چاکر کہہ رہے ہیں۔ یہ معلوم کیوں ہے؟ میں اس کی طرف سے کچھ کھانسی ہو رہی تھی۔ اس نے  
 یہ بھی دیکھنے کا اشتیاق جو میں دیکھ رہا ہے کہیں اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔"  
 باب: جب تمہیں اور رفیعہ کو اس کی طرف سے کھانسی ہے تو نہ چلو یہ پکڑ کیجئے۔  
 رفیعہ: مگر اس سے کوئی کیا؟  
 باب: کہہ دیں گے کہ ہم تنہا نہیں چل سکتے۔ بھائی جان کو آئے دو۔ ان کے ساتھ چلیں گے۔  
 سلفہ: یہی فیصلہ ہے۔  
 تینوں خیر کے اندر گئیں۔  
 مرزا نے باب سے یہ کہنا سنا۔ چوٹی تھی۔ اس نے کہا: "چلو۔"  
 رفیعہ: آج آج ہمارا وہ دونوں کہہ رہے ہیں۔



مرزا نے حضرت سے اس طرح دیکھ کر کہا: "کیوں؟"

باب: جب بھائی جان آجائیں گے ان کے ساتھ چلیں گے۔

مرزا: میں تو باپا کے ساتھ اس دور سے نہیں گئی کہ تمہیں یہ کچھ یاد ہوگا۔

باب: جب بھائی جان آجائیں گے تب دیکھیں گے۔

مرزا: میرا خیال ہے اباجاں سے پہلے آجائیں گے اور بھائی کے ساتھ چلا جائے گا۔ اگر تمہیں کوئی

خوف ہے تو کسی کو اپنے ساتھ لے لو۔

رفیقہ: خوف کچھ نہیں ہے۔

مرزا: اگر کچھ خوف نہیں ہے تو پھر چلو۔ دیر ہی کیلئے گا۔ شاید سے پہلے پہنچیں گے۔

سلطانہ: نہ معلوم کیوں طبیعت کھٹکتی ہے۔

مرزا نے ہنس کر کہا:

"تمہاری طبیعت تو کھٹکتی ہوگی۔ میں ہوتے تو کچھ دیر بھی ہوتی۔"

سلطانہ: ان سے تمہارا دل بھی ہلکتا ہے۔

مرزا: مجھ سے سبب — میں کتنی ہوں اگر کچھ کھانا ہوتا تو کسی کو ساتھ لے لو۔ میں کے غم کی کڑی

رفیقہ: عرب لڑکیاں تو نہیں کرتیں۔

مرزا: تو پھر چلو۔

رفیقہ: میں تو تیار ہوں۔

مرزا: ساتھ کو چھوڑو۔ یہ تو دلچسپ

سلطانہ: میں کیوں ڈرتی؟

مرزا: اچھا تو یہ کہ کچھ ڈرو۔ یہ تو دلچسپ ہوگا۔

باب: میں نہیں ڈرا کرتی۔ رفیقہ اور سلطانہ ہی کو کچھ اندیشہ ہوا تھا۔ یہ تیار ہیں تو میں ان دونوں سے پہلے

تیار ہوں۔

مرزا: یہ دونوں تیار ہیں۔

باب: ہنس کر چلو۔

یاد تو میری ہے کہ کیا تھا کہ نہیں جائیں گی یا تینوں ہی تیار ہو گئیں اور مرزا نے کے ساتھ مراد سے

بہرہ ران گئیں۔



مراد سے کہ قریب ہی اٹھیں تھا۔ اس میں ان عرب خواتین کے گونڈے سب سے تھے جو کبھی کبھی میری

تفریح کے لیے ان پر سوار ہو کر چل جاتیں تھیں۔ وہ میری بازو کا بھی گھوڑا تھا۔

انہوں نے گھوڑوں پر زین کے اور روانہ ہوئیں۔ مرزا بازو جو کچھ پرو سے کیا باندھ نہیں تھا اس لیے

بے نقاب تھی۔ سلطانہ رفیقہ اور باب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیے تھے۔ سلطانہ نے ستاروں کو چھوٹا نقاب

کے اوپر رکھا تھا۔

یہ سب باتیں کرتے ہی جا رہی تھیں۔ لشکر گاہ سے نکل کر انہوں نے دیکھا کہ جس راستہ پر وہ چل رہی

تھیں اس پر آمدورفت کم تھی۔ کبھی کبھار کوئی اکوڑا مسافر ہی جاتا تھا۔ وہ عرب لڑکیوں کو جس کے پاس سے

پہچان کر ڈر جاتا اور ایک طرف ہو کر نکل جاتا۔

چونکہ راستہ صاف تھا اس لیے نقاب اٹھانے لگی تھیں۔ مرزا بازو نے کہا:

"سبب نقاب اٹھانے کے چاند سے چہرے پر کیا جلا سلوم ہے یا خدا جی تو خوف رہتا ہے کہیں اس

چاند کے کھڑکے کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

سلطانہ: کیا تم باوجود نہیں ہو؟

مرزا: تمہارے سامنے میں یہ کبھی نہیں جیسے چاند کے سامنے ستارا۔

رفیقہ نے ہنس کر کہا:

اور ساتھ ساتھ ان سب کوں میں سے ایک جہاد سے سلطانہ کے پوچھنے لگے ہوئے ہیں:

اس بات پر سب ہنس پڑیں۔ ان کے صبر میں تھک چکے تھے۔

ان کے گھوڑے شاید اس دور سے خوشحال کر رہے تھے کہ ان پر حسینا یا حسینہ سوار تھیں۔

وہ اس طرح تھا کہ ان کا چہرہ تھے جیسے اس بات پر فخر کر رہے ہیں۔

انہوں نے راستہ میں ٹھہر کر نماز پڑھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پہنچ کر گھر کا نماز پڑھ کر

گھر کا وقت مانتے ہی میں ہو گیا نماز پڑھ کر باب نے مرزا سے کہا:

"تم تو کتنی نہیں چو کھا کر رہے ہو۔ ایک تو آئی نہیں۔"

مرزا نے ہم باتیں کرتے کرتے آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ وہ تیز چلے۔

انھوں نے مرزا بادشاہ کو بلوڑ دیا۔

مرزا ایک آدمی نے سدا کہ کھجور لاپے گھٹے سے پرے کیا دے گا نہ گھوڑا دوڑ دیا۔ جی سب  
ملی کی کے پیچھے دوڑتے ہوئے گئے۔  
جب لڑائیوں نے کچھ دیر تک ان کا تعاقب کیا تو انھوں نے دو تھوڑے تھوڑے



انھوں نے گھوڑے تیز کیے مگر کچھ دور چلی کر پھر بہت بہت پہنچے گئے۔ اب وہ بھی پہلے کا کافی دور  
تھیں۔ انھوں نے گھوڑوں کو ایڑیوں لٹائی اور تھوڑے تھوڑے جھپکے۔  
یوں بھی وہ بڑھتی جاتی تھیں، مگر مرزا بادشاہ اور ہر سے ہرے کیت آتے جاتے تھے۔ کئی ہفت  
کے۔ وہ مرزا اور باغیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اور۔

میرزا بھی بہت کچھ کہے۔ بہتیں میں پر بھی کئی کئی دھپکے کا سزا دیکھ کر وہ خوشی سے کھوٹیں۔  
پھر سے ایک کانٹا لگا گیا تھا، اے اور پھر کے درمیان ایک خوش نہایت تھا۔ گھاس کا زردیوں فرقی کیا ہوا تھا  
بڑے پلٹے سے تھوڑے ہنگامے لگا گئی تھی۔

پھر اسی طرح کے کیلڑی در کیلڑی تھے۔ دھپکے لگے کئی تھیں مگر صاف اور سخی تھیں اور ان کے  
دوڑوں میں پھوڑوں کے بڑے بڑے تھوڑے کی تھوڑی تھیں۔ غلیظ پڑنا منظر قدامت دیکھ کر اس منظر کو کبھی  
نکھڑا چوٹی اور پھوڑوں سے کیلڑی رہیں۔

انھوں نے وہیں صرخی نماز پڑھی اور پھر پہلی درگاہ جلی سے پہنچ گئی۔ جو کہ پہلے انھوں نے کبھی پہنچی  
نہیں دیکھی تھی اس لیے اسے دیکھ کر بڑی متحجب ہوئے۔  
سلاطین نے اس سے کہا:

اور چھپے رکھو۔ اب وہاں پہنچنا پڑیگا۔

مرزا بادشاہ: اب چلو دیکھو تمہارے یہ منظر۔

اس وقت: اے۔ شاہی پڑکھو۔

یہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر آیا ہیں۔

تھوڑے وقفے میں تھیں کہ وہی چپ گیا۔ تینوں عرب لڑائیں مغرب کی تھوڑے تھوڑے گئے۔ مرزا بادشاہ کو مرزا  
کر کہیں چلا گئی جب یہاں سے فارغ ہوئے تو وہ بھی آگئی۔  
یہ پھر چلیں۔

ابھی انھوں نے صفا دستہ ہی بلے کیتھ کر رات ہو گئی۔ چاند رات تھی۔ چاند نکلا آیا تھا۔ چاندنی  
چمک رہی تھی۔

اسی وقت دس بارہ گھوڑے آئے۔ وہ ڈھلے ہاتھ سے ہوئے تھے۔ انھوں نے مرزا بادشاہ کو کھڑا کیا۔ وہ پہنچے  
گئے۔ یہ وہی وہی کہ وہ دیکھ چکے تھے۔

لباب: چچ چلی دیکھنے کے مشتاق نے جیسے اندھا کر دیا کیا جواب دینگے ہم سلسلہ کے باب صاحب کو۔  
رفیہ: میرا دل کئے کو نہ پہتا تھا۔ بے چاری سلسلہ میں خوشی سے تے کو تیار نہ تھی۔ دراصل ہم دونوں  
کے دل اکٹھے ملے حادثہ کو کچھ گھٹے مگر ہم سچے دلوں کا گناہ نہ سنا اور اس کو غیار نہ جگستا۔

لباب: اب کیا کریں ہم؟

مرزا: مجھے خوف ہے کہیں وہ لوگ پھر حشر نہ کریں۔

رفیہ: ہو سکتا ہے۔ ہمیں جلد لشکر میں پہنچا کر اس واقعہ کی اطلاع کرنا چاہیے۔

لباب: کیا نہ لے کر جائیں لشکر میں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ ان لوگوں کا قہقہہ کریں۔ اگر وہ مل جلے تو ان  
سے لڑو۔ خوداری جاؤں یا انہیں لڑاؤں۔

رفیہ: ان کا ہاتھ انا مشکل ہے۔

مرزا: میرا خیال ہے وہ ڈاکو تھے۔ اس نوع میں دور تک متعلق بعد چلے ہے۔ اس میں ہم سزاوارد کو پہنچے  
ہیں۔ شاید سلسلہ کی اوڑھی کے ساتھ بدلے سے اس دھوکے میں پڑ گئے کہ وہ قیدی زبورات۔ پہنچے  
ہوگا اس لیے مجھے چھوڑ کر اسے اٹھانے گئے۔

لباب: خدا کو خبر ہے کہ وہ اس غریب کو اٹھانے گئے۔

رفیہ: باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ واپس چلو اور جلد اس حادثہ کی اطلاع صلیب کو دو۔

لباب: اب سوائے واپس جانے کے ہم اور کری کیا کئے ہیں؟

یہ تینوں واپس لوٹیں۔ انوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں۔ گھوڑے دوڑنے لگے۔ کبھی کبھی لباب اور رفیہ  
بچے شرموگہ کو دیکھتی تھیں جیسے انہیں جیسی ہو کہ سلسلہ ان کی بچے آ رہی ہے۔



مجلس کا موقع تھا اور رات کا وقت۔ ہر طرف سکوت اور سکون تھا۔ ہوا تھا چاند آسمان پر تیر رہا تھا اور چاندنی  
کجست کے پر تھی۔ سفید چاندنی میں ہر چیز چمک رہی تھی۔

اگر سلسلہ کا حادثہ جیسے نہ آجائے تو انہیں اس دیکھنے سے بڑا کیف حاصل ہوا مگر اس وقت وہ غمزدہ  
تھیں۔ پریشان اور کمزور۔ انہیں چاندنی کی دیکھتی ہی طرف متوجہ نہ کر سکی۔

وہ تیز سے چلی جا رہی تھیں۔

## تغائب

(۵۲)

لباب اور رفیہ دونوں لوگوں کے تغائب سے واپس سید فاضل نے دیکھا کہ مرزا باندھی ہوئی کھڑی تھی۔  
یہ دونوں بڑی پریشان اور نگر مند تھیں۔ انوں نے مرزا سے کہا:  
"کون ہو سکتے ہیں یہ لوگ؟"

مرزا: یہ وہاں ہی جاتے۔ میرا تو رواں رواں کا پتہ رہا ہے۔

لباب: مگر وہ سلسلہ ہی کو کیوں پکڑے گئے؟

مرزا: جیسے تو انھوں نے مجھے گھوڑے سے کھینچنا چاہا تھا۔ جب میں جینی چلی تو مجھے جوڑو پاد میرے بعد  
شاید سلسلہ پر تھم کر اوروں سے کھینچ لے گئے۔

رفیہ: پھر ابھی۔

لباب: اور اس قدر جلد ہوا کہ ہم کچھ کر بھی نہ سکے۔

مرزا: اکتے بھی کیا۔ وہ دس بارہ تھے اور ہم چار ہی تھیں۔

رفیہ: کچھ نہ کچھ تو کرتے ہی ہم بھی تھیں تو پانچ ایک آکر رہے۔ اب کیا ہو گا۔

لباب: یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ حقیقت میں ہم نے بڑی ہی غلطی کی کہ اپنے ساتھ کسی مرد کو نہ لے گئے۔

رفیہ: اور تم سے کچھ بڑھ کر یہ غلطی نہ کہ امیر لشکر سے اجازت لے کر نہ لے گئے۔

مرزا: یہ خیال بھی تو نہ تھا کہ کوئی حادثہ پیش نہ آئے گا۔

رفیہ: جیڑک تھا۔ ہمیں احتیاط کرنا چاہیے تھی۔

اپنا کمال خود نے سامنے سے ایک عمارت کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ باب نے کہا:  
"کیسے یہ صوبہ تو نہیں؟"

وہ دونوں کھلے دھڑکے ہوئے۔ سب سے پہلے ان کے گھبراہٹ سے ان کے منہ سے ایک اور یہی جملہ  
رہی اور اسے سوار ان کے منہ سے نکلا۔

جب یہ سوار مسکرمہ کی طرف پہنچے۔  
"یہ تو مینہ ہے۔"

وہ مینہ ہی تھا۔ ان کے پاس ان کے انگوٹھے تھے۔  
"یہ سب سے بڑی دیکھنا نہیں آئے ہیں۔"

باب: ان میں دیر ہو گئی۔

جب یہ میں کہا دیکھا ہوں۔ مجھے صبر پرانے کہ تم جاؤ کیا ان کی ہو سکتی اس وقت میں جو ایک کلمہ ہے؟  
باب: ہمارے ساتھ حادثہ پیش آیا۔

باب نے کہا: "آج صبح میں سے میان کر دیا۔ اور بڑے دور سے سامنے ہے۔ اچھا ہے کہا:  
"اب تو یہ کی یہ ہاں میں ہو سکتی ضرور میں کوئی دانا ہے۔ اچھا تم جو۔ میں ان کے خلاف میں ہوں۔"

باب: کیا تھا ہوا گئی؟

جب یہ: یہاں کو کوئی ہے ساتھ ہوا۔

باب: "تھانہ ہوا۔ وہ صحت آئی۔ میں چارے سے شکریہ ادا میں جو وہاں سے اور اس کے ساتھ کر گیا۔"

باب: "میرا گھوڑا ہلکا نہ ہے۔ مجھے یقین ہے میں نہیں پکڑوں گا۔ واپس چلے اور آئے ہیں بڑی دیر  
جو ہوتے۔"

باب: "مگر تم غصا کر گئے۔"

باب: "اگر وہ میں ہی ہوں تو مجھے ان کے پروا ہے۔ ان کے نام میں نہیں جانتے دے  
سند کو ان سے بھی دلی گہ۔"

باب: "مگر یہی صورت ہے تو مجھے کوڑا ہوا۔"

باب: "مجھے جیسا کہ ہے۔"

باب: "میں میں تاروں کی تم واپس ہاں اگر تم ساتھ ہوگی تو میں تمہاری حفاظت میں ایک ہاؤس گا اور دشمن کو  
جانکے ہو تو قتل ہوا۔"

مینہ نے گھوڑے کی انگوٹھاں۔ گھوڑا دوڑ گیا۔  
"یہ تو یہی لشکر کی طرف ہیں۔ مرنے والے ہیں۔"

"انہیں مینہ کو نشانہ بننے دینا چاہیے۔ غاروں میں ہیں۔"

باب: "مینہ بڑے یاد دہی۔ واقعی وہ کسی میں آدھوں کی ذہن پر ہوا۔ لیکن نہ کریں گے۔ نہ نہ نہ۔  
آجائے یا جہاں جان ہوتے اور ہم انہیں ساتھ لے۔"

مرزا نے: "ابھی ہوا نہ ہوتے۔ اگر وہ ہونے تو لڑتے۔ ہزاروں ہونے لگا ہوا۔"

باب: "اگر وہ ہے ساتھ ایک مسلمان میں ساتھ مسلمان لڑتے ہیں۔"

انہوں نے: "میرا یہ گھوڑا ہے۔ میں نے انہیں دور سے دیکھا۔ آگ دیکھ کر۔  
لشکر کا دربار آگئی ہے۔ آگ کے دھوئیں نے ہوا کو کھرا کر دیا۔"



تھوڑے دیر میں وہ لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں سے سوار ہو گئے۔ ان میں لڑکھانے گئے۔  
انہوں نے گھوڑے کے اچھلنے میں ہاتھ سے اور سواروں کے۔

وہ گھوڑے میں گھیرا۔ ان میں سے کئے گئے۔

"بڑی دیر میں آئی۔ کہاں رہ گئی تھی تم؟"

باب: "ایک دکان میں تھا۔ اور یہاں کہاں ہے؟"

باب: "میرے نے کہا کہ اس صبح کہ سنا۔ سب لڑکھانے کوڑا انہوں جو۔ جو جس کے ہاتھ تھے۔ ایسی وقت نام  
مرا پر وہ میں مسند کی گند کی خبر ضرور ہو گئی۔ غرض میں وہاں سے۔ حال میں ہو گئے۔ یہ ہمارے  
خبر پر گئے ہیں۔ ایک طرف لگا گیا۔"

تھوڑے دیر میں میرا تم نے میرا کوڑا ہوا اس سے۔

باب: "میرے کے متعلق کیا سن رہا ہیں۔"

باب: "سند کو کھاتے دے پڑ گئے۔"

باب: "ان وقت صبح میں رہا تھا۔ باب: "میں میں پروا نہیں ہے۔ میں یہاں ہی رہا۔"

باب: "اب صبح میں آئے۔"



نابھہ : ہم میں ہیں دو ایک کر کوٹ رہے تھے کہ دوسرے بدھو مکتی ہم پر آپڑے انھوں نے مرزا کو بڑا چھینے  
 گی۔ میں سہارا اور ریشہ ان کی ہڈی کو دھڑکیں۔ انھوں نے مرزا کو چھوڑ دیا اور سہارا کو بڑا چھینے  
 اتے ان کے گھر سے بچنے لگے گئے۔ ہم تو ان کے قہقہہ میں دھڑکیں مگر نہ نکل گئے۔

عقب مت زیادہ غمزدہ ہو گئے۔ انھوں نے غما کیا ہے میں کہ

نے دیکھے ایک لڑکی ان کی بیوی تھی۔ اسے وہاں فرس کھڑا نہ تھا۔ ہم کہے نہ

میں نے کہ خدایا ہم کتنے ہیں۔

مذاکرہ کیا تھیں گے میں وہ؟

ہاں۔ ان سے ان سے کہا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں۔ انھوں نے کہ جانی گھر نہ گئے۔

مذاکرہ میں ان کو دیکھا تھا میں۔

نابھہ : میں تو بھرا ہوا ہوں۔ ان کی قسم۔ میں ان لوگوں کو ہرگز نہ رہا۔ تو میری بیٹی کے لئے ہیں۔

یہ وہ بڑا دن ہے کہ ہے۔ ایسے غم میں ہیں کہ سچا کہ سچا ہوئے۔ عہد الزماں۔

ہم سے کہتے ہیں کہ

اور ان سے کہتے ہیں کہ۔ ان سے تو اتفاق کیا تھا۔ انھوں نے تو میری قسم کی قسم کی

نابھہ : کہ

ان میں سے ایک نے کہی۔ اگر آپ کو کوئی شے ہوگی تو۔ سزا دانا ہوئے تو۔

ان سے کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا آئی کہ ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ ہو گئے۔



## عینیہ کی دلیری

(۵۵)

عینیہ کو دانا دے دیے گئے۔

وہ اپنے تھے کہ ان کے گھر سے کہہ رہے تھے جانی اور۔ ان میں سے ایک نے کہی۔

سزا دانا ہوئے تو۔

ان کو کوئی شے نہ تھی۔ وہ تو کیا۔ اس کے کہ کوئی نہ ہے۔ وہ تو

تو کوئی ہی دیر میں دو سو لاکھ چاہتے تھے۔ یہ وہ جس نے

وہ ان میں سے ایک نے کہی۔ وہ نے اس سے کہی

چند دن اس میں سے کہتے ہیں۔ یہ وہ دن ہے کہ

وہ کو جو چاہتا تھا۔ کچھ دانا کے دے دیے کہ

تھے نہیں۔

عینیہ کو کوئی شے نہ تھی۔ وہ تو کیا۔ اس کے کہ کوئی نہ ہے۔ وہ تو

تو کوئی ہی دیر میں دو سو لاکھ چاہتے تھے۔ یہ وہ جس نے

وہ ان میں سے ایک نے کہی۔ وہ نے اس سے کہی

چند دن اس میں سے کہتے ہیں۔ یہ وہ دن ہے کہ

وہ کو جو چاہتا تھا۔ کچھ دانا کے دے دیے کہ

تھے نہیں۔



کاٹ کر سید نکال کر لگائی۔ اس نے آگ بھی نہ لگا اور گرا۔

اب اس کی قبروں کو مٹا دیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو مارا اور پھر سب نے بڑا زور سے  
تلاویز مار دی۔

جینے سے خوف نہ کیا۔ زیادہ ماکہ کی عمارتیں زمین پر پڑیں۔ چونکہ تھوڑی دُشمنی سے کہتی تھیں  
دو کامیابیوں کی عمارتیں ترقی ہو کر ڈھک گئیں۔

ایک بھاری پتھر کے چھتہ نے چھڑا کر اس کی گت گئی اور سر دور ہو گیا۔ جینے نے توڑ دی مگر  
ایک اور جوتی پر ڈر گیا۔ عمارت اس کے چھو پر پڑی۔ چھتہ کو دو دو بھونک کے بچے سے کاٹتی ہوئی ایک لڑکا  
اڑا گئی۔ اس نے چکر لگایا دی اور کہا،  
انگشت۔ دھنسا۔ میں سے توڑا ڈا ہوتا ہے۔

اسے زخم نے اس قدر زخم دیا کہ عمارت چھٹ کر دور جا گھر ہوا اور اپنے دھم کو اپنے دامن سے  
دبانے لگا۔

ایک جگہ سے کہا

بڑا لڑکا ختم ہو گیا ہے۔ پروردگار! اس نے تو جہل سے کئی کئی فیروں کو مار ڈالا مگر وہ اس پر  
کوئی ہاتھ نہ لگا۔

دوسرے نے کہا،

مست گمراہ! زور سے چھڑا اور اس کا سر ٹاڑا۔

کئی لوگوں نے ان پر بڑی قوت سے جوش مہیا کر رکھا تھا۔ انھوں نے ان سے پہلے ہی اپنی قوت  
بلند کی اور ایسی جھکی دی کہ عمر ہی نہ کر سکے۔ جینے نے ایک شخص پر ایسی تلوار مار دی کہ اس کا ہاتھ کٹی کر چھل گیا  
وہ زور سے جھک کر انھیں گایاں دینے لگا۔

جینے تلوار اٹھ پکے تھے کہ سدا سے نکلا : "خبردار۔"

جینے گھٹنے کے ان کی پشت کی طرف سے کئی ٹھکرانے چاہتا ہے۔ انھوں نے اپنے منہ سے دھنیا پر تلوار چھڑائی  
وہ پیچھے ہٹ گئے۔

جینے نے ہٹ کر اس بھاری پر چھڑا جو پشت کی طرف سے ان پر مارا جاتا تھا۔ اس کے دہانے ٹانے  
سے عمارت داخل ہو کر انھیں لٹا کر لگئی۔ وہ گرا سدا سے دوڑ کر اس کی تلوار اٹھا۔

جینے جوتی سے پھر اپنے منہ سے دھنیا والوں کی طرف پھٹے۔ اس جرم میں وہ جھسیروں نے ان پر تلواریں اڑا دیں۔

انھوں نے ڈھال پر ان کی تلواریں روکیں اور ان پر چھڑے کے لیے بڑھے۔ وہ جگمگاتے ہوئے جینے کی  
پچھے دوڑے۔ ایک بھاری ان کی پشت کی طرف سے ان پر چھڑا سدا سے پتھر کے اس کے تلوار اٹھا۔ اس کے  
سر کی ہڈیاں کھسک گئیں۔ وہ گرا۔ باقی بھاری جگمگاتے۔

میدان صاف ہو گیا۔ جینے ڈھک گئے۔

اب وہ بھاری جس نے لڑکا۔ بہ نیک کی آواز۔ سدا سے

بڑا لڑکا میری کی پٹے۔

وہ محل جاننا۔ جینے نے جھسیروں کے گھوڑے۔ بختیار اب اس اور اٹھ کی دوسری قہار چھڑا لے لیں۔  
وہ گھوڑے اور کچھ نقد دے کر بھاری کو رخصت کر دیا۔

اب وہ اسٹوٹراٹے۔ اس پر سدا سے کو سوار کیا۔ ایک گھوڑے پر سب سالانہ لاد۔ ایک پر خود سوار  
ہوئے۔ باقی گھوڑا۔ باجوہ پر لیں اور واپس چلے۔



دربار کے دہلی اور اذکار اور باخدا۔ اس میں بڑی خونخوار و جس افشاری تھی۔ اسے گھوڑوں پر بٹھ کر پل  
نہا، ملک تھا جسکی مہاراج نے خدا کا نام لے کر گھر سے دور باہر ڈال دیے۔ تب یہ ہے کہ جس طرح معذور  
صدا رہتے ہیں بے تعلقی سے چلتے تھے اس طرح وہ بھی نہیں گئے۔

مچھوڑنے دیکھا تو وہ سخت غمزدہ ہوئے۔ انھوں نے کہا:  
مسلمان انسان نہیں ہیں۔ اگر انسان ہوتے تو دریا نہیں اور ای کے گھوڑوں کو ہالے عمارت وہ غمزدہ  
دلوں میں۔

جہانگیر "دیوان احمد" دیوان احمد" (دو کتابیں) دیوان احمد کے برعکس عالم کٹر ہے۔ اس شخص  
جو کئی تھے وہ اس ملک اس واقعہ کو لوگوں سے یہ کہہ سکتے تھے۔ اس وقت سے کئی مسلمانوں کو روکنے اور بچنے  
دے۔ اسی لیے انہیں ان کے دیکھنے کا مشفق تھا۔



سین جب اسفغان کے قریب پہنچے تو انہیں بعض عیالوں سے یہ سلام پہنچا کہ فاذ مسلمان نے عظیم پیادہ پر  
جنگی تیار کیا ہیں۔ اس کے پاس اس قدر لشکر فراہم ہو گیا ہے جو عہدہ کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ سرد  
اس قدر بھگتا ہے کہ محمود پر جانے کی صورت میں ایک سال کے لیے کافی ہے اور آفات جنگ کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔  
فاذ مسلمان کی جنگی تیزی کے حالات اس کی سہولت سے یہ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کچھ کاٹھن رعب نہیں ہوگا۔ خود  
لشے کا لکھن اس سے اتنا حجت کہ تیزی تھا اس لیے وہ صلح کا پیغام اس تک پہنچا چکے تھے۔  
ابو سین اسفغان کے عالمگیر پہنچے۔

جہانگیر پر فوجی پہرہ تھا۔ ان فوجیوں کو سین کے آنے کی اطلاع تھی۔ انھوں نے انہیں وہیں روک دیا اور  
فاذ مسلمان کو آنے کی اطلاع دی۔

فاذ مسلمان نے ایک طرف تو دربار کا تیار ہی شان کے ساتھ شروع کیا تاکہ وہاں پر ہی معزز شہرین  
ہر فوجی افراد کو عجب کر دیا اور دوسری طرف فوجیوں کو ان ماستوں اور مڑوں پر بٹھا دیا جن پر سے سین  
گورنہ لے رہے تھے۔

جہانگیر نے رقبہ دو دیو ہیں کہ اور مسلمان بھگتیار کا راستہ کے دو دفین کاروں پر چل گئے۔  
مچھوڑنے دیکھا تو وہ سخت غمزدہ ہوئے۔ انھوں نے کہا: مسلمان انسان نہیں ہیں۔ اگر انسان ہوتے تو دریا نہیں اور ای کے گھوڑوں کو ہالے عمارت وہ غمزدہ  
دلوں میں۔

## حق گوئی

(۵۶)

سین جب اسفغان کے حلقہ میں داخل ہوئے تو عیالوں نے کھو لیا کہ وہ اسلامی قاصد ہیں۔ دلی  
اسفغانی فاذ مسلمان کے جاسوس اسی علاقے میں بکھرے پڑے تھے۔ انھوں نے دور کر کے ان کے گھنے کئی  
اطلاق دی۔ انھوں نے دربار کی تباہی شروع کر دی۔

سین کے آنے کا پھر پورے اسفغان میں پھیل گئی۔ یہ ایسا علاقہ تھا جس میں مسلمان ابھی تک نہیں  
پہنچے تھے۔ وہ ان کے لوگ انھیں دیکھنے کے لیے مشتعل تھے۔ اس نواز کے اور عامی اسفغان کے عیالوں  
نے جب سے مسلمانوں کے حیران کی جنگی کارنامے سے تھے اس وقت سے انہیں دیکھنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔  
وہ انہیں انسان نہیں دیکھتے تھے۔

مسلمانوں کو دیکھو تو اس وقت سے تشدد ہی جانے لگی تھی جب کہ حضرت معمر بن قیس ذریعہ ایران  
نے یہ سیر کرنا شروع کر کے بعد میں لکھن کیا۔ بدافض اس زمانہ میں ایران کا دار السلطنت تھا۔ جب اسلامی  
لشکر دیکھنے کے بعد کے گناہ پر پہنچو تو دیکھا کہ عیالوں نے کئی فوجیہ لے کر اس کا رخ سے کشیدیں بنا کر  
دوسرے کنارے پر لکھ دی ہیں۔ کوئی ذریعہ صیاق نہیں رہا تھا جس سے مسلمان دربار کر جانے۔

حضرت معمر بن قیس نے دیکھا کہ دوسرے گناہ پر بھی فوجیں جنگ پر آمادہ سیٹھ کھڑی ہیں۔ انھوں نے  
ایک دستہ تیر اندازوں کا اس گناہ پر سین کر کے ہایت کیا کہ وہ بار کرے وقت اگر بھی لشکر مسلمانوں پر  
تیر اندازی کرے تو وہ فوجیوں کو تیروں کا نشانہ بنا کر انہیں تیر اندازی سے روکے اور خود "بسم اللہ" بجز مسلمانوں  
کہہ کر گھوڑا اور یا میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام لشکر نے گھوڑے ڈال دیے۔



بالغی لیے ہوئے تھے۔

اصناف کے تمام باشندوں کو اسدی تاحہ کے اُنکی اٹھانا چوگی یا نہیں دیکھنے کے لیے مرد و عورتیں اور بچے اچھے پہنے لباس میں کراٹھائے اور فوجیوں کے پیچھے تھارے تھارے گھوڑے چلے گئے۔ ان سب کے پاس بڑے فوجی اہموں کے اور عورتیں قیمتی زیورات پہنے ملکہ رکھے پری زانو پا بنی ہوئی تھیں۔

گھوڑوں کے بعد سب کو اصناف میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ معرچے ہزاروں کے اپنے مخصوص ہاں میں تھارے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے جب نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو فوجوں کا سمندر سا پھیلنا نظر آیا۔ ان کے پیچھے عورتوں اور مردوں کے ٹھکانے۔ درختوں پر، کھانوں کی بھرتوں پر اور ہاٹا خانوں پر مرد و عورتیں اپنے اپنے بٹھے بیٹھے تھے۔

ایک دم صاف تھے جس کے کارناہوں کو کس کو کیا ناک کے دیکھنے کا آرزور قاضی۔ ایک ہم مسلمان ہیں جنہیں دنیا کا وہ سمجھتا ہے۔ ان میں ایمان تھا۔ ہندوئی تھی۔ ہمارا ایلان راج نہیں ہے۔ ہندوئی سے ہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

مٹی یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان بڑے قوی میٹھی اور عیب عورت ہوں گے اسی لیے انہیں دیوانے بولنے لگے۔ وہ تو انہیں کا طرح انسان تھے۔ اسی لیے انہیں دیکھ کر وہ بڑے متعجب ہوئے۔ سوچتے ہوئے انہیں دیوانوں کا ہانا ہے۔

سین زجران تھے۔ انہیں یہ دیکھ کر اور بھی تعجب ہوا کہ ایک نوجوان سفیر بن کر آئے ہیں۔ اگرچہ سین گورای کے ساتھی سب فکر پر پانچ آدمی تھے اور بے شمار دشمنوں میں ہیں۔ دسے تھے مگر ان پر ان کی کمزرت، اہل کے ہمتیادوں اور ان کی شہد شجرت کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ بڑی بے غلٹی سے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ ان کی رہبری کر رہے تھے۔

جب وہ دہلی کے سامنے پہنچے تو انہوں نے دال بے دلی بیکل جواڑوں کو دیکھا۔ وہ ٹھیکہ زکرت تھے۔ دال دھگھڑوں سے آئے اور دہلی باریں داخل ہوئے۔



دہلی کا دستور پرست تھا کہ عجیبی دھڑک ہوں کی شان اس سے ظاہر ہو رہی تھی۔ بڑے ٹھکانے کچے گئے تھے۔ اگر ان ٹھکانے کا بیان کیا جائے تو کئی الجواب میں ملے۔ وہ باری دیشی لباس کو دھڑکے جواہرات

کے زیورات پہنے بڑی شان سے پہنچے تھے۔ وقت پر تو کھانوں کا کھانا 'خاندوسٹان شادی لباس اور کاجڑی پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے خانوں کی جنہیں کھڑی تھیں۔

ان لوگوں کے لیے کرسیاں ڈھانچی تھیں لیکن وہ ان پر نہیں بیٹھے بلکہ انہیں اٹھا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ مزارک کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔

خاندوسٹان نے پوچھا:

تم کس لیے آئے ہو؟

سین نے کہا:

ہم سب کا پتلا کر کے آئے ہیں۔

خاندوسٹان: تم شاید اہل اصناف کا جنگی تیاریوں کی خبریں کر گھر گئے اسی لیے سب کا پتلا کر کے آئے ہو۔ سین: اگر تم یہ سمجھتے ہو تو یہ تھاری مطلب ہے۔ ہم سب کے کھانے کی سہولتیں ہیں۔ ہم سے بڑا سے وصل علی اللہ وہاں وہ علم نے ایرلی کھلنا کھانہ کیلئے ہے۔ انشاء اللہ وہ پورا ہو کر رہے گا۔ ہم جنگ نہیں چاہتے۔ خوربینی کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لیے ہم سب کا پتلا کر کے آئے ہیں۔ خوش قسمت لوگ سب کسیتے ہیں اور ہمیں یہ سمجھ کر یہ کہتے ہیں کہ وہ خود کو کھانوں اور پانی کو کھانے پر دیکھتے ہیں۔

خاندوسٹان: تم کی شرفیاد پر حاکم پڑتے ہو

سین: سب کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دو۔ خدا کو داد دانا تو مسلمان ہر جاؤ۔ خاندوسٹان: ہمارا مذہب پرا ہے۔ تم اذہب مذہب ہے۔ کوئی گناہی پانچ مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

سین: اچھا تو یہ تھا کہ تم مسلمان ہو جاتے۔ اسلام سب سے پرا مذہب ہے۔ حضرت آدم کا مذہب تھا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے کھانے پر جاؤ تو ہم تم سے انکے شک میں شریک ہوں گے۔ ہر حال اگر تم مسلمان نہ بنائیں چاہتے تو جزیہ ادا کرو۔ ہم تم سے جان و مال اور تماری حفاظت کریں گے۔ تماری مذہبی آزادی و تکرار رکھیں گے۔

خاندوسٹان: یہ بڑی ذلت کی بات ہے۔ ہم اسے منظور نہیں کر سکتے۔

سین: نیک نظریہ ہے۔ خدا سے دوستانہ انداز رکھو گے۔

خاندوسٹان: اچھا یہ رکھو۔ عجیب کی تمہاری تیب کا کڑواں دیں گا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تیس ختم کر کے تمہارے قوم پر حکمرانوں کا اڈا نہیں باہر نکال دوں گا پھر عہد پر چڑھوں گا کہ تمام عرب و عجم کو لڑاؤ۔ سین: یہ تمہارے کہہ ہو کہ تمہارے پاس لشکر کافی ہے مگر تم سے پہلے تمہارے ہاتھ سے کھانوں نے





وہیں گے اور اس طرح آسانی سے شہر میں بوجھ جائے گا۔

خازنستان: بات معقول ہے۔ لیکن ایسا شخص ہے جسے لڑائی کے لیے بھیجا جائے۔

ایک اسمیر انہی کے ساتھ اس لشکر میں آیا۔ یہ اسمیر ہے جو مسلمانوں کے سپہ سالار سے لڑنے پر تیار ہو جائے۔

خازنستان کی خوش آگیا۔ امداد لے گا۔

اگر سپہ سالار اور نامزد ہیں تو میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔

چنانچہ وہ گھوڑا لڑا کر میدان میں پہنچا۔ اس وقت وہ شاہزادہ باکس میں تھا۔ مرنے اور جواہر کے زخموں سے اس کے بدن پر تھکے زخموں کا پچھنے ہوئے تھا۔

اس نے ہلکا کر کہا:

”میں مسلمانوں کے سپہ سالار سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔“

سین گھوڑا لڑا کر کھڑے ہوئے۔

اس نے پوچھا:

”کیا تم ہی اسمیر لشکر کے سپہ سالار ہو؟“

سین نے جواب دیا:

”میں ثابت ہوں۔“

خازنستان: تم وہاں جاؤ۔ اپنے سپہ سالار کو بھیج۔

سین نے واپس جا کر امیر خاندان سے اس کی بات کہی۔ امیر نے اپنے غم میں کوسے کر کہا:

”اگر میں شہر ہو گیا تو میرے خاتم تمام ہو گئے اور اگر زندہ بچ گیا تو یہ علم آگے لے دوں گا۔“

سین نے علم لے لیا۔

وہ گھوڑا دوڑا کر خازنستان کے مقابلہ کے پہنچے۔ وہ حملہ کرنے کے توفیق تھے۔ خازنستان نے ان کو دیکھ کر

کشتہ بھرے گے ہیں پوچھا:

”تم ہی سپہ سالار ہو؟“

انہوں نے جواب دیا: ”ہاں۔“

خازنستان: بہتر یہ ہے کہ تم دونوں لوگوں کو قتل کر دیں۔ تم دارک۔

میرا خاندان: مسلمان ابتدا میں کیا کرتے۔ چلے گئے۔

خازنستان: حکم ہوتا ہے تمہیں اپنی باوری پر بڑا اذیت ہے۔ اچھا سنو۔

وہ اچھے طرح جانتا تھا۔ اس نے تواریخانہ سے کہنے کی بڑی طاقت سے حکم دیا۔ اللہ نے اس کا

اچھا حال پر روکا اور اس طرح پر کہ نہ ٹھہرا۔ ہر زور پوری نہ لگی۔

خازنستان نے دوسرا حکم کیا۔

انہوں نے اس کا وہ بھی روک دیا۔ اللہ بھر جلد سے چپٹ کر خود بھی لڑا گیا۔ خازنستان نے اس کا یہ

دارو روک دیا لیکن اس نے فوراً ہی کہا:

”میں فیصلہ ہو گیا۔ میں قادیان کی طاقت کو چھوڑ

امیر خاندان کو بڑی جرات ہو گئی۔ وہ دوسرا حکم پہنچاتے تھے مگر انہوں نے قادیان کو اس سے بچھڑا

کی شرافت پر اہمیت کرتے ہوئے:

خازنستان: میں خراج ادا کیا کروں گا۔

امیر خاندان نے خراج کی رقم مقرر کی۔ اس نے منکر کر دیا۔

خازنستان چلا گیا۔ امیر خاندان کی ٹوٹ آئی۔ انہوں نے مسلمانوں کو اطلاع دی کہ دشمن نے خراج کا ادا کرنا

طاقت کو چھوڑ دیا۔ مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔

اسی لشکر کو کشتی ہو گیا۔

دوسرے روز خازنستان نے خراج کی رقم ادا کی۔ اس طرح اس کا خراج ہو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر اس نے خراج دیا۔







کہتا ہے سلطان اس پر اٹھا نہیں کر سکتا۔

مرزا باہر میں مجبور ہو کر دل کا زہر زبان پر لائی ہوں۔

سین: سلطان اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ نہ کوئی مسلم لڑکی اس کا سر رکھتی ہے۔

مرزا باہر: کیا میں اس پر اصرار کر دوں۔

سین: نہیں! کسی شرمک امید کو دل میں بگڑ ہی نہیں دینی چاہیے تھا۔

مرزا باہر کے منہ پر ہنسی ہو گئی۔ سین نے کہا،

”خیر! انہیں سن ہے کہ میری باتوں سے تمہارے دل کا ذہن بچتی۔“

مرزا باہر: تم اگر چاہو تو میرے دل کی لذت دور ہو سکتی ہے۔

سین: میں مجبور ہوں۔

مرزا باہر: میری تقدیر کا فیصلہ اسی وقت ہو گیا تھا جب سلطانہ....

دو گھنٹے گئے، ایک گئی۔

اسی وقت حسینہ وہاں آ گئی۔ انہوں نے کہا،

سلطانہ کو اٹھا کر تہ کی مائش میں تم شریک نہیں۔ مجھے صبر کچھ سہا ہے۔

مرزا باہر: اب تمہیں صوم ہو گیا ہے تو میں اقرار کرتی ہوں۔

سین: چو کھڑے رہے۔ حسینہ نے کہا،

”اکی کات سے فتنہ اٹھاتا۔“

سین نے مرزا باہر سے کہا،

”انہوں نے اسے ایسی گفٹ حرکت کی۔“

مرزا باہر: کہہ گئی تھی۔ راستے میں اسے برسرِ مارا۔ امدت نہ پوچھا۔

کیا راز مرزا باہر؟

مرزا باہر: تیرے جواب دیا۔

تو براسلہ ہے۔ اگر تمہارے دل کو لے جاتے تو....

برس: تو میری اور ساری دونوں زندگیاں خوشگوار ہو جائیں۔ مجھے اپنے بڑے سہم اور باور و گور کا

سلطانہ کے انوار پر تعینت کیا تھا۔ وہ کمبخت اسے لے تو لگے گھبراہٹ الیہ خاتم کے انہوں نے لگے

کیا اب تیری کوئی جگہ کا اگر نہیں ہو سکتی؟

مرزا باہر: نہیں۔ میں نے جلد چھینکا۔ سلطانہ اس میں پھنس گئی۔ میں نے ایک تیرے دو شکار کرنے چاہے تھے

لگتھری خالی کیا۔

برس: امیری نقدیر میں سلطانہ نہیں تھی اور تیری قسمت میں سبیل نہیں ہے۔ بات یہ ہے مرزا باہر۔ اگر

سلطانہ میرے پاس آجانی ف میں تھے سبیل کے سرو نہ کرت۔

مرزا باہر نے حیرت سے برس کو دیکھا کہ کہا:

”میرا؟“

برس: اسی لیے کہ میری قیمت اس بات کو گوارا نہ کرتی کہ تجھے ایسے بے دی کے حواسے کو دیں جو ہمارے

مذہب کا دشمن ہے اور ہمارے ارشاد کا دشمن ہے۔

مرزا باہر: اب میں سمجھی۔ جس ناکامی تمہارے اسی خیال کی وجہ سے ہوئی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔

برس: اسی روز مرزا باہر کو لے کر اپنا چھوڑا۔



امیر عبد اللہ نے مالی غنیمت کا ہاتھوں حصہ فتح کی خوشنودی کے ساتھ سین کے ہمراہ دربارِ خلعت میں روانہ

کیا۔ سین کے ساتھ ملب، عبدالرحمن اور ذہانی موصواریت اپنے بڑی بچوں کے چلے۔

یہ لوگ قطع منازل اور قطع مراحل کرتے یہ سوار پہلے۔ سین نے تہ فتنہ امیر المومنین کے حضور عرض

کیا حضرت ٹہرنے خدا بڑے کر سجدہ شکر کیا کیا۔ ال غنیمت اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

سین کو کئی ہو گئے عبدالرحمن اور ملب بھی ان کے پاس ہی تھے۔ عبدالرحمن کا زاد و بچہ روز ہی

کے پہلے نکلتی واپس بدلے کاٹھا کیوں ملب نے بھی کچھ ملے نہیں کیا تھا۔

ایک موز باہر نے دفعہ سے کہا،

”تم اپنے ابو سے کہیں کہ وہ جلد جان کا بیٹا اسلحہ کے لیے ملک کو دیں۔“

دفعہ: جلدے دلت کو اس سے ذکر کیا تھا۔ یعنی جسے وہ آگیا تھا اور اسے لگے۔ ابو کہنے لگے، ملب کچھ عجیب

کے ہیں۔ صوم نہیں نکلا رہی یاد کریں۔

بابہ: اگر انھوں نے سکونہ کیا تو۔

و اس سے چھپ ہو گئی کہ ماضی سے جدا ہو کر رہے تھے۔ بابہ دلد سے بٹ گئی۔ عبدالرحمن خوش تھے  
انہوں نے دنیہ کے پاس کہا کہ :  
"بہن! عجب تو اس پیاس کے منتظر ہیں تھے۔ اچھلنے منظور کر رہا ہے۔"  
دنیہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس سے خدا کا شکر ادا کیا اور عبدالرحمن سے کہا :  
"میں بابہ کو یہ خوش خبری سنا تھا۔"  
عبدالرحمن مزید رستہ نادر۔

وہ چلے گئے۔ دنیہ دوڑی ہوئی بابہ کے پاس پہنچی۔ اس نے کہا :  
"بابہ۔ عجب نے چچا منظور کر لیا ہے۔"  
بابہ کو بھی بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ دونوں مدتیں خوش ہو رہی تھیں کہ رستہ  
وگن آگئی۔ احمد نے کہا :  
"آج کیا گیا۔ تم دونوں بڑی خوش ہو رہی ہو۔"

دنیہ نے کہا :  
"آج تیس روز راضی ہوئے کہ جو بابہ نے تجویز کی تھی۔"  
سلسلہ کیسے سزا؟  
دنیہ : بغیر نکاح کسی کو شریک حیات کہہ سکتا ہوا۔  
بابہ : بھئی میں تو جان کر آج ہی آپ کے چچا سے کہہ چکا تھا۔ آپ اب جاننا !  
سلسلہ : وحشت !

دنیہ : وحشت نہیں۔ منہ دیکھ کر آؤ۔  
بابہ : اس شکر کے چوتھ چم کو۔ مزہ میٹھ ہو جائے گا۔  
دنیہ : شک ہے۔  
وہ سب دن کی طرح رومی سلسلہ زندہ نگار بھی کی طرح جی گئی۔  
چند ہی روز کے بعد سلسلہ نکاح ہو گیا۔  
سب کو طبیعت کو اسلام نے بدل دیا۔ ان کی جاہلیت کی یہ جرئت دور ہو گئی کہ وہ سلسلہ کا کھسے  
نکاح کریں۔ اور رومی اور سلسلہ کے نہیں خوش ہوئے۔  
اب سلسلہ کا نکاح کے نہیں خوش ہوئے۔

عبدالرحمن دنیہ کو لے کر چلے گئے اور انہوں نے اپنے قبیلہ کے ایک خوش فہم جوان سے اس کا نکاح  
کر دیا۔ یہ نینوں نکاح میں جا کر رہنے لگے۔  
سلسلہ اور عجب اپنے قبیلہ میں آ گئے۔  
سلسلہ نے بابہ کا نکاح بھی ایک نوجوان سے کر دیا اور یہ سب عیش و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔



۶۰۱-	صداق حسین مدنی	جنگ خندق
۶۵۱-	صداق حسین مدنی	فتح شومسر
۶۵۱-	صداق حسین مدنی	سراج الدولہ
۵۰۱-	صداق حسین مدنی	سلطان بایزید بیدرم
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	عرب کا چاند
۶۰۱-	صداق حسین مدنی	مغل اعظم اکبر
۵۰۱-	صداق حسین مدنی	مشرق کی حور
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	حور عرب
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	مجھی شہنشاہ
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	عروس بغداد
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	فتح بزمک
۳۵۱-	صداق حسین مدنی	انقلاب افغانستان
۶۰۱-	صداق حسین مدنی	دو شیزہ بند
۸۰۱-	صداق حسین مدنی	فتح خیبر
۳۵۱-	صداق حسین مدنی	اتازک مصطفیٰ کمال پاشا
۹۰۱-	صداق حسین مدنی	محمد بن قاسم
۷۵۱-	صداق حسین مدنی	فتح بیت المقدس
۶۵۱-	صداق حسین مدنی	سلطان محمد غوری
۸۵۱-	صداق حسین مدنی	فتح مصر
۹۰۱-	صداق حسین مدنی	علاء الدین زنجی
۹۰۱-	صداق حسین مدنی	غازین عرب
۱۰۰۱-	صداق حسین مدنی	برادر حور
۳۵۱-	صداق حسین مدنی	جنگ للطین
زیر طبع	صداق حسین مدنی	ملہ مجم

شاہد بکد پور دو بازار جامع مسجد دلی

### فہرست کتب

۱۰۱-	فتح شومسر
۲۰۱-	سراج الدولہ
۳۰۱-	سلطان بایزید بیدرم
۴۰۱-	عرب کا چاند
۵۰۱-	مغل اعظم اکبر
۶۰۱-	مشرق کی حور
۷۰۱-	حور عرب
۸۰۱-	مجھی شہنشاہ
۹۰۱-	عروس بغداد
۱۰۰۱-	فتح بزمک
۱۱۰۱-	انقلاب افغانستان
۱۲۰۱-	دو شیزہ بند
۱۳۰۱-	فتح خیبر
۱۴۰۱-	اتازک مصطفیٰ کمال پاشا
۱۵۰۱-	محمد بن قاسم
۱۶۰۱-	فتح بیت المقدس
۱۷۰۱-	سلطان محمد غوری
۱۸۰۱-	فتح مصر
۱۹۰۱-	علاء الدین زنجی
۲۰۰۱-	غازین عرب
۲۱۰۱-	برادر حور
۲۲۰۱-	جنگ للطین
۲۳۰۱-	ملہ مجم

### ہمارے شہر

۱۰۱-	فتح شومسر
۲۰۱-	سراج الدولہ
۳۰۱-	سلطان بایزید بیدرم
۴۰۱-	عرب کا چاند
۵۰۱-	مغل اعظم اکبر
۶۰۱-	مشرق کی حور
۷۰۱-	حور عرب
۸۰۱-	مجھی شہنشاہ
۹۰۱-	عروس بغداد
۱۰۰۱-	فتح بزمک
۱۱۰۱-	انقلاب افغانستان
۱۲۰۱-	دو شیزہ بند
۱۳۰۱-	فتح خیبر
۱۴۰۱-	اتازک مصطفیٰ کمال پاشا
۱۵۰۱-	محمد بن قاسم
۱۶۰۱-	فتح بیت المقدس
۱۷۰۱-	سلطان محمد غوری
۱۸۰۱-	فتح مصر
۱۹۰۱-	علاء الدین زنجی
۲۰۰۱-	غازین عرب
۲۱۰۱-	برادر حور
۲۲۰۱-	جنگ للطین
۲۳۰۱-	ملہ مجم

حکیم بک دوسرہ میا محل جامع مسجد دلی

Rs. 60/-

شہر پرنسپل ۱۰۱ ۲۲۴۶۹۰